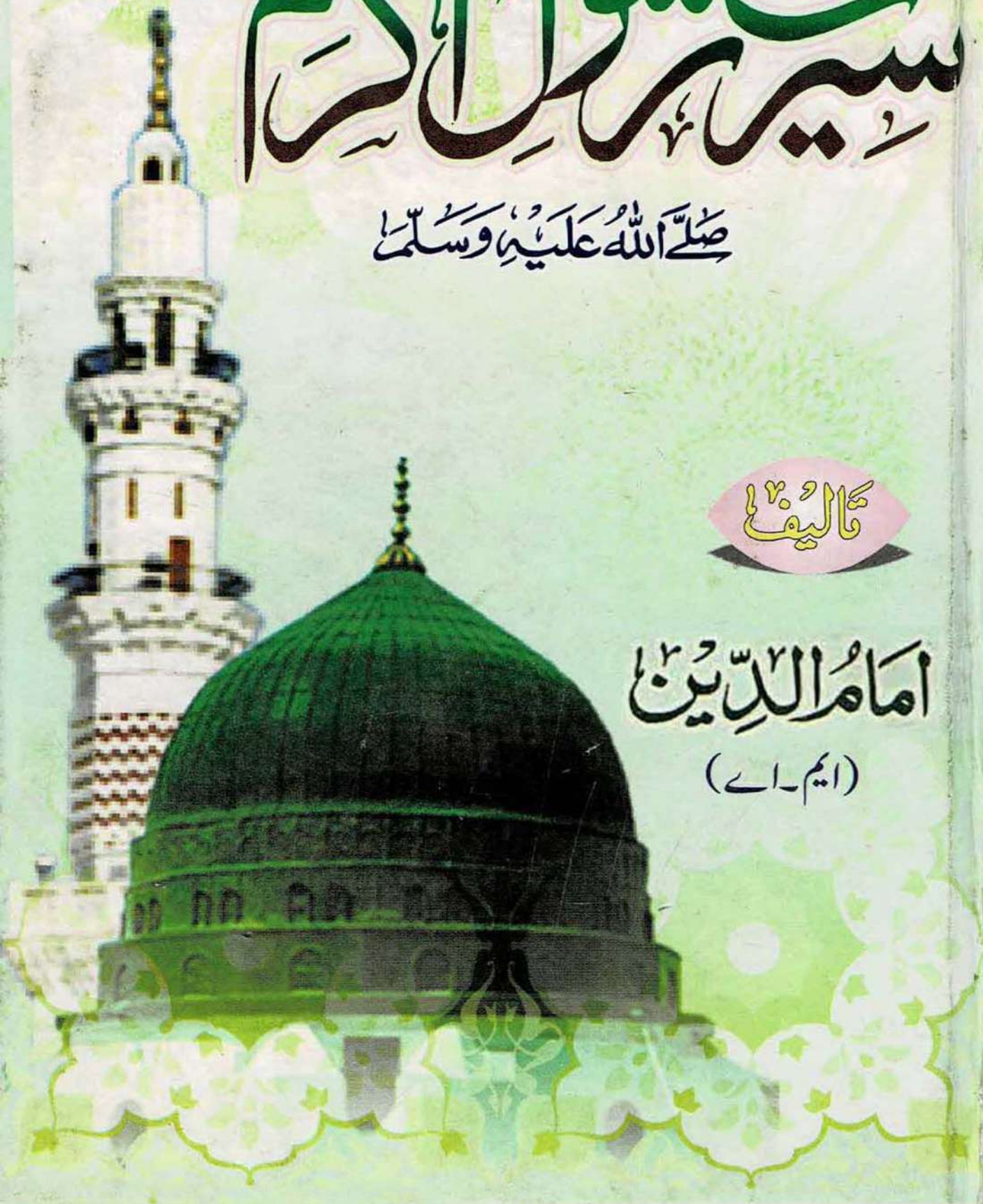
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخی زندگی پر ایک جامع کتاب

سیرتِ رسولِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم



تالیف

امام الدین

(ایم۔اے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

امام الدین

(ایم۔اے)

© جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

کتاب	:	سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
مؤلف	:	امام الدین کشی نگری
مقدمہ	:	مولانا محمد ظفر الدین برکاتی
نظر ثانی	:	مولانا محمد امام الدین مصباحی
ناشر	:	امام الدین
کمپوزنگ	:	معراج احمد مصباحی
سالِ اشاعت	:	1442ھ/ 2021ء
طباعت	:	1100
صفحات	:	316
قیمت	:	200/-

ملنے کا پتہ

امام الدین، ساکن۔ سومہی بزرگ عرف مہدیا، پوسٹ۔ پپرا اگرواں ضلع کشی نگر (یوپی)

موبائل نمبر: +91-8173883032

معراج احمد گوپال گنجوی، اسٹور پرچیز آفس (رجسٹرار آفس)، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی۔ 25

موبائل نمبر: 09868438894

دھلی میں ملنے کا پتہ

رضوی کتاب گھر 425، اُردو مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔6

Book	:	**SERAT-E-RASOOL-AKRAM**	
Author	:	**IMAMUDDIN**	
Quantity	:	1100	Price:- 200
Publisher	:	**IMAMUDDIN**	

مؤلف ایک نظر میں

نام	:	امام الدین
قلمی نام	:	امام
تاریخ پیدائش	:	25 اکتوبر 1968
مقام پیدائش	:	ساکن مہدیاں، پوسٹ پپرا اگرواں، ضلع کشی نگر (یو. پی)
ولدیت	:	نبی رسول صاحب
پرورش	:	زیر سایہ جناب حاجی عبدالحفیظ صاحب مرحوم ساکن فاضل ٹولہ، پوسٹ کیئل گڑھ، ضلع سیوان (بہار)

تعلیم:

میٹرک	:	جی. ایم. ہائی اسکول بڑہریا، سیوان
بی. اے اُردو (آنرز):		ڈی. اے. وی. کالج، سیوان
معلم	:	جامعہ اردو علی گڑھ
بی۔ٹی۔سی	:	پرائمری ٹیچرس ٹریننگ کالج سیوان۔ بہار اسکول امتحانات بورڈ پٹنہ
ایم. اے	:	راجندر کالج چھپرہ
پروفیشن	:	ٹیچر

فہرست

پیش لفظ viii

مقدمہ xi

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی

1۔ ظہور اسلام سے پہلے عرب کی صورت حال 23

2۔ ولادت رسول اور مکہ معظمہ کے ترپن سال 34

3۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم والدہ کے آغوش میں 38

4۔ دادا کے سایۂ شفقت میں 39

5۔ ابو طالب کی کفالت میں 39

6۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی 41

7۔ حجر اسود کے تنازع کا فیصلہ 43

8۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کی نگاہ میں 45

9۔ غارِ حرا کے اندر اللہ کی یاد میں 46

10۔ تبلیغ کا حکم 50

11۔ خفیہ تبلیغ کے تین سال 51

12۔ اعلانیہ تبلیغ 53

13۔ حجاج کرام کو روکنے کے لیے مجلس شوریٰ 56

14۔	مخالفت کے مختلف طریقے	58
15۔	دارِ ارقم	63
16۔	ابو طالب کے یہاں قریش کا وفد	64
17۔	حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت	66
18۔	شاہِ حبش سے قریش کا مطالبہ	68
19۔	حضرت امیر حمزہ کا قبول اسلام	71
20۔	حضرت عمر بن خطاب کا قبول اسلام	72
21۔	ابو طالب کا بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ساتھ اجتماع	77
22۔	قریش مکہ کی طرف سے بنو عبد مناف کا مکمل بائیکاٹ	78
23۔	قریش کا آخری وفد حضرت ابو طالب کی خدمت میں	82
24۔	غم کا سال (اعلانِ نبوت کا دسواں سال)	83
25۔	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال	85
26۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر طائف	86
27۔	مختلف قبائل اور افراد میں تبلیغ اسلام	91
28۔	یثرت کی چھ سعید روحیں	96
29۔	واقعۂ اسرا اور معراج	98
30۔	بیعت عقبۂ اولیٰ	102
31۔	بیعت عقبۂ ثانیہ	106
32۔	مدینے کی طرف مسلمانوں کی ہجرت	110
33۔	دار الندوہ میں قبائل قریش کا جلسہ	112

34۔	رسول اللہ کے قتل کی قرار داد منظور	113
35۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت	114
36۔	رحمت عالم کے گھر کا گھراؤ	115
37۔	آفتاب و ماہتاب غارِ ثور میں	118
38۔	مدینہ میں داخلہ	123

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی

39۔	ہجرت کا پہلا سال	129
40۔	غزوۂ بدر - رمضان 2ھ	141
41۔	غزوۂ بدر کے بعد کفارِ مکہ کا جوش انتقام	161
42۔	غزوۂ احد - شوال 3ھ	165
43۔	غزوۂ بنونضیر - ربیع الاول 4ھ	194
44۔	غزوۂ نجد - جمادی الاولیٰ 4ھ	197
45۔	غزوۂ بدر دوم - شعبان 4ھ	197
46۔	غزوۂ خندق - شوال 5ھ	198
47۔	غزوۂ بنوقریظہ - ذی قعدہ 5ھ	206
48۔	غزوۂ بنی المصطلق / غزوۂ مریسیع - شعبان 6ھ	211
49۔	صلح حدیبیہ - ذی قعدہ 6ھ	219
50۔	غزوۂ خیبر - محرم 7ھ	231
51۔	غزوۂ ذات الرقاع - ربیع الاول 7ھ	238
52۔	غزوۂ قضا - ذی قعدہ 7ھ	239

53۔	جنگ موتہ - جمادی الاولیٰ 8ھ	241
54۔	فتح مکہ - رمضان المبارک 8ھ	244
55۔	ابوسفیان رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی خدمت میں	247
56۔	غزوۂ حنین - شوال 8ھ	260
57۔	غزوۂ طائف - شوال 8ھ	264
58۔	غزوۂ تبوک - رجب 9ھ	269
59۔	حجۃ الوداع - ذی قعدہ 10ھ	277
60	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی	284
61۔	رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی علالت	294
62۔	مسلمانانِ مدینہ پر غم والم کا پہاڑ	303
63۔	حلیۂ مبارک	307

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمین۔ الرحمٰن الرحیم۔ مالك یوم الدین۔ ایاك نعبد وایاك نستعین۔ اهدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیهم۔ غیرالمغضوب علیهم ولا الضالین۔

اللهم صلِّ علیٰ محمد و علیٰ اٰل محمد کما صلیت علی ابراهیم و علیٰ اٰل ابراهیم انك حمید مجید۔ اللهم بارك علیٰ محمد و علی اٰل محمد کما بارکت علیٰ ابراهیم وعلیٰ اٰل ابراهیم انك حمید مجید۔ اما بعد۔

سوا چودہ سو سال قبل کوہِ فاراں کی چوٹی سے ایک نور چمکا جس کی ایک کرن نے ظلمت کدۂ گیتی کو مطلع انوار بنادیا۔ اس شمع امن وسلامتی کے مٹھی بھر پرستار، عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں سے حق وصداقت اور توحید و رسالت کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر کبھی افریقہ کے میدانوں میں، کبھی چین کے چٹیل پہاڑوں میں، کبھی اسپین میں اور کبھی بت کدۂ ہند میں پہنچے اور دیکھتے ہی دیکھتے افق عالم پر چھا گئے۔ مجاہدین اسلام کے قافلے اپنی منزلیں طے کرتے رہے اور ہر منزل پر قدموں کے چند ایسے نشان چھوڑ گئے جن کو حوادث زمانہ کی طوفانی موجیں آج تک نہیں مٹا سکیں۔ حقائق کی چٹانوں پر تاریخ کے یہ سربہ فلک مینار آج بھی اقوام عالم کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ جس زمانے میں روما کی عظیم الشان سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے تھے، ایران کی شہنشاہی ظلم وفساد کا مخزن بنی ہوئی تھی، چین وترکستان میں خوں ریزی کا دور دورہ

تھا، ہندوستان میں بت پرستی کا تہذیبی رواج قائم تھا، یورپ کے باشندے حیوانوں سے بھی بدتر زندگی بسر کرتے تھے اور عرب تمام عیوب و فسادات کا جامع تھا۔ غرض کہ دنیا کے ہر خطے میں انسانیت دم توڑ چکی تھی اور پوری دنیا تیرہ و تار ہو چکی تھی۔ ایسے زمانے اور ملک عرب جیسے خطے میں ہادی برحق رسول رب العالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے شرک کی خباثت، بت پرستی کی تاریکی، فتنہ و فساد کی نجاست اور عصیان و بے شرمی کی پلیدی کو دور کرنے کے لیے لا الہ الا اللہ کی آواز بلند کی جس کی بدولت عرب کے جاہل وحشی لوگ ساری دنیا کے معلم اور سب سے زیادہ مہذب اور بااخلاق بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے مذہب کے ماننے والوں نے صرف اسّی سال کے عرصہ میں تمام متمدن دنیا کا احاطہ کر لیا۔ اس محیر العقول کامیابی کی نظیر دنیا پیش نہیں کر سکتی۔

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب نبی محمد ﷺ کو مقام شفاعت اور درجۂ بلند عطا فرمایا ہے اور مومنوں کو رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے کی ہدایت دی ہے۔ ارشاد رب کریم ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم.

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ کہہ دیجیے! اگر تمھیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو۔ اللہ تمھیں محبوب رکھے گا اور تمھارے گناہوں کو تمھارے لیے بخش دے گا۔

سیرت رسول اکرم ﷺ تا قیامت باقی رہنے والی تاریخی حقیقت ہے، اس عنوان پر کتابیں لکھنے کے لیے بعثت رسول اللہ ﷺ سے ہی لوگوں میں مقابلہ ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر کتابیں لکھنا محض ایک فکری متاع ہی نہیں بلکہ یہی اللہ کی طرف واپسی کی راہ ہے اور اسی میں لوگوں کی اصلاح و فلاح ہے۔ ارشاد رب تعالیٰ ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ و الیوم الآخر و ذکر اللہ کثیرا. (سورۃ الاحزاب. پارہ 21)

ترجمہ: یقیناً تمھارے ہر اس شخص کے لیے اللہ کے رسول ﷺ (کی زندگی) میں

بہترین اسوہ ہے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے جب دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کیسے تھے تو انھوں نے فرمایا: کان خلقه القرآن (بس قرآن ہی آپ ﷺ کا اخلاق تھا) لہٰذا جس مقدس ذات گرامی کا یہ وصف ہے وہ یقیناً تمام انسانوں سے بہتر اور کامل ہے اور ساری خلق خدا میں محبت کی سب سے زیادہ حق دار ہے۔ گویا جو آدمی صراط مستقیم پر چل کر اس دنیا سے نجات چاہتا ہو اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرے اور اس یقین کے ساتھ آپ ﷺ کی سیرت کو اپنائے کہ یہی پروردگار کا سیدھا راستہ ہے اور اسی میں ہماری دونوں جہاں کی کامیابی ہے۔

میں نے اس کتاب کو ایک اسلامی خدمت اور عبادت سمجھ کر لکھا ہے اور مجھے اپنی کم علمی و بے مائے گی کا اقرار ہے۔ جو صاحب، اصلاح کے لیے مجھے مشورہ دیں گے میں انھیں اپنا محسن سمجھوں گا۔ یارب العٰلمین! میرے لیے دنیا میں بھی نیکی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔ تو وحدہ لاشریک ہے، تو نے ہی ہر چیز کو پیدا کیا ہے لیکن تجھ کو کسی نے پیدا نہیں کیا۔ تو ہر شے پر قادر ہے اور یقیناً غفور و رحیم عرش بریں کا مالک ہے۔

وصلی اللہ علی سیدنا و علیٰ آلہ و اصحابہ و بارک وسلم.

محمد امام الدین کشی نگری

مقدمہ

''سیرت'' کسی بھی چھوٹے بڑے انسان کی عادت، جبلت، وصف اور خوبی کو کہتے ہیں اور ''سوانح'' کسی کی شخصی زندگی کے حالات پر مشتمل زبانی و تحریری بیان کا نام ہے، جب کہ ''تذکرہ'' کسی کی سرگزشت زندگی اور اجمالی یا تفصیلی سوانح سے عبارت ہے، تذکار بھی اسی مفہوم کو شامل ہے۔ لیکن ''مغازی'' کفار و مشرکین کے ساتھ ایسی جنگ کے تفصیلی بیان و تذکرہ کا نام ہے جس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک رہے ہوں، متعلقہ واقعات اور ان میں شامل غازیان اسلام کے اوصاف و کمالات مذکور ہوں، جب کہ ''تاریخ'' اس جامع بیان کو کہتے ہیں جس میں تاریخی واقعات، روایات، حکایات، قصے، جنگ و شرکائے جنگ کے حالات ذکر کیے جائیں۔

یوں دیکھیے تو آخرالذکر میں مذکورہ تمام اصطلاحی الفاظ کے معانی و مفاہیم شامل ہیں۔ گویا یہ ایسے مختلف اصطلاحی الفاظ ہیں جن کے مفہوم تقریباً ہم معنی ہیں اور عہد رسالت کے بعد خلافت راشدہ، خلافت بنو امیہ اور خلافت بنو عباس کے ابتدائی دنوں تک اسی طرح استعمال بھی ہوتے رہے ہیں، لیکن جب مملکت اسلامی کی حدود وسیع تر ہوتی گئیں اور علوم و فنون کی ترقی ہوئی تو ہر شعبۂ زندگی میں تبدیلی آگئی، اشیا و ظروف میں امتیاز و اختصاص کا ماحول بنتا گیا اور علم و فکر بھی ایک دوسرے سے ممتاز و ممیز ہونے لگے، چنانچہ اس جزوی فرق کے امتیازی تصور نے علوم و فنون کے درمیان بھی امتیاز و اختصاص کو رائج کر دیا اور یہ سارے

الفاظ الگ الگ مستقل فن کی مستقل اصطلاح بن گئے۔

اب ''سیرت'' کا لفظ، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے وصال مبارک تک کے تمام مراحل حیات کے لیے خاص ہوگیا جس میں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات و صفات آپ کے شب و روز، معاملات زندگی، معجزات و خصوصیات یعنی اعلان نبوت سے پہلے کے حالات اور اس کے بعد کے تمام واقعات زندگی یہاں تک کہ ازواج مطہرات کی خلوت گاہوں سے لے کر اسلامی غزوات اور عہد رسالت کے تمام معرکوں کے ہر لمحہ، ہر گوشہ، ہر کیفیت، ہر مرحلہ اور ہر مسئلہ و معاملہ کا تفصیلی بیان اس کے تحت شامل ہوگیا۔

یوں ہی ''تاریخ'' کا لفظ اس جامع ذکر و بیان کے ساتھ خاص ہوگیا جس میں بادشاہوں، معروف انسانوں، قابل ذکر ہستیوں، ان کے عہد کے واقعات، حادثات، واردات، روایات، تہذیب و ثقافت، جنگ نامے اور دوسرے متعلقہ حقائق و مضمرات و اثرات کا تذکرہ موجود ہو۔

لیکن اہل فکر و دانش اس تاریخی حقیقت سے تقریباً مکمل اتفاق رکھتے ہیں کہ سیرت یا تاریخ نگاری یا اس طرح کے کسی بھی جمع و تحقیق کا کام مکمل طور سے مشاہدہ، تحقیق، تفتیش اور دیانت و امانت کا تقاضا کرتا ہے اور بڑی حد تک خلوص نیت کا عملی مزاج بھی اس تقاضے میں شامل ہے، تو شاید اس حقیقت سے بھی اہل نظر اتفاق کریں گے کہ مسلم مؤرخین نے دوسرے تمام علوم و فنون کی طرح فن سیرت و تاریخ کے لیے مشاہدہ، تفتیش و تحقیق اور امانت و دیانت کا جو اصول اپنایا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی۔ مزید یہ کہ حقائق کے استنباط و استخراج، ان کی جمع و تحقیق کی قدر و قیمت کا جو مسلم مؤرخین کو احساس ہے اور پھر ان کے جو نتائج ہیں، ان کی بھی نظیر ملنی مشکل ہے۔ چنانچہ دنیا کے اکثر مدبر ماہرین تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ عام طور سے عرب مؤرخین اور خاص طور سے مسلم مؤرخین کا اس لحاظ سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

اس تعلق سے مبنی بر حقیقت بات یہ ہے کہ قرآن حکیم مجموعی طور سے تین مرکزی

عنوانات پر زیادہ حاوی ہے اول: اخبارِ ماضیہ، دوم: اخبارِ مستقبلہ، سوم: احکام و اصول۔ قرآن حکیم کے اسی تحقیقی عنصر نے مسلمانوں کو تاریخ نگاری پر خاص طور سے ابھارا اور ہر دور کے واقعات کی جمع و تحقیق و تدوین کا عملی جذبہ عطا کیا۔ خود سیرت النبی، سیر الصحابہ، مغازی اور اہم اسلامی و تاریخی واقعات کی جمع و تالیف نے بھی تاریخ نگاری کے مستقل فن کو ترقی دینے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ بلکہ مسلم مؤرخین کے یہاں تاریخ نگاری کی ابتدا ہی سیر و مغازی سے ہوئی ہے۔ وہ اس طرح کہ اسلام کے ماننے والوں نے سب سے پہلے پیغمبر اسلام کے حالات زندگی، واقعات و مغازی وغیرہ قلم بند کرنے کی طرف توجہ دی، اس سے سیرت نگاری کی بنیاد پڑی، پھر سیرت کے اندر مغازی کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا جانے لگا تو مغازی سے دل چسپی بڑھی اور اسی فن کی بدولت اسلامی فتوحات کی تاریخ مرتب کرنے کا سلسلہ شروع ہوا جو آج مسلمانوں کے پاس تاریخ کا جامع اور قابل قدر ذخیرہ ہے۔

تاریخ نویسی و سیرت نگاری کے ضمن میں تدوین حدیث کا کارنامہ بجائے خود ایک مستقل تاریخی قدم تھا جس کے نتیجے میں ''فن اسماء الرجال'' جیسے بے مثال فن کی بنا و ترقی ہوئی۔ مسلم علما و محققین نے احادیث و سنن کی صحت معلوم کرنے کے لیے راویوں کی ذاتی چھان پھٹک اور شخصی جانچ پرکھ کے لیے جو اصول و ضوابط مرتب کیے، یہ خود ایک عظیم تاریخی تحقیق کا عملی نمونہ ہے۔

قرآنِ حکیم کے بعد اسلامی شریعت کا دوسرا اہم اور بنیادی مأخذ سنت رسول ہے، اس لیے محققین نے احادیث رسول کے تعلق سے صحیح و غلط میں تمیز کرنے اور صحت و سقم معلوم کرنے کے لیے اس فن کو ایجاد کیا۔ اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایسے تقریباً ہزار افراد کے حالات زندگی تاریخ میں محفوظ ہوگئے جنھوں نے پیغمبر اسلام سے بحالت ایمان ملاقات اور اکتساب فیض کا شرف حاصل کیا تھا۔ مزید یہ کہ تابعین، تبع تابعین میں ہزاروں رواۃ اور پھر ان سے روایت کرنے والے خوش نصیب حضرات کے حالات بھی تاریخ کا حصہ بن گئے۔

ایک معروف مغربی فاضل Alloys Springer کا اندازہ ہے کہ ''اس فن کی بنیاد پر

تقریباً پانچ لاکھ افراد کے حالات زندگی تاریخ میں محفوظ ہیں۔'' اس کا یہ بھی خیال ہے کہ ''دنیا میں ایسی کوئی قوم نہیں گذری اور نہ باقی ہے جس نے مسلمانوں کی طرح ''اسماء الرجال'' جیسا کوئی فن ایجاد کیا ہو۔ اسی فن کا کرشمہ ہے کہ ان کے پیغمبر کی زندگی کا ہر لمحہ تاریخ کے صفحات پر نقش ہے۔''

اس سلسلے میں سیرت رسول اکرم لکھنے، اسے لکھ کر محفوظ رکھنے اور پیغمبر اسلام کی ہر ہر ادا، قول و فعل کے ہر تیور، فکر و عمل کے ہر زاویے اور گفتار و کردار کی ہر صورت حال کو حسن عقیدت کے قلم سے جذبۂ عشق و محبت کی تختی پر محفوظ کرنے کا تاریخی سلسلہ بھی بنیادی حیثیت رکھتا ہے، جس کی اہمیت سے ہم آنکھیں نہیں چرا سکتے۔ کیوں کہ سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر گوشے کو لکھ کر محفوظ رکھنے کی سعادت مند روایت عہد رسالت میں ہی قائم ہو چکی تھی۔ صحابۂ کرام جس طرح احادیث رسول کے ''صحیفے'' تیار کرتے تھے، اسی طرح سیرت رسول کے ''کتابچے'' بھی تیار کرتے جاتے تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عہد رسالت میں صحابۂ کرام کا یہ عمل انفرادی اور جزوی عمل تھا جسے ذاتی جذبۂ حسنِ عقیدت اور ذاتِ رسالت مآب سے عشق و محبت کی انتہائی وارفتگی کا نتیجہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن بنیادی طور سے یہ ایک ایسا تاریخی عمل تھا جو عرب اقوام کے اس عمل سے مختلف تھا جس میں وہ شاعرانہ انداز میں محبوب کی ادائیں محفوظ کیا کرتے تھے بلکہ یہ اس قوم کا ایسا تاریخ ساز عمل تھا جس پر ایک الہامی و آفاقی مذہب کے روشن مستقبل کی تعمیر ہونے والی تھی۔ چنانچہ یہ عمل مختلف انفرادی شکلوں میں پروان چڑھتا رہا پھر خلافت راشدہ میں اس میں خاصی ترقی ہوئی اور عہد بنی امیہ میں یہ عمل ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر گیا۔

اس طرح مسلمانوں میں باضابطہ سیرت نگاری کا ذوق و شوق خلافت بنو امیہ کے عہد میں پیدا ہوا، اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم پر امام زہری نے ''کتاب المغازی'' نام کی ایک کتاب لکھی۔ حضرت عروہ بن زبیر بھی اسی عہد

سے تعلق رکھتے ہیں جو معروف تابعی سیرت نگار ہیں، اسی طرح چالیس سے زائد سیرت و مغازی، سوانح و تذکرہ اور اسلامی تاریخ نگاروں کے نام بھی معروف ہیں تاہم سیرت نگار کی حیثیت سے جو حضرات زیادہ معروف و متعارف ہیں، وہ سالِ وفات کی ترتیب کے لحاظ سے یہ ہیں:

1۔ عروہ بن زبیر تابعی (متوفی 96ھ/ 716ء)

2۔ اَبان بن عثمان (متوفی 105ھ/ 724ء)

3۔ ابن شہاب زہری (متوفی 124ھ/ 742ء)

4۔ موسیٰ بن عقبہ مدنی (متوفی 141ھ/ 758ء)

5۔ محمد بن اسحاق (متوفی 151ھ/ 768ء)

6۔ ابن عمر واقدی (متوفی 207ھ/ 818ء)

7۔ ابن ہشام (متوفی 218ھ/ 829ء)

8۔ محمد بن سعد (متوفی 230ھ/ 844ء)

9۔ قاضی عیاض مالکی (متوفی 544ھ/ —)

اِن میں عروہ بن زبیر کو سیرت نگاری کی دنیا میں اولیت حاصل ہوئی تو امام زہری کی کتاب کو خوب شہرت حاصل ہوئی۔ مشہور تابعی سیرت نگار ابن عقبہ مدنی کو بھی اس لحاظ سے بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی کہ ان کی تصنیف کو محدثین کے نزدیک استناد کا درجہ حاصل ہے۔ لیکن ان میں محمد ابن اسحاق اور ابن ہشام مقبول ترین سیرت نگار ثابت ہوئے، جن کی ''کتاب المغازی'' کو بے حد شہرت حاصل ہوئی۔ ابن ہشام کی ''کتاب المغازی'' کو ہی ''سیرت ابن ہشام'' کہا جاتا ہے۔ ابن عمر واقدی اور ان کے شاگرد محمد ابن سعد بھی مشہور سیرت نگاروں میں شامل ہیں مگر یہاں شاگرد کو استاذ کے مقابلے میں زیادہ شہرت و مقبولیت ہوئی جن کی بارہ جلدوں پر مشتمل تاریخی تصنیف ''طبقات'' اس لحاظ سے بڑی اہم ہے کہ اس

میں سیرت رسول کے علاوہ صحابہ و تابعین کے حالات بھی درج ہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے بعد سیرت سے متعلق جو کتاب بھی لکھی گئی، وہ دیگر مذکورہ کتابوں سمیت خاص طور سے اس کتاب کا چربہ اور نچوڑ ہیں۔

یعنی منصوبہ بند طریقے سے باضابطہ سیرت رسول پر تحقیقی کتاب لکھنے یا خلاصے اور حاصل مطالعہ کو ترتیب دے کر مستقل تصنیف و تالیف کا سلسلہ ہنوز جاری ہے اور ان شاء اللہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک مسلم مؤرخین، مصنفین، مؤلفین اور مرتبین کا جذبۂ عشق و عقیدت اور رشتۂ تحقیق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ساز روحانی و انقلابی زندگی سے جڑا رہے گا۔

لیکن سیرت نبوی کا عنوان ایک ایسا علمی اور تاریخی بحر بیکراں ثابت ہوا ہے جس کو عبور کر لینا بڑے بڑے اہل علم و قلم کے لیے بھی آسان نہیں بلکہ ایک مذہبی مفکر کے بقول: ''آسمان کے چاند تاروں کو توڑ کر اپنے دامن میں رکھنا جس طرح دشوار مسئلہ ہے اسی طرح سیرت رسول کے ہر گوشے کو سمیٹ لینا بھی نہایت دشوار ہے۔'' لیکن اس کے باوجود آج ہر زبان میں سیرت رسول اکرم کی چھوٹی بڑی کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ دنیا میں موجود ہے کہ کسی دوسرے عظیم ترین بادشاہ یا حکم راں کی حیات و خدمات پر اس کا عشر عشیر بھی موجود نہیں۔ عربی، فارسی، انگلش اور اردو ان چار زبانوں میں سیرت کی زیادہ تر کتابیں لکھی گئیں ہیں، اس طرح دنیا کی ساری زبانوں کے مقابلے میں مذکورہ چار زبانوں کو مأخذ کا درجہ حاصل ہے، لیکن عربی چوں کہ پورے خطۂ عرب اور کئی سو سال تک فارسی ایران و افغانستان و ہندوستان کی سرکاری زبان رہی ہے، اس لیے سیرت کی اکثر بنیادی کتابیں عربی زبان میں ہیں، اس کے بعد فارسی کا درجہ ہے پھر برصغیر ہند و پاک کی مادری زبان اردو کو یہ درجہ حاصل ہے کہ اس میں سیرت کی چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں بڑی تعداد میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

زیر نظر کتاب ''سیرت رسول اکرمؐ'' اردو سیرت نگاری کے اس باب میں ایک مبارک

اضافہ ہے جسے ایک ہندوستانی عاشق رسول صاحب قلم محمد امام الدین صاحب کی مبارک شاہکار ہے جس میں انکی محبوب خدا ﷺ سے بے پناہ محبت کی جھلک نظر آتی ہے۔ مؤلف نے اپنی اس تالیف کو تین مرکزی عنوانات ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی، مدنی زندگی اور شخصی زندگی'' کے تحت بڑے تفصیلی انداز میں مرتب کی ہے۔ جامعیت کا خاصا خیال رکھا ہے، ہر واقعے میں مقام و وقت، ماہ و سال، سن ہجری/عیسوی اور انجام کار کا بیان تقریباً لازمی سمجھا ہے اور اکثر مقامات پر مؤلف نے تجزیاتی طریقے سے سیاق و سباق کا لحاظ کرتے ہوئے حاصل گفتگو بھی بیان کر دیا ہے۔ چوں کہ مجھے اس کے ہر ورق کا ہر ہر لفظ پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے، اس لیے میں یقین اور اعتماد کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ یہ کتاب اردو قارئین کے لیے اپنی حجم اور مواد کی ہمہ گیریت کے اعتبار سے ان کی ضرورت ہے۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی قابل قدر ہے کہ اس کے مؤلف کوئی باضابطہ عالم دین نہیں اور نہ ہی کسی دینی ادارے سے فارغ ہیں البتہ دین وعلم سے حد درجہ دل چسپی، مطالعے کا اچھا خاصا ذوق وشوق اور رسول رب العلمین ﷺ سے بیحد عشق ومحبت رکھتے ہیں کہ موصوف نے سیرت کے عنوان پر مبارک ترین تخلیق کی اور سلیقے سے مرتب کیا ہے اور دنیا کے ان خوش نصیب پڑھے لکھے انسانوں میں اپنا نام درج کرانے میں کامیاب ہوگئے ہیں جنھوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخی زندگی اور انقلابی خدمات پر قلم اٹھایا اور سیرت رسول پہ کوئی کتاب ترتیب وتالیف کی۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول عام کرے اور محترم مؤلف اور خاص طور سے ان کے والدین کے لیے اسے ذریعۂ نجات بنائے۔

محمد ظفر الدین برکاتی

21/شوال 1442ھ مطابق 3/جون 2021ء

حمد

یا رب تو میرے دل میں اپنا خیال دے دے
کچھ معرفت بھی اپنی اے ذوالجلال دے دے

فکر و نظر کو میری پاکیزگی عطا کر
میری زباں کو مولا صدقِ مقال دے دے

نورِ یقیں سے مجھ کو ہو شرحِ صدر حاصل
علم و عمل میں مجھ کو اوجِ کمال دے دے

زہد و تقی عطا کر، صدق و صفا عطا کر
اپنے کرم سے ایسے عمدہ خصال دے دے

جن سے ہوں میری آنکھیں دونوں جہاں میں ٹھنڈی
ایسے سعید و صالح اہل و عیال دے دے

جو میرے کام آئے دنیا و آخرت میں
اس طرح کے مبارک مال و منال دے دے

میں ہوں تیرا سوالی جھولی ہے میری خالی
اپنے کرم سے آقا مجھ کو نوال دے دے

توبہ شکن ہوں لیکن لا تقنطوا سنا ہے
اپنے گنہ پر سچا حزن و ملال دے دے

تیری رضا ہو حاصل ہے التجا ولی کی
بندے کو اپنے مولا حسن مآل دے دے

نعت

یوں تو سارے نبی ہیں مکرم مگر، سرور انبیا کی عجب شان ہے
کرنے والے ثنا ان کی کر لیں مگر، ان کی عظمت پہ عقل، حیران ہے
خلق میں ہیں وہی ماورائے گماں، حشر میں بھی ہے محمود ان کا مکاں
ان کی رحمت کا محتاج سارا جہاں یوں ہر اک پر عجب ان کا احسان ہے
ان کا ہر معجزہ ایسا بھاری ہوا جس سے باطل پہ اک لرزہ طاری ہوا
ان کی انگشت سے چشمہ جاری ہوا، چاند بھی اک اشارے پہ قربان ہے
سوے معراج ان کے اٹھے جب قدم، دم بخود تھے جہاں کے ہر اک زیر و بم
سدرۃ المنتہیٰ جس کے چومے قدم، حق تعالیٰ کا وہ شاہی مہمان ہے
شان عالی بہر طور کامل ہوئی، جو کہ اخلاقِ قرآں کی حامل ہوئی
جس کی تعریف فرقاں میں نازل ہوئی بے شبہ یہ وہی عبد رحمٰن ہے
جس کی آمد سے ظلمت فنا ہوگئی، نور حق سے منور فضا ہوگئی
سارے عالم کو حق کی ندا ہوگئی، یہ وہی آخری حق کا برہان ہے
اک وہی ذات عالی ہے صادق امیں ﷺ ہے انھیں کا لقب خاتم المرسلیں ﷺ
اے ولی ہیں وہی سید العالمیں ﷺ، ان کی الفت ہی بس میرا ایمان ہے

اَللّٰھم صلِّ علیٰ محمد و علیٰ ال محمد کما صلیت علی ابراھیم و علیٰ اٰلِ ابراھیم انك حمید مجید۔ اللّٰھم بارك علی محمد و علی ال محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ ال ابراھیم انك حمید مجید.

اے مدینہ نگر تیری کیا بات ہے

یوں تو ساری زمیں ہے خدا کی مگر، اے مدینہ نگر تیری کیا بات ہے
تجھ میں آرام فرما ہیں خیر البشر ﷺ اے مدینہ نگر تیری کیا بات ہے

تجھ میں جنت نشاں ایک گلزار ہے، ہر طرف ہی عنادل کی چہکار ہے
ہر مسلمان مشتاق دیدار ہے، اے مدینہ نگر تیری کیا بات ہے

باغ عالم میں تجھ سے ہے اک تازگی، ہم کو تجھ سے ملی خاص پاکیزگی
تجھ سے پھیلی ہے دنیا میں شائستگی، اے مدینہ نگر تیری کیا بات ہے

معجزانہ تیرا باغ سلمان ہے، تیرا جنت ثمن بیر عثمان ہے
نام تیرا ہی بس دارِ ایمان ہے، اے مدینہ نگر تیری کیا بات ہے

علم و عرفان کو تونے صفہ دیا، اور خلافت کو تونے سفینہ دیا
اہل ملت کو کیا کیا نہ تحفہ دیا، اے مدینہ نگر تیری کیا بات ہے

اُستوانہ جو حنانہ مشہور ہے، عشق نبوی سے دل اس کا معمور ہے
تیرا دامن تو ایسوں سے بھرپور ہے، اے مدینہ نگر تیری کیا بات ہے

تاقیامت منور ہے تیری جبیں، طیبہ، طابہ، مبارک ہے تو بالیقیں
حق تعالیٰ ولی کو بھی رکھے یہیں، اے مدینہ نگر تیری کیا بات ہے ،

اللھم صلّ علیٰ سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد و بارك وسلم.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی
مکی زندگی

سیرتِ رسولِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللّٰہ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

ظہورِ اسلام سے پہلے عرب کی صورتِ حال

الحمد لله رب العٰلمین والصلوٰة والسلام علیٰ سیدالمرسلین محمد خاتم النبیین واٰله و صحبه اجمعین. اما بعد

رب قدیر نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کا انتخاب فرمایا پھر اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ کی نسل سے قریش کو چنا پھر قریش میں سے بنو ہاشم کو چنا اور بنو ہاشم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کر کے اس سرزمین پر عبدالمطلب کے گھر نمودار کیا۔ یہ علاقہ چہار جانب سے صحرا اور ریگستان سے گھرا ہوا ہے جسے ''جزیرہ نمائے عرب'' کہتے ہیں۔ بیرونی طور پر جزیرہ نمائے عرب پرانی دنیا کے تمام معلوم براعظموں کے ٹھیک بیچ میں واقع ہے۔

جس وقت سرزمین عرب میں اسلام کی شعائیں جلوہ افروز ہوئیں اس وقت وہاں پر دو قسم کے حکمراں ہوا کرتے تھے۔ ایک تاج پوش بادشاہ جو درحقیقت مکمل طور پر آزاد وخودمختار نہ ہوتے تھے اور دوسرے قبائلی سردار جنھیں وہی اختیارات حاصل تھے جو تاج پوش بادشاہوں کے تھے لیکن یہ پورے طور پر آزاد تھے۔ تاج پوش بادشاہ شاہان یمن، شاہان آل غسان (شام) اور شاہان حیرہ (عراق) تھے اور بقیہ حکمراں عرب تاج پوش نہ تھے بلکہ قبیلے میں منقسم تھے اور ان قبائل میں سرداری کا نظام رائج تھا۔ قبیلے خود اپنا سردار مقرر کرتے تھے اور ان سرداروں کے لیے ان کا قبیلہ ایک حکومت کی طرح ہوا کرتا تھا۔ ان قبائلی سرداروں کا درجہ اپنی قوم میں بادشاہوں جیسا تھا گویا کہ سردار اپنی

قوم کا ایک طرح سے ڈکٹیٹر ہوا کرتا تھا، تاہم اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے قبائلی عوام کے ساتھ رواداری برتے، مال خرچ کرے، مہمان نوازی میں پیش پیش رہے، شجاعت کا عملی مظاہرہ کرے تاکہ لوگوں کی نظروں میں عموماً اور شعرا کی نظروں میں خصوصاً خوبی و کمالات کا جامع بن جائے۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے بعض سرداروں کا حال یہ تھا کہ اگر وہ بگڑ جاتے تو ہزاروں تلواریں یہ پوچھے بغیر بے نیام ہو جاتیں کہ سردار کے غصے کا سبب کیا ہے۔

جزیرۂ عرب کے وہ تینوں سرحدی علاقے جو غیر ممالک کے پڑوس میں پڑتے تھے ان کی سیاسی حالت سخت خراب تھی۔ انسان مالک اور غلام یا حاکم اور محکوم کے دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ رعایا درحقیقت ایک کھیتی تھی جو حکومت کے لیے آمدنی فراہم کرتی تھی اور ان پر ظلم کی بارش ہوتی تھی۔ جو قبائل اندرون عرب آباد تھے ان کے بھی جوڑ ڈھیلے اور شیرازہ منتشر تھا، ان کا کوئی بادشاہ نہ تھا۔ البتہ حجاز کی حکومت کو قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور اسے مرکز دین کا قائد و پاسبان تصور کیا جاتا تھا۔ اسے اہل عرب پر دینی پیشوائی کے نام سے بالادستی حاصل تھی اور حرم اور اطراف حرم پر اس کی حکمرانی تھی لیکن یہ حکومت اتنی کمزور تھی کہ اندرون عرب کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہ رکھتی تھی۔

مکہ میں آبادی کا آغاز حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہوا۔ آپ نے 137 برس کی عمر پائی تھی اور تاحیات مکہ کے سربراہ اور بیت اللہ کے متولی رہے۔ عام باشندگان عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں دین ابراہیمی کے پیروکار تھے اور توحید پر کاربند تھے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ توحید پرستی کے ایک حصے کو انھوں نے بھلا دیا۔ پھر بھی ان کے اندر توحید اور دین ابراہیمی کے کچھ شعائر باقی رہے یہاں تک بنو خزاعہ کا سردار عمرو بن لحیٰ منظر عام پر آیا۔ اس کی نشو و نما دینی امور سے گہری دلچسپی پر ہوئی تھی اس لیے لوگوں نے اسے محبت کی نظر سے دیکھا اور اسے اکابر علما میں سمجھ کر اس کی پیروی کی۔ اس شخص نے ملک شام کا سفر کیا اور دیکھا

کہ وہاں پر بتوں کی پوجا کی جا رہی ہے۔ اس نے سمجھا کہ یہ بہتر اور برحق ہے کیونکہ ملک شام پیغمبروں کی سرزمین اور آسمانی کتابوں کی نزول گاہ رہی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھ ہُبل بت بھی لے آیا اور اسے خانۂ کعبہ کے اندر نصب کر دیا۔ پھر اہل مکہ کو اللہ کے ساتھ شرک کی دعوت دی اور اہل مکہ نے اس پر لبیک کہا، اب اس کے بعد باشندگان حجاز بھی اہل مکہ کے نقش دم پر چل پڑے۔ کیونکہ وہ بیت اللہ کے والی اور حرم کے باشندے تھے۔ اس طرح عرب میں بت پرستی کا آغاز ہوا۔

ہُبل کے علاوہ عرب کے قدیم ترین بتوں میں سے مَنات ہے جو بحر احمر کے ساحل پر قدید کے قریب مشلّل (مجسم شکل میں) نصب تھا۔ اس کے بعد طائف میں لات نامی بت وجود میں آیا پھر وادی نخلہ میں عُزّیٰ کا ظہور ہوا۔ یہ تینوں عرب کے سب سے بڑے بت تھے۔ اس کے بعد حجاز کے ہر خطے میں شرک کی کثرت اور بتوں کی بھرمار ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک جن، عمرو بن لحی کے تابع تھا اس نے بتایا کہ قوم نوح کے بت یعنی وَدّ، سُواع، یغوث، یعُوق اور نسر جدہ میں مدفون ہیں۔ لہٰذا عمرو بن لحی جدہ گیا اور ان بتوں کو کھود نکالا۔ پھر انھیں تہامہ لایا اور جب حج کا زمانہ آیا تو انھیں مختلف قبائل کے حوالے کیا۔ یہ قبائل ان بتوں کو اپنے اپنے علاقوں میں لے گئے۔ اس طرح ہر ہر قبیلے میں پھر ہر گھر میں ایک ایک بت ہوگیا اور پھر مشرکین نے مسجد حرام کو بتوں سے بھر دیا۔ یعنی شرک اور بت پرستی مشرکین مکہ کے دین کا سب سے بڑا مظہر بن گئی پھر بھی وہ یہ تصور کرتے تھے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے جنھیں بانی اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے توڑا۔

مشرکین عرب کاہنوں، عرافوں اور نجومیوں پر بھی ایمان رکھتے تھے لیکن انھوں نے دین ابراہیمی کو پورے طور پر نہیں چھوڑا تھا چنانچہ وہ بیت اللہ کی تعظیم اور اس کا طواف کرتے تھے۔ حج وعمرہ کرتے تھے، عرفات و مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور ہدی کے جانوروں کی قربانی کرتے تھے لیکن ساتھ میں انھوں نے کچھ بدعتیں بھی ایجاد کر دی

تھیں جب کہ وہ کہتے تھے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، حرم کے پاسبان ہیں، کعبہ کے والی ہیں اور مکہ کے باشندے ہیں اس لیے کوئی شخص ہمارے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا ہمارے شایان شان نہیں کہ ہم حدود حرم سے باہر جائیں۔ چنانچہ حج کے دوران یہ صاحبان عرفات نہیں جاتے تھے اور نہ وہاں سے افاضہ کرتے تھے۔ بلکہ مزدلفہ ہی میں ٹھہر کر وہیں سے افاضہ کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بدعت کو ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ثُمَّ اَفِيضُوا مِن حَيْثُ اَفَاضَ النَاسَ. یعنی تم لوگ بھی وہیں سے افاضہ کرو جہاں سے سارے لوگ افاضہ کرتے ہیں۔

جزیرہ نمائے عرب کے مختلف اطراف میں یہودیت، مسیحیت، مجوسیت اور صابیت بھی موجود تھی۔ ظہور اسلام کے وقت مشہور یہودی قبائل خیبر، نضیر، مصطلق، قریظہ اور قینقاع وغیرہ تھے۔ جب اسلام کا چاند عرب کی سرزمین پر رونق افروز ہوا اس وقت سرزمین عرب میں پائے جانے والے تمام مذاہب کے حالات خستہ تھے۔ مشرکین مکہ جن کا دعویٰ تھا کہ وہ دین ابراہیمی پر ہیں لیکن وہ شریعت ابراہیمی سے کوسوں دور تھے۔ یہودی مذہب محض ریاکاری اور تحکم بن کر رہ گیا تھا اور یہودی رہنما، اللہ کے بجائے خود ہی رب بنے بیٹھے تھے اور عیسائیت بھی بت پرستی کا معمہ بن کر رہ گئی تھی۔

عرب کی آبادی مختلف طبقات پر مشتمل تھی اور یہ طبقات ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف تھے۔ شوہر بیوی کے تعلقات کافی ترقی پر تھے اور عورت کو بہت کچھ خود مختاری حاصل تھی، اس کا اتنا احترام کیا جاتا تھا کہ اس راہ میں تلواریں نکل پڑتی تھیں۔ دوسری طرف شوہر بیوی کے رشتہ کا یہ حال تھا کہ انھیں بدکاری، بے حیائی اور زنا کاری کے علاوہ دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا۔ اس زمانے میں نکاح کی چار صورتیں تھیں۔ ایک تو یہی صورت تھی جو کہ آج بھی لوگوں میں رائج ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے یہاں نکاح کا پیغام بھیجتا ہے پھر منظوری کے بعد مہر دے کر اس سے نکاح کر لیا جاتا ہے لیکن دوسری صورت اہل جاہلیت کی یہ تھی کہ جب عورت حیض سے پاک ہو جاتی تو اس کا شوہر کہتا کہ فلاں شخص کے پاس پیغام بھیج کر اس سے اس کی شرمگاہ حاصل کرو یعنی کہ

زنا کراؤ۔ شوہر الگ تھلگ رہتا اور جب واضح ہو جاتا کہ عورت نے جس سے زنا کرایا ہے اس سے حمل ٹھہر گیا ہے پھر اس کے بعد شوہر کا دل کرتا تو بیوی کے پاس جاتا۔ ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہ لڑکا شریف اور باکمال پیدا ہوگا۔ نکاح کی تیسری صورت یہ تھی کہ قریب دس آدمیوں سے کم کی ایک جماعت اکٹھا ہو کر ایک عورت کے ساتھ بدکاری کرتے پھر جب عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو پیدائش کے چند رات بعد وہ عورت سب کو بلا بھیجتی اور سب کو آنا پڑتا۔ اس کے بعد وہ عورت کہتی کہ آپ لوگوں کا جو معاملہ تھا وہ آپ سب جانتے ہی ہیں اور اب میرے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے۔ اے فلاں! یہ تمھارا بیٹا ہے۔ وہ عورت ان میں سے جس کا نام چاہتی لے لیتی پھر وہ بچہ اسی کا مانا جاتا۔ نکاح کی چوتھی صورت یہ تھی کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہو کر کسی عورت کے پاس جاتے۔ یہ عورتیں رنڈیاں ہوتی تھیں اور جب ایسی عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو سب کے سب اس کے پاس جمع ہوتے اور قیافہ شناس کو بلاتے۔ قیافہ شناس اپنی رائے کے مطابق اس بچے کو کسی بھی شخص کے ساتھ ملحق کر دیتا پھر وہ بچہ اسی شخص کا کہلاتا۔

لیکن جب اللہ پاک نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو جاہلیت کے یہ سارے نکاح ختم کر دیے اور صرف اسلامی نکاح باقی رہا جو آج رائج ہے۔

دور جاہلیت میں لوگ لڑکیوں کو رسوائی اور خرچ کے خوف سے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ یعنی اجتماعی حالت بے بصیرتی کی پستی میں گری ہوئی تھی۔ لوگ جانوروں جیسی زندگی گزار رہے تھے، ہر طرف خرافات کا دور دورہ تھا۔ اور جہاں تک اقتصادی حالات کا معاملہ ہے تو تجارت ہی ان کے لیے ضروریات زندگی حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ تھی اور تجارت کی ترقی امن و سلامتی کے بغیر ممکن نہیں جب کہ ادھر حرمت والے مہینوں کے سوا امن و سکون کا پایا جانا ممکن ہی نہ تھا۔

لیکن اہل جاہلیت میں کچھ ایسے پسندیدہ اخلاق بھی تھے جنھیں دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ اہل جاہلیت میں کرم و سخاوت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور اس پر وہ فخر بھی

کرتے تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ سخت جاڑے اور بھوک کے زمانے میں کسی کے گھر کوئی مہمان آجاتا اور اس کے پاس اپنی ایک اونٹنی کے علاوہ کچھ نہ ہوتا جو اس کی اور اس کے کنبے کی زندگی گزارنے کا واحد ذریعہ ہوتی تو بھی اس پر سخاوت کا جوش غالب آجاتا اور وہ اٹھ کر اپنے مہمان کے لیے اپنی اونٹنی کو ذبح کر دیتا۔ اسی جوش و جذبہ کا نتیجہ تھا کہ وہ بڑی بڑی دیت اور مالی ذمہ داریاں اٹھا لیتے اور انسانوں کو بربادی اور خوں ریزی سے بچا کر دوسرے رئیسوں اور سرداروں کے مقابل فخر کرتے تھے۔ ان کے اندر وفائے عہد کی خصوصیت بھی تھی جو اُن کے نزدیک دین کا درجہ رکھتی تھی۔ ان کے اندر پختہ عزم تھا۔ جب کسی کام کو افتخار سمجھ کر انجام دینے پر تُل جاتے تو پھر کوئی رکاوٹ انھیں روک نہیں سکتی تھی پھر وہ اپنی جان پر کھیل کر اس کام کو انجام دے ڈالتے تھے۔

نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان آپ ﷺ کے جدِ اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کی نسبت سے ہاشمی خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ خلیل بن جشیہ خزاعی جو کہ مکہ کا والی تھا قصی نے اس کی لڑکی سے شادی کی۔ خلیل کے انتقال کے بعد مکہ اور بیت اللہ پر قصی کا اقتدار قائم ہوگیا۔ یعنی سربراہی قریش کے ہاتھوں آگئی۔ یہ واقعہ پانچویں صدی عیسوی کے وسط کا ہے۔

قصی نے مکہ کا بندوبست کچھ اس طرح کیا کہ قریش کو اطراف مکہ سے بلا کر پورا شہر اُن پر تقسیم کر دیا اور ہر خاندان کی بود و باش کا ٹھکانا مقرر کیا۔ قصی کا ہی یہ کارنامہ ہے کہ اس نے حرم کعبہ کے شمال میں ''دارالندوہ'' تعمیر کیا جس کا دروازہ مسجد کی طرف تھا۔ یہ درحقیقت قریش کی پارلیامنٹ تھی جہاں پر تمام بڑے بڑے اور اہم معاملات کے فیصلے ہوتے تھے۔ قریش پر دارالندوۃ کے بڑے احسانات ہیں کیونکہ یہ ان کی وحدت کا ضامن تھا اور یہیں پر ان کے تمام الجھے ہوئے پیچیدہ مسائل بہ حسن وخوبی حل ہوتے تھے۔ قصی کا بیٹا عبدالدار تھا لیکن اس کا دوسرا بیٹا عبد مناف اس کی زندگی میں ہی شرف و سیادت کے مقام کو پہنچ گیا تھا پھر بھی قصی نے اپنے پہلے بیٹے عبدالدار کو اپنے سارے اعزازات کی وصیت کر دی۔ چونکہ کسی کام میں قصی کی مخالفت نہیں کی

جاتی تھی بلکہ اس کا ہر قدم اس کی زندگی میں بھی اور اس کے موت کے بعد بھی واجب الاتباع دین سمجھا جاتا تھا اس لیے اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے کسی تردد و پریشانی کے بغیر اس کی وصیت قائم رکھی۔

لیکن جب عبد مناف کا انتقال ہوگیا تو ان کے بیٹوں کا ان مناصب کے سلسلہ میں اپنے چچیرے بھائیوں یعنی عبدالدار کی اولاد سے جھگڑا ہوا۔ اس کی وجہ سے قریش دو گروہ میں بٹ گئے اور قریب تھا کہ دونوں میں جنگ ہوجاتی کہ انھوں نے صلح کی آواز بلند کی، اور ان مناصب کو باہم تقسیم کرلیا۔ چنانچہ سقایہ اور رفادہ (یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور ان کی میزبانی کرنا) کے مناصب بنوعبد مناف کو دیے گئے اور دارالندوہ کی سربراہی، لواء (جنگ کا پرچم) اور حجابت (خانۂ کعبہ کی پاسبانی) بنوعبدالدار کے ہاتھوں میں رہی۔ پھر بنوعبدمناف نے اپنے حاصل شدہ مناصب کے لیے قرعہ ڈالا تو قرعہ ہاشم بن عبد مناف کے نام نکلا۔ لہٰذا ہاشم ہی نے اپنی زندگی بھر سقایہ و رفادہ کا انتظام کیا۔ جب ہاشم انتقال کر گئے تو ان کے بھائی مطلب نے ان کی جانشینی کی، یہ بھی اپنی قوم میں بڑی خوبی اور اعزاز کے مالک تھے۔

مطلب کے بھائی ہاشم جن کے مطلب جانشین بنے، ان کا یعنی ہاشم بن عبد مناف کا ایک اہم واقعہ ہے کہ وہ تجارت کے لیے شام کو تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں مدینہ پہنچے اور وہاں قبیلہ بنی نجار کی ایک خاتون سلمٰی بنت عمرو سے شادی کر لی۔ پھر کچھ دن ٹھہر کر بیوی کو حالت حمل میں میکے ہی چھوڑ کر شام کو روانہ ہوگئے اور وہاں جا کر فلسطین کے شہر غزہ میں انتقال فرما گئے۔ ادھر سلمٰی کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا، اس کے بالوں میں سفیدی تھی اس لیے سلمٰی نے اس کا نام شیبہ رکھا اور اپنے میکے ہی میں ان کی پرورش کی۔ یہ 497ء کی بات ہے۔ یہی لڑکا آگے چل کر عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوا۔

جب عبدالمطلب دس بارہ سال کے ہوگئے تو ان کے چچا مطلب کو ان کے بارے میں علم ہوا۔ چنانچہ مطلب اپنے بھتیجے کو لینے کے لیے مدینہ پہنچے۔ جب

عبدالمطلب پر نظر پڑی تو اشکبار ہو گئے۔ بھتیجے کو مکہ لانا چاہتے تھے مگر بھتیجے نے ماں کی اجازت کے بغیر مکہ جانے سے انکار کر دیا۔ پھر مطلب ان کی ماں سے اجازت کے طالب ہوئے لیکن ماں نے انکار کیا۔ آخر میں مطلب نے کہا کہ یہ اپنے والد کی حکومت اور اللہ کے حرم کی طرف جا رہے ہیں۔ اس پر ماں نے اجازت دے دی اور مطلب انھیں اپنے اونٹ پر بیٹھا کر مکہ لے آئے۔ مکہ والوں نے دیکھا تو کہا کہ عبدالمطلب ہے یعنی مطلب کا غلام ہے۔ اس پر مطلب نے کہا نہیں نہیں بلکہ یہ میرا بھتیجا یعنی میرے بھائی ہاشم کا لڑکا ہے۔ اس کے بعد جب یمن (روماں) میں مطلب کا انتقال ہو گیا تو ان کے چھوڑے ہوئے مناصب عبدالمطلب کو حاصل ہوئے۔ عبدالمطلب نے اپنی قوم میں اس قدر اعزاز حاصل کیا کہ ان کے آباد و اجداد میں بھی کوئی اس مقام تک نہ پہنچ سکا تھا۔

جب مطلب انتقال کر گئے تو نوفل نے عبدالمطلب کی جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ عبدالمطلب نے قریش کے کچھ لوگوں سے اپنے چچا نوفل کے خلاف مدد چاہی لیکن انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ ہم تمھارے اور تمھارے چچا کے درمیان دخل دینا نہیں چاہتے۔ اب عبدالمطلب نے بنی نجار مدینہ میں اپنے ماموں کو کچھ اشعار لکھ بھیجے جس میں ان سے مدد کی درخواست کی گئی تھی۔ جواب میں ان کے ماموں ابوسعد بن عدی 80 سوار لے کر روانہ ہوئے اور مکہ کے قریب ابطح میں اترے اور نوفل کے سر پر آن کھڑے ہوئے۔ نوفل حطیم میں مشائخ قریش کے ہمراہ بیٹھا تھا۔ ابوسعد نے تلوار بے نیام کرتے ہوئے کہا، اس گھر کے رب کی قسم! اگر تم نے میرے بھانجے کی زمین واپس نہ کی تو یہ تلوار تمھارے اندر پیوست کر دوں گا۔ نوفل نے کہا، اچھا! لو میں نے واپس کر دی۔ اس کے بعد ابوسعد نے مشائخ قریش کو گواہ بنایا پھر عبدالمطلب کے گھر گئے اور تین روز مقیم رہ کر عمرہ کر کے مدینہ کو رخصت ہوئے۔

اس واقع کے بعد نوفل نے بنی ہاشم کے خلاف بنی عبد شمس سے باہمی تعاون کا عہد کیا، ادھر بنو خزاعہ نے دیکھا کہ بنو نجار نے عبدالمطلب کی مدد کی ہے تو کہنے لگے کہ

عبدالمطلب جس طرح تمھاری اولاد سے ہیں اسی طرح ہماری بھی اولاد ہیں لہٰذا ہم پر ان کی مدد کا زیادہ حق ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عبد مناف کی ماں قبیلہ خزاعہ ہی سے تعلق رکھتی تھیں لہٰذا بنو خزاعہ نے دارالندوہ میں جا کر بنو عبد شمس اور بنو نوفل کے خلاف بنو ہاشم سے تعاون کا عہد کیا۔ یہی عہد تھا جو آگے چل کر اسلامی دور میں فتح مکہ کا سبب بنا۔

تاریخ میں آتا ہے کہ عبدالمطلب نے خواب دیکھا کہ انھیں زمزم کا کنواں کھودنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور خواب ہی میں اس کی وجہ بھی بتائی جا رہی ہے۔ انھوں نے بیدار ہو کر کھدائی کا کام شروع کر دیا۔ کھدائی کے وقت وہ چیزیں بھی برآمد ہوئیں جنھیں بنو جُرہُم نے مکہ چھوڑتے وقت چاہ زمزم میں دفن کی تھیں۔ جب زمزم کا کنواں نمودار ہو گیا تو قریش نے کھدائی میں شریک ہونے کے لیے عبدالمطلب سے مطالبہ کیا اور جھگڑا شروع کر دیا۔ لیکن عبدالمطلب نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس کے لیے مخصوص کیا گیا ہوں۔ لیکن قریش کے لوگ باز نہ آئے یہاں تک کہ فیصلے کے لیے بنو سعد کی ایک کاہنہ عورت کے پاس جانا طے ہوا، اس کے لیے لوگ مکہ سے روانہ بھی ہو گئے کہ اللہ نے راستے میں ایسی علامات دکھلائیں کہ وہ سمجھ گئے کہ اللہ کی طرف سے زمزم کا کام عبدالمطلب کے لیے ہی مخصوص ہے۔ اس لیے راستے ہی سے پلٹ آئے۔ یہی موقع تھا جب عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے انھیں دس لڑکے عطا کیے اور سب کے سب اس عمر کو پہنچے کہ ان کا بچاؤ کر سکیں تو وہ ایک لڑکے کو کعبہ کے پاس قربان کر دیں گے۔

اللہ پاک نے عبدالمطلب کو دس بیٹے دیے جن کے نام حارث، زبیر، ابو طالب، عبداللہ، حمزہ، ابولہب، غیداق، مقوم، صفار اور حضرت عباس ہیں۔ لیکن بعض تاریخوں میں گیارہ اور تیرہ کا بھی ذکر ہے جن کے نام قثم، عبدالکعبہ اور حجل درج ہیں اور بیٹیاں چھ ہیں جن کے نام ام الحکیم (اصل نام بیضا ہے) برہ، عاتکہ، صفیہ، اروٰی اور امیمہ ہے۔ جب عبدالمطلب کے لڑکوں کی تعداد پوری ہو گئی اور وہ بچاؤ کرنے کے لائق ہو گئے تو انھوں نے اپنی اولادوں سے اپنی نذر سے آگاہ کیا چنانچہ سب بیٹوں نے بات مان لی۔

اس کے بعد عبدالمطلب نے قسمت کے تیروں پر سب کے نام لکھے اور ہبل کے قیم کے حوالے کیا۔ قیم نے تیروں کو گردش دے کر قرعہ نکالا تو عبداللہ کا نام نکلا۔ عبدالمطلب کی اولاد میں عبداللہ سب سے زیادہ خوبصورت اور پاک دامن تھے۔ قرعہ نکلنے کے بعد عبدالمطلب نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا، چھری لی اور خانۂ کعبہ کے پاس لے گئے لیکن قریش اور عبداللہ کے ننیہال والے یعنی بنومخزوم اور عبداللہ کے بھائی ابوطالب آڑے آئے۔ عبدالمطلب نے کہا کہ تب میں اپنی نذر کو کیا کروں؟ انھوں نے مشورہ دیا کہ کسی خاتون عرافہ کے پاس جا کر حل دریافت کریں۔ لہٰذا عبدالمطلب ایک عرافہ کے پاس گئے۔ اس نے کہا عبداللہ اور دس اونٹ کے درمیان قرعہ اندازی کریں، اب اگر عبداللہ کا نام نکلے تو مزید دس اونٹ بڑھا دیں اور قرعہ اندازی کرتے جائیں۔ آخر میں جب سو اونٹ پورے ہوگئے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلے۔ اس طرح سے عبدالمطلب نے عبداللہ کے بدلے ایک سو اونٹوں کو ذبح کر دیا۔ اس واقعے سے پہلے عرب میں خون بہا (دیت) کی مقدار دس اونٹ تھی لیکن اس موقع کے بعد ایک سو اونٹ کر دی گئی۔ اسلام نے بھی اس مقدار کو برقرار رکھا۔ آپ ﷺ کہا کرتے تھے کہ میں دو ذبیح کی اولاد ہوں، ایک حضرت اسماعیل ﷺ اور دوسرے اپنے والد عبداللہ۔

یمن کا گورنر ابرہہ صباح حبشی نے جب دیکھا کہ اہل عرب خانۂ کعبہ کا حج کرتے ہیں تو صنعاء میں ایک عالی شان کلیسا تعمیر کیا اور کوشش کی کہ عرب کا حج اسی کی طرف پھیر دے۔ لیکن جب اس کی خبر بنو کنانہ کے ایک آدمی کو ہوئی تو اس نے رات کے وقت کلیسا کے اندر گھس کر اس کے قبلے پر پائخانہ پوت دیا۔ جب ابرہہ کو پتہ چلا تو وہ بوکھلا اٹھا، اور ساٹھ ہزار کا لشکر جرار لے کر کعبہ کو ڈھانے کے لیے چل پڑا۔ اس کے لشکر میں ہاتھی زیادہ تھے، ابرہہ جس ہاتھی پر سوار تھا اس کا نام محمود تھا۔ جب اس کا لشکر مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی محسر میں پہنچا تو ہاتھی بیٹھ گیا۔ ہاتھی کا رخ شمال، جنوب یا مشرق کی طرف کیا جاتا تو اٹھ کر دوڑنے لگتا لیکن کعبہ کی طرف کیا جاتا تو بیٹھ جاتا۔ اسی دوران اللہ نے ابابیل چڑیوں کا ایک جھنڈ بھیج دیا۔ ہر چڑیا کے پاس تین کنکریاں تھیں ایک

چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ کنکریاں چنے کے برابر تھیں اور یہ کنکری جس کسی کو بھی لگ جاتی اس کے اعضا کٹنے شروع ہوجاتے اور وہ مرجاتا۔ ہر آدمی کو یہ کنکریاں لگتی بھی نہیں تھیں۔ لشکر میں بھگدڑ مچی اور ہر شخص دوسرے کو کچلتا ہوا بھاگنے لگا، ہر کوئی بھاگتے بھاگتے گرتا جاتا اور مرتا جاتا تھا۔ اللہ نے ابرہہ پر ایسی مصیبت نازل کیا کہ اس کی انگلیوں کے پور جھڑ گئے اور صنعا پہنچتے پہنچتے اس کا سینہ پھٹ گیا پھر وہ مر گیا۔

ابرہہ کے حملے کے موقع پر مکہ کے باشندے خوف زدہ تھے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا چھپے تھے۔ جب انھیں ابرہہ کے لشکر پر اللہ کے عذاب نازل ہونے کی خبر ہوئی تو وہ اطمینان سے اپنے اپنے گھروں کو پلٹے۔ یہی موقع تھا جب عبدالمطلب اپنے اونٹوں کو چھڑانے کے لیے ابرہہ کے لشکر جرار سے ملے تھے۔ ابرہہ نے کہا تھا کہ تمھیں اپنے اونٹوں کی اتنی فکر ہے اور کعبہ کے متعلق بے پرواہ ہو! عبدالمطلب نے جواب دیا تھا کہ اونٹ چونکہ میرے ہیں اس لیے میں ان کو چھڑانے آیا ہوں لہٰذا میرے حوالے اونٹ کیے جائیں۔ اور کعبہ اللہ کا گھر ہے، وہ اللہ اپنے گھر کی حفاظت کرے گا۔

یہ واقعہ آپ ﷺ کی پیدائش سے پچاس پچپن دن پہلے کا ہے۔ حقیقت میں یہ ایک تمہیدی نشانی تھی جو اللہ نے اپنے رسول اور اپنے کعبہ کے لیے ظاہر فرمائی۔ اس واقعے کی وجہ سے دنیا کی نگاہیں خانۂ کعبہ کی طرف متوجہ ہوگئیں اور یہ بات دلوں میں گھر کر گئی کہ خانۂ کعبہ کو اللہ نے تقدس کے لیے منتخب کیا ہے۔ لہٰذا مستقبل میں یہاں کی آبادی میں سے کسی انسان کا نبوت کے دعوے کے ساتھ ظہور میں آنا اس واقعے کے تقاضے کے عین مطابق ہوگا۔

ولادت رسول ﷺ اور مکہ معظّمہ کے ترپن سال

حضرت عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کی شادی وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب کی صاحبزادی آمنہ سے کر دی جو قریش کی افضل ترین خاتون نسب اور رتبے کے لحاظ سے شمار ہوتی تھیں۔ وہ مکہ ہی میں رخصت ہو کر عبداللہ کے پاس آئیں۔ مگر تھوڑے عرصے بعد عبداللہ نے تجارت کی غرض سے شام کا سفر کیا اور واپسی میں مدینہ آ کر رشتہ داروں کے یہاں بیمار پڑے پھر وہیں انتقال کر گئے۔ اس وقت ان کی عمر پچیس برس کی تھی اور ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شکم مادر میں تھے۔ جب عبداللہ کے انتقال کی خبر مکہ پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ چہیتے بیٹے کی موت کی خبر سن کر عبدالمطلب کے ہوش اڑ گئے اور آمنہ نے شوہر کی موت کی خبر پا کر نہایت دردانگیز مرثیہ کہا جس کا ترجمہ یہ ہے:

"بطحا کی آغوش ہاشم کے صاحبزادے سے خالی ہوگئی۔ وہ لحد میں آسودۂ خواب ہوگیا۔ اسے موت نے ایک پکار نکالی اور اس نے لبیک کہہ دیا۔ اب موت نے لوگوں میں ابن ہاشم جیسا کوئی انسان نہیں چھوڑا۔ (کتنی حسرت ناک تھی) وہ شام جب لوگ انھیں تخت پر اٹھائے لیے جا رہے تھے۔ اگر موت اور موت کے حوادث نے ان کا وجود ختم کر دیا ہے (تو ان کے کردار کے نقوش نہیں مٹائے جاسکتے) وہ بڑے دانا اور رحم دل تھے۔"

عبداللہ کا کل ترکہ پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک ریوڑ، ایک حبشی لونڈی جن کا نام برکت تھا اور کنیت ام ایمن۔ یہی ام ایمن ہیں جنھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو گود کھیلایا تھا۔

محبوب خدا ﷺ مکہ میں 12 ربیع الاول پیر کے دن 570ء میں صبح صادق کے

وقت شعب بنی ہاشم کے اندر پیدا ہوئے۔ ولادت کے بعد آپ کی والدہ نے عبدالمطلب کے پاس پوتے کی خوش خبری بھیجوائی۔ وہ خوشی میں جھومتے ہوئے تشریف لائے اور آپ ﷺ کو خانۂ کعبہ میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اس کا شکر ادا کیا اور آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ رکھا۔

روایتوں میں آیا ہے کہ ولادت کے وقت بعض واقعات نبوت کے پیش خیمے کے طور پر ظہور پذیر ہوئے۔ یعنی ایوان کسریٰ کے چودہ کنگورے گر گئے، مجوس کا آتش کدہ ٹھنڈا ہوگیا۔ ابن سعد کی ایک روایت ہے کہ حضرت آمنہ نے فرمایا: جب آپ کی ولادت ہوئی تو میرے جسم سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محل روشن ہوگئے۔

حضرت محمد ﷺ کو ان کی والدہ حضرت آمنہ کے بعد ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا۔

ترمذی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے خلق کی تخلیق فرمائی تو مجھے سب سے اچھے گروہ میں بنایا۔ پھر ان کے دو گروہوں میں سے زیادہ اچھے گروہ کے اندر رکھا، پھر قبائل کو چنا تو مجھے سب سے اچھے قبیلے کے اندر بنایا، پھر گھرانوں کو چنا تو مجھے سب سے اچھے گھرانے میں بنایا، لہٰذا میں اپنی ذات کے اعتبار سے بھی سب سے اچھا ہوں اور گھرانے کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں۔

عرب کے شہری لوگوں میں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری امراض سے تحفظ کے لیے دیہاتی عورتوں، جو دودھ پلانے والی ہوتی تھیں ان کے حوالے کر دیتے تھے۔ اسی رسم و رواج کے مطابق محمد ﷺ قبیلۂ بنی سعد کی ایک خاتون علیمہ بنت ابی ذویب کے حوالے کر دیے گئے۔ حلیمہ کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا اور وہ بھی قبیلۂ بنی سعد ہی سے تھے۔ دودھ پلانے کے دوران حضرت حلیمہ سعدیہ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کے ایسے ایسے نمونے دیکھے کہ تعجب میں پڑ گئیں۔ اس کی تفصیلات انہی کی زبانی پیش ہے۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اپنا ایک چھوٹا سا بچہ جو دودھ پیتا تھا، لے کر بنی سعد کی عورتوں کے قافلے میں اپنے شہر سے باہر دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں نکلیں۔ یہ قحط سالی کے دن تھے اور قحط نے کچھ باقی نہ چھوڑا تھا۔ میں اپنی ایک سفید گدھی پر سوار تھی اور ہمارے پاس ایک اونٹنی بھی تھی لیکن بخدا اس سے ایک قطرہ دودھ نہ نکلتا تھا۔ ادھر بھوک سے بچہ اس قدر بلکتا تھا کہ ہم رات بھر سو نہ سکے تھے۔ نہ میرے سینے میں بچہ کے لیے کچھ تھا اور نہ اونٹنی اس کی خوراک دے سکتی تھی۔ بس ہم بارش اور خوش حالی کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلی تو وہ اپنی کمزوری اور دبلے پن کی وجہ سے اتنی سست رفتار نکلی کہ پورا قافلہ تنگ آ گیا۔

خیر ہم کسی طرح دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ پہنچ گئے۔ پھر ہم میں سے کوئی بھی ایسی عورت نہ تھی کہ جس پر رسول اللہ ﷺ کو پیش نہ کیا گیا ہو لیکن جب انھیں معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ یتیم ہیں تو وہ آپ ﷺ کو لینے سے انکار کر دیتیں۔ کیونکہ ہم بچے کے والد سے داد و دہش کی امید رکھتے تھے۔ ہم کہتے کہ یہ تو یتیم ہے، بھلا اس کی بیوہ ماں اور اس کے دادا کیا دے سکتے ہیں۔ بس یہی سبب تھا کہ ہم آپ کو لینا نہیں چاہتے تھے۔ اور ادھر جتنی عورتیں میرے ہمراہ آئی تھیں سب کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا تھا صرف مجھ ہی کو کوئی بچہ نہیں مل سکا تھا۔ اس لیے میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میری ساری سہیلیاں تو بچہ لے کر واپس جائیں اور میں خالی ہاتھ پلٹوں۔ میں جا کر اسی یتیم بچے کو لے لیتی ہوں۔ شوہر نے کہا کوئی حرج نہیں ممکن ہے اللہ اسی میں ہمارے لیے برکت دے۔ اس کے بعد میں نے جا کر بچہ لے لیا اور محض اس بنا پر لے لیا کہ کوئی دوسرا بچہ نہ مل سکا۔

حلیمہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں بچے کو لے کر اپنے ڈیرے پر واپس آئی اور اسے اپنی گود میں رکھا تو اس نے جس قدر چاہا دونوں سینے دودھ کے ساتھ امنڈ پڑے پھر اس نے شکم سیر ہو کر پیا اور اس کے ساتھ اس کے بھائی نے بھی شکم سیر ہو کر پیا۔

پھر دونوں سو گئے حالانکہ اس سے پہلے ہم اپنے بچے کے ساتھ سو نہیں سکتے تھے۔ ادھر میرے شوہر اونٹنی دوہنے گئے تو دیکھا کہ اس کا تھن دودھ سے بھرا ہوا ہے۔ انھوں نے اتنا دودھ دوہا کہ ہم دونوں نے آسودہ ہو کر پیا اور بڑے آرام سے رات گذاری۔ ان کا بیان ہے کہ صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا حلیمہ! خدا کی قسم تو نے ایک برکت روح حاصل کی ہے۔ میں نے کہا مجھے بھی یہی توقع ہے۔

اس کے بعد ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ میں اپنی اسی کمزور اور سست رفتار گدھی پر سوار ہوئی اور اس بچے کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ لیکن خدا کی قسم! اب وہی گدھی پورے قافلے کو کاٹ کر اس طرح آگے نکل گئی کہ کوئی گدھا اس کا پیچھا نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ میری سہیلیاں مجھ سے کہنے لگیں: او ابو ذویب کی بیٹی! ارے یہ کیا ہے؟ ذرا ہم پر مہربانی کر۔ آخر یہ تیری وہی گدھی تو ہے جس پر تو سوار ہو کر آئی تھی! میں کہتی ہاں ہاں! بخدا یہ وہی ہے۔ وہ کہتیں اس کا یقیناً کوئی خاص معاملہ ہے۔ پھر ہم اور بنو سعد بھی اپنے گھروں کو گئے۔

مجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی روئے زمین کا کوئی خطہ ہمارے علاقے سے زیادہ قحط زدہ تھا لیکن ہماری واپسی کے بعد میری بکریاں چرنے جاتیں تو آسودہ حال اور دودھ سے بھرپور واپس آتیں۔۔ ہم دودھ دوہتے اور پیتے جب کہ کسی اور انسان کو دودھ کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ ان کے جانوروں کے تھنوں میں دودھ سرے سے رہتا ہی نہیں تھا۔ حتی کہ ہماری قوم کے شہری اپنے چرواہوں سے کہتے کہ کم بختو! جانور وہیں چرانے لے جایا کرو جہاں ابو ذویب کی بیٹی کا چرواہا لے جاتا ہے۔ لیکن تب بھی ان کی بکریاں بھوکی واپس آتیں۔ ان کے اندر ایک قطرہ دودھ نہ رہتا جب کہ میری بکریاں آسودہ اور دودھ سے بھرپور پلٹتیں۔ اس طرح ہم مسلسل اللہ کی طرف سے اضافے اور خیر کا مشاہدہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس بچے کے دو سال پورے ہو گئے اور میں نے دودھ چھڑا دیا۔ یہ بچہ دوسرے بچوں کے مقابلے سب سے زیادہ تندرست نکلا۔ اس کے بعد اس بچے کو ہم اس کی والدہ کے پاس لے گئے۔ لیکن ہم اس کی جو برکت دیکھتے آئے تھے اس کی وجہ سے ہماری انتہائی کوشش اور خواہش رہی کہ بچہ ہمارے ہی

پاس رہے۔ چنانچہ ہم نے اس کی ماں سے گفتگو کی۔ میں نے کہا: کیوں نہ آپ اپنے بچے کو میرے پاس ہی رہنے دیں کہ ذرا اور مضبوط ہو جائے کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ مکہ کی وبا اس کی صحت پر برا اثر ڈالے گی۔

غرض کہ ہمارے مسلسل اصرار پر انھوں نے بچہ ہمیں واپس دے دیا۔ اس طرح آپ ﷺ مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد بھی حلیمہ سعدیہ کے پاس ہی رہے کہ ولادت کے چوتھے سال شق صدر کا واقعہ پیش آ گیا۔ اس کی تفصیل صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل تشریف لائے۔ آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبرئیل نے آپ ﷺ کو پکڑ کر لٹایا اور سینہ چاک کر کے دل نکالا پھر دل سے اک لوتھڑا نکال کر فرمایا، یہ تم سے شیطان کا حصہ ہے۔ پھر دل کو ایک طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا پھر اُسے جوڑ کر اس کی جگہ پر لوٹا دیا۔ ادھر بچے دوڑ کر آپ ﷺ کی ماں یعنی دایہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے، محمد قتل کر دیا گیا۔ ان کے گھر کے لوگ جھٹ پٹ پہنچے، دیکھا تو آپ ﷺ کا رنگ اترا ہوا تھا۔

والدہ کے آغوش میں

واقعۂ شق صدر (سینہ مبارک چاک کیے جانے) کے بعد حضرت حلیمہ کافی ڈر گئیں کہ بچے کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو جائے اور انھوں نے حضرت آمنہ کے حوالے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دیا۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر چار برس کی تھی۔ اس وقت سے لے کر چھ برس کی عمر تک آپ ﷺ اپنی والدۂ محترمہ ہی کے آغوش محبت میں رہے۔ ادھر حضرت آمنہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کریں۔ لہٰذا انھوں نے اپنے لخت جگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اپنی خادمہ ام ایمن اور اپنے سرپرست عبدالمطلب کے ساتھ مدینہ کا رخ کیا۔ مدینہ پہنچ کر اپنے شوہر حضرت عبداللہ کے قبر کی زیارت کی

اور آپ ﷺ کو بتلایا کہ بیٹا! اس قبر کے اندر تمھارے باپ ہیں۔ پھر رشتہ داروں کے یہاں ایک ماہ گذار کر واپس مکہ کو چلیں۔ لیکن راستے میں انھیں بیماری نے آ پکڑا اور یہ بیماری اتنی شدت اختیار کی کہ ابوا پہنچتے پہنچتے حضرت آمنہ نے دم توڑ دیا۔

دادا کے سایۂ شفقت میں

جب حضرت آمنہ مقام ابوا میں رحلت فرما گئیں تو ان کے سرپرست حضرت عبدالمطلب اپنے پوتے اور جگر کے ٹکڑے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ پہنچے۔ عبدالمطلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر محبت کرتے تھے اور بڑوں کی طرح ان کا احترام کرتے تھے۔ ایک تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، دوسرے چھ سال کی عمر میں ہی والدہ بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ لہٰذا عبدالمطلب کا دل دہل گیا، اس لیے انھوں نے بڑی محبت، جوش اور جذبے کے ساتھ اپنے پوتے کی پرورش فرمائی۔ عبدالمطلب کے بیٹھنے کے لیے خانۂ کعبہ کے سایہ میں فرش بچھایا جاتا تھا، اس فرش پر صرف عبدالمطلب ہی بیٹھتے تھے ان کا کوئی لڑکا ان کی عظمت کے سبب اس فرش پر نہیں بیٹھتا تھا۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدالمطلب اپنے ساتھ اپنے فرش پر بیٹھاتے تھے، آپ ﷺ کا پیٹھ سہلاتے تھے اور آپ کی نقل و حرکت دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے اور اپنے لڑکوں سے فرمایا کرتے تھے کہ بخدا اس کی شان نرالی ہے۔

ابو طالب کی کفالت میں

مشیت ایزدی ایسی تھی کہ جب آپ ﷺ کی عمر 8 سال دو مہینے دس دن کی ہوئی کہ پیارے دادا عبدالمطلب کا سایۂ محبت بھی اٹھ گیا اور وہ عبداللہ کے سگے بھائی ابوطالب کو آپ ﷺ کی کفالت کی وصیت کر گئے۔

حضرت ابوطالب نے اپنے پیارے بھتیجے کی کفالت کی ذمہ داری بڑی خوبی سے ادا فرمائی۔ انھوں نے آپ ﷺ کو اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر پیار دیا۔ 42 سال سے زیادہ عرصے تک آپ ﷺ کو ہر طرح سے قوت پہنچائی اور آپ ﷺ ہی کی بنیاد پر مکہ والوں سے دوستی اور دشمنی کی۔ ایک چٹان کی طرح آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو جاتے۔ جب تک ابوطالب زندہ تھے کسی کی طاقت نہیں تھی کہ آپ ﷺ سے آنکھ اٹھا کر بات کر لے۔ چونکہ ابوطالب عبدالمطلب کے بعد خانۂ کعبہ کے متولی تھے اور عبدالمطلب کے سارے اعزاز بھی انھیں کو حاصل ہوئے تھے اس لیے کوئی بھی آدمی آپ سے ٹکر نہیں لے سکتا تھا اور نہ اس کی باتیں آپ کے آگے چل سکتی تھیں۔

ایک مرتبہ مکہ میں قحط پڑا۔ قریش نے ابوطالب سے کہا کہ اے ابو طالب! قحط نے ہمیں آ پکڑا ہے اور بال بچے گھٹ گھٹ کر مر رہے ہیں لہٰذا بارش کی دعا کیجیے۔ ابوطالب محمد ﷺ کو ساتھ لیے خانۂ کعبہ پہنچے اور آپ ﷺ کی پیٹھ دیوار سے لگا دی، محمد ﷺ ابوطالب کی انگلی پکڑے ہوئے تھے اور ابوطالب اللہ سے دعا کر رہے تھے کہ یکا یک بادل نے آگھیرا اور موسلادھار بارش ہوئی۔ بعد میں ابوطالب اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کی مدح میں کہا کرتے تھے:

وابیض یُستسقیٰ الغمام بوجهه ثِمال الیتامیٰ عِصمَة للاَرامِلِ

ترجمہ: وہ خوبصورت ہیں۔ ان کے چہرے سے بارش کا فیضان طلب کیا جاتا ہے۔ یتیموں کے ماویٰ اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔

جب آپ ﷺ کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو ابوطالب نے آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر تجارت کی غرض سے شام کا سفر کیا۔ جب بصریٰ پہنچے اور ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا تو وہاں پر موجود جرجیس نامی ایک راہب جو بحیرہ کے لقب سے جانا جاتا تھا اپنے گرجا سے نکل کر ابوطالب کے پڑاؤ کے اندر آیا اور ان کی میزبانی کی۔ کیوں کہ اس نے آپ کو اوصاف کی بنا پر پہچان لیا۔ اس نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العلمین ہیں، اللہ نے انھیں رحمۃ للعلمین بنا کر بھیجا ہے۔ ابوطالب نے پوچھا

کہ یہ چیز آپ کو کیسے معلوم ہوئی؟ تو اس نے کہا کہ آپ لوگ جب گھاٹی کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی بھی درخت یا پتھر ایسا نہیں جو سجدہ کے لیے جھک نہ گیا ہو اور یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور انسان کو سجدہ نہیں کرتیں۔ پھر میں انھیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے کری (نرم ہڈی) کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم انھیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں۔ اس کے بعد بحیرہ راہب نے ابوطالب کو مشورہ دیا کہ انھیں واپس کر دو اور ملک شام نہ لے جاؤ کیونکہ وہاں پر یہود سے خطرہ ہے۔ اس بات کو سن کر ابوطالب نے اپنی تجارت کا مال وہیں فروخت کر دیا اور آپ ﷺ کو لے کر مکہ واپس آ گئے۔

تاریخ میں مذکور ہے کہ جب آپ ﷺ کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو جنگ فجار پیش آئی تھی۔ اس جنگ میں آپ ﷺ اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے۔ ایک طرف قریش اور ان کے ساتھ بنو کنانہ تھے اور دوسری طرف قیس عیلان تھے۔ پہلے پہر کنانہ پر قیس کا پلہ بھاری پڑا لیکن دوپہر ہوتے ہوتے کنانہ کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ اس جنگ میں حرم اور حرام مہینے، دونوں کی حرمت چاک کی گئی تھی اس لیے اس جنگ کو جنگ فجار کے نام سے جانا جاتا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی

ابن ہشام میں ابن اسحاق کا بیان ہے کہ خدیجہ بنت خویلد ایک معزز مالدار خاتون تھیں۔ لوگوں کو اپنا مال تجارت کے لیے دیتی تھیں اور تجارت کے اصول پر ایک حصہ طے کر لیتی تھیں۔ پورا قبیلۂ قریش ہی تاجر تھا۔ جب انھیں (خدیجہ کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راست گوئی، امانت، ایمانداری اور مکارم اخلاق کا علم ہوا تو انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پیغام کے ذریعے پیش کش کی کہ آپ ان کی تجارت میں شامل ہو جائیں اور مال تجارت لے کر ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام تشریف

لے جائیں۔ وہ دوسرے تاجروں کو جو اجرت دیتی ہیں اس سے بہتر اجرت آپ کو دیں گی۔ آپ ﷺ نے خدیجہ کی پیش کش کو قبول فرمالی اور ان کا مال تجارت لے کر ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام تشریف لے گئے۔

جب آپ ﷺ مکہ واپس آئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مال میں امانت اور برکت دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نظر نہ آئی تھی اور ادھر ان کے غلام میسرہ نے آپ ﷺ کی ایمانداری، شیریں اخلاق اور بلند پایہ کردار کے متعلق اپنے تجربات بیان کیے تو حضرت خدیجہ کے دل میں آپ ﷺ کے لیے ایک والہانہ محبت پیدا ہوگئی۔ ان کے غلام میسرہ نے اپنے مشاہدات کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ آپ ﷺ جب راستہ چلتے تو بادل کا ٹکڑا سورج سے سایہ کرتا تھا، آپ ﷺ کے پسینہ میں بدبو نہیں بلکہ مشک وعنبر سے بھی بڑھ کر خوشبو ہے۔ اور آپ ﷺ کی آنکھوں میں نیند کا غلبہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

حضرت خدیجہ حسب ونسب و دولت اور سوجھ بوجھ کے لحاظ سے اپنی قوم کی سب سے افضل خاتون تھیں۔ حسن و جمال میں بھی بے مثال تھیں اور دو دفعہ کی بیوہ تھیں۔ ان کے پاس بڑے بڑے سردار اور رئیس شادی کا پیغام بھیج چکے تھے لیکن کسی کا پیغام منظور نہ کیا تھا۔ حضرت خدیجہ کے دل میں محمد ﷺ سے نکاح کرنے کا ارادہ ہوا، انھوں نے اپنے دل کی بات اپنی سہیلی نفیسہ بنت منبہ سے کہی اور نفیسہ نے جا کر محمد ﷺ سے بات کی۔ آپ ﷺ راضی ہوگئے اور اپنے چچاؤں سے اس معاملے میں بات کی۔ آپ ﷺ کے چچاؤں نے حضرت خدیجہ کے چچا سے بات کی اور شادی کا پیغام دیا پھر اس کے بعد شادی ہوگئی۔ ایک دوسری روایت میں یوں بیان ہے کہ حضرت خدیجہ نے اپنی لونڈی نفیسہ کے ذریعے ابوطالب کے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کا پیغام بھیجا اور ابوطالب نے آپ ﷺ سے مشورہ لے کر قبول کرلیا اور شادی ہوگئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ملک شام کے سفر سے واپسی کے دو مہینہ بعد ہوئی تھی اور آپ ﷺ نے مہر میں بیس اونٹ حضرت خدیجہ کو دیے تھے۔ اس وقت نبی کریم

ﷺ کی عمر پچیس سال کی تھی۔ حضرت خدیجہ سے بے حد محبت کرتے تھے اور خدیجہ بھی آپ ﷺ پر دل و جان نچھاور کرتی تھیں۔ شادی کے بعد 25 سال تک حضرت خدیجہ زندہ رہیں، ان کی زندگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت ابراہیم کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بقیہ تمام اولادیں انہی کے بطن مبارک سے ہیں۔ سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے اور انھیں کے نام پر آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم پڑی۔ پھر زینب، رقیہ، کلثوم، فاطمہ اور عبداللہ پیدا ہوئے۔ عبداللہ کا لقب طیب و طاہر تھا۔ آپ ﷺ کے سب بچے بچپن ہی میں رحلت کر گئے۔ البتہ بچیوں نے اسلام کا زمانہ پایا، مسلمان ہوئیں اور ہجرت کیں لیکن فاطمہ کے علاوہ سبھی بچیوں کا بھی انتقال آپ ﷺ کی زندگی میں ہی ہوگیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات آپ ﷺ کی رحلت کے چھ ماہ بعد ہوئی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ بے پناہ محبت کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جتنا رشک مجھ کو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت خدیجہ پر ہوتا ہے اتنا کسی پر نہیں ہوتا۔ گو میں نے ان کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھا تھا لیکن حضور انور ﷺ اکثر ان کا ذکر فرمایا کرتے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ بکری ذبح کرتے اور اس کے پارچہ کرکے حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے یہاں روانہ فرمایا کرتے۔ میں کہا کرتی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (معلوم ہوتا ہے کہ) حضرت خدیجہ کے علاوہ دنیا میں کوئی عورت ہی نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے وہ ایسی تھیں وہ ایسی تھیں۔ میری ان سے اولاد بھی ہوئی ہے۔

حجر اسود کے تنازعہ کا فیصلہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے ہی سے خانۂ کعبہ کی بلندی نو ہاتھ کی تھی اور اس

پر چھت نہیں تھی۔ یعنی کعبہ قد سے کچھ اونچی چہار دیواری کی شکل میں تھا جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چوروں نے اس کے اندر رکھا ہوا خزانہ چرا لیا۔ اس کے علاوہ اس کی تعمیر پر ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا، اس کی دیواریں پھٹ گئیں تھیں اور اسی سال ایک بڑا سیلاب بھی آیا جس کا بہاؤ کعبہ ہی کی طرف تھا۔ اس لیے خوف تھا کہ کعبہ کسی بھی وقت ڈھہ (گر) سکتا ہے لہٰذا قریش کعبہ کے مقام و مرتبہ کو قائم رکھنے کے لیے اس کی از سر نو تعمیر کے لیے مجبور ہوگئے اور یہ فیصلہ کیا کہ اس کی تعمیر میں صرف حلال رقم ہی استعمال کریں گے۔ نئی تعمیر کے لیے پرانی عمارت کو ڈھانا ضروری تھا لیکن خوف کے مارے کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ بالآخر ولید بن مغیرہ مخزومی نے ابتدا کی اور بعد میں باقی لوگوں نے بھی ڈھانا شروع کیا۔ جب قواعد ابراہیم تک ڈھا چکے تو تعمیر کا آغاز کیا۔ باقوم نامی ایک رومی معمار اس کا نگراں تھا اور ہر قبیلے کا الگ الگ حصہ تعمیر کے لیے مقرر تھا۔ تعمیر کا کام جب سنگ اسود تک پہنچا تو یہ جھگڑا کھڑا ہوگیا کہ سنگ اسود اس کی جگہ پر رکھنے کا شرف کسے حاصل ہو؟ یہ جھگڑا چار پانچ دنوں میں اس قدرت شدت اختیار کر گیا کہ لگ رہا تھا کہ خون خرابہ ہو جائے گا۔ لیکن ابو امیہ مخزومی نے یہ کہہ کر فیصلے کی ایک صورت نکال دی کہ مسجد حرام کے دروازے سے دوسرے دن جو سب سے پہلے داخل ہو، اسے اپنے جھگڑے کا حکم مان لیں گے، سب لوگوں نے اس پر اتفاق کر لیا۔ مصلحت خداوندی کہ دوسرے دن رسول اللہ ﷺ ہی سب سے پہلے مسجد حرام کے دروازے سے تشریف لائے۔ جب لوگوں نے دیکھا تو خوشی سے پکار اٹھے: یہ امین ہیں، ہم ان سے راضی ہیں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (**هذا الامين رضيناه هذا محمد صلى الله عليه وسلم**) جب آپ ﷺ قریب آئے تو لوگوں نے آپ ﷺ سے معاملے کی تفصیل بتائی۔ آپ ﷺ نے ایک چادر طلب کی اور بیچ میں سنگ اسود کو رکھا اور متنازعہ قبائل کے سرداروں سے کہا کہ آپ سب چادر کا کنارا پکڑ کر اوپر اٹھائیں، انھوں نے ایسا ہی کیا۔ جب چادر سنگ اسود کے رکھنے کے مقام تک پہنچ گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے سنگ اسود کو اٹھا کر اس

کی جگہ پر رکھ دیا۔ یہ بڑا معقول فیصلہ تھا اور پوری قوم اس پر راضی ہوگئی۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر کا پینتیسواں سال تھا۔

قریش کے پاس مال حلال کی کمی پڑ گئی جس کے باعث شمال کی طرف سے کعبہ کی لمبائی تقریباً چھ ہاتھ کم کر دی گئی۔ یہی ٹکڑا حجر اور حطیم کہلاتا ہے۔ قریش نے کعبہ کا دروازہ زمین سے کافی بلند کیا تا کہ اس میں وہی شخص داخل ہو سکے جس کو وہ حکم دیں۔ جب دیواریں پندرہ ہاتھ بلند ہوگئیں تو اندر چھ ستون کھڑے کر کے اس پر چھت ڈال دی گئی۔ کعبہ اپنی تکمیل کے بعد قریب قریب چوکور شکل کا ہوگیا۔ خانۂ کعبہ کی بلندی 15 میٹر ہے۔ حجر اسود والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیوار یعنی جنوبی اور شمالی دیواریں دس دس میٹر ہیں۔ سنگ اسود مطاف کی زمین سے ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر ہے۔ دروازے والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیوار یعنی پورب اور پچھم کی دیواریں 12-12 میٹر ہیں۔ دروازہ زمین سے دو میٹر بلند ہے۔ دیوار کے گرد نیچے ہر چہار جانب سے ایک بڑھے ہوئے کرسی نما ضلعے کا گھیرا ہے جس کی اوسط اونچائی 25 سینٹی میٹر اور اوسط چوڑائی 30 سینٹی میٹر ہے اسے ''شاذ رواں'' کہتے ہیں یہ بھی دراصل بیت اللہ کا جزو ہے لیکن قریش نے اسے بھی چھوڑ دیا تھا۔

اعلان نبوت سے قبل محمد ﷺ اہل مکہ کی نگاہ میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی دست اور سب سے بڑھ کر جرأت مند، سب سے زیادہ صادق اللہجہ اور سب سے بڑھ کر عہد و پیمان کے پابند، سب سے زیادہ نرم طبیعت اور سب سے شریف ساتھی تھے۔ آپ ﷺ اصابت فکر، دور بینی اور حق پسندی کا بلند ترین مینار تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی عقل و دانش سے لوگوں کے معاملات اور جن خرافات میں وہ لت پت تھے، ان سے سخت بیزاری محسوس کی، لوگوں کا جو کام اچھا ہوتا اس میں شرکت فرماتے ورنہ اپنی تنہائی کی طرف پلٹ آتے۔ آپ ﷺ کو شروع ہی

سے معبود باطلہ سے اتنی نفرت تھی کہ اس سے زیادہ مغبوض آپ ﷺ کے لیے کوئی اور چیز نہ تھی یہاں تک کہ آپ ﷺ لات وعزیٰ کی قسم کو بھی سننا پسند نہیں کرتے تھے۔۔ آپ ﷺ نے کبھی شراب کو منہ نہ لگایا، چڑھاوے کا ذبیحہ نہ کھایا اور بتوں کے لیے منائے جانے والے تہواروں اور میلوں میں کبھی شرکت نہ کی۔ ان سب چیزوں سے قدرت نے آپ ﷺ پر حفاظت کا پردہ ڈال رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں شریفانہ کردار، فاضلانہ اخلاق، کریمانہ عادات اور امانت و دیانت میں پختگی کے لحاظ سے جانے جاتے تھے۔ حضرت خدیجہ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم درماندوں کا بوجھ اٹھاتے تھے، تہی دستوں کا بندوبست فرماتے تھے، مہمانوں کی میزبانی کرتے تھے اور مصائب حق میں اعانت فرماتے تھے۔

غارِ حرا کے اندر اللہ کی یاد میں

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غور وفکر میں رہا کرتے تھے۔ لیکن جب آپ کی عمر مبارک پینتیس سال سے زیادہ کی ہوئی تو اس تفکر میں کافی اضافہ ہوگیا اور تنہائی محبوب ہونے لگی تھی کیونکہ آپ ﷺ کو اپنی قوم کے شرکیہ عقائد اور واہیات قسم کے تصورات سے بالکل اطمینان نہ تھا اور آپ ﷺ کے سامنے کوئی واضح معین راستہ بھی نہیں تھا جس پر آپ ﷺ رواں دواں ہوسکیں۔ لہٰذا تنہائی میں اللہ کو یاد فرماتے اور قوم کے حالات کو دیکھ کر گھٹن محسوس کرتے تھے۔ گویا کہ آپ ﷺ کی طرز زندگی قوم کے بالکل برعکس تھی۔ جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس کے قریب پہنچی تو آپ ﷺ مکہ سے قریب تین میل دور کوہ حرا کے ایک غار میں چلے جاتے جس کی لمبائی چار گز اور چوڑائی قریب پونے دو گز ہے، اسی میں خدا کو یاد کرتے۔ آپ ﷺ کھجور اور پانی لے کر جاتے اور کئی کئی دن وہیں پر گزار دیتے تھے۔ جب آپ غار حرا کو جاتے تو حضرت خدیجہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ جاتیں اور قریب ہی کسی جگہ موجود رہتی تھیں۔

غار حرا نیچے کی جانب زیادہ گہرا نہیں ہے بلکہ ایک مختصر راستے کے بازو میں اوپر کی چٹانوں کے باہم ملنے سے ایک کوتل کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے۔ اسی غار میں آپ ﷺ اللہ کو یاد کیا کرتے، کائنات کا مشاہدہ کرتے اور غور و فکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ غار حرا کے چٹانوں کو آپس میں ملنے سے قریب 20 سینٹی میٹر کا ایک لمبا سوراخ ہے۔ غار میں بیٹھنے کے بعد اگر سوراخ پر نظر کیا جائے تو کعبہ نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی سوراخ سے کعبہ کو دیکھتے رہتے تھے اور اللہ کی یاد میں مستغرق رہا کرتے تھے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پورا رمضان اس غار میں قیام فرماتے تھے۔

نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تنہائی بھی درحقیقت اللہ پاک کی تدبیر کا ایک حصہ تھی اور اللہ رب العزت اس طرح سے آپ ﷺ کو آنے والی ذمہ داری کے لیے تیار کر رہا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس برس کی ہوئی تو زندگی کے افق کے پار سے آثارِ نبوت چمکنا اور جگمگانا شروع ہوئے۔ یہ آثار خواب تھے۔ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوتا اور اس حالت پر چھ ماہ کا عرصہ گزرا۔ جب آپ ﷺ کے غار حرا میں خلوت نشینی کا تیسرا سال آیا تو اللہ نے روئے زمین کے باشندوں پر اپنے رحمت کا دروازہ کھولا اور آپ ﷺ کو اعلانِ نبوت کی اجازت سے مشرف کیا۔ وہ یوں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن مجید کی چند آیات لے کر آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ سے کہا کہ پڑھو! آپ ﷺ نے کہا، میں نہیں پڑھتا۔ اس پر جبرئیل نے آپ ﷺ کو زور سے پکڑ کر دبایا اور کہا کہ پڑھو! آپ ﷺ نے کہا، میں نہیں پڑھتا، تو پھر جبرئیل دوبارہ پکڑ کر دبوچ لیے اور چھوڑ کر بولے پڑھو! آپ ﷺ نے پھر کہا، میں نہیں پڑھتا۔ تو جبرئیل نے پھر تیسری مرتبہ پکڑ کر زور سے دبوچا اور پھر چھوڑ کر کہا: **اِقْرا باسم ربّکَ الَّذِیْ خلق o خَلَقَ الْاِنْسان من علق o اِقْرأ و ربُّکَ الْاَکْرَم o** پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو لوتھڑے سے۔ پڑھو اور تمھارا رب نہایت کریم ہے۔ اللہ نے آپ ﷺ کو علم دارین عطا فرمایا اور آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس فرشتے نے اپنا نام حضرت جبرئیل بتایا اور آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے اعلانِ نبوت کی نورانی ذمہ داری سے سرفراز فرمایا۔ تھوڑے ہی دیر بعد آپ ﷺ کی آنکھوں سے جبرئیل علیہ السلام اوجھل ہوگئے پھر آپ ﷺ غار حرا سے حضرت خدیجہ کے پاس گھر کو تشریف لائے۔ آپ ﷺ جب گھر پہنچے تو اس وقت آپ ﷺ کا جسم کانپ رہا تھا اور کافی خوف زدہ تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا سے فرمایا کہ مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ لہٰذا حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کو چادر اوڑھا دیا یہاں تک کہ خوف جاتا رہا۔ پھر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے واقعے کی اطلاع دیتے ہوئے خدیجہ سے فرمایا! یہ مجھے کیا ہوگیا ہے؟ مجھے تو اپنی جان کا ڈر لگتا ہے۔ اس پر حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا، کیوں کہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ بے بسوں، بے کسوں، بے نواؤں کو سہارا دیتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔

اس کے بعد اطمینان قلب کے لیے حضرت خدیجہ آپ ﷺ کو لے کر اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ بن نوفل انجیل کے بہت بڑے عالم تھے اور اس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہوگئے تھے۔ حضرت خدیجہ نے ورقہ بن نوفل سے کہا، بھائی جان! اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔ ورقہ نے کہا، بھتیجے! تم کیا دیکھتے ہو؟ اس پر نبی ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرما دیا۔ اس پر ورقہ بن نوفل نے کہا، یہ تو وہی فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ کاش میں اس وقت توانا ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ رہتا۔ جب آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی قوم مکہ سے نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اچھا! تو کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں! جب بھی کوئی آدمی اس طرح کا پیغام لایا جیسا کہ تم لاتے ہو، تو اس سے اس کی قوم نے ضرور دشمنی کی ہے اور اگر میں نے تمھارا زمانہ پا لیا تو میں تمھاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ حضرت

خدیجہ کے ساتھ اپنے گھر کو تشریف لائے پھر کچھ دنوں کے بعد ورقہ بن نوفل کا انتقال ہوگیا اور کچھ دنوں کے لیے وحی بند ہوگئی۔

جب وحی کچھ دنوں کے لیے بند ہوگئی تو اس عرصے میں رحمت عالم ﷺ غمگین رہا کرتے تھے اور تعجب کی کیفیت آپ ﷺ پر طاری رہا کرتی تھی۔ آپ ﷺ کو شروع سے ہی اللہ کی مخلوق میں شاعر اور پاگل سے بڑھ کر کوئی چیز قابل نفرت نہ تھی لیکن جب وحی آئی تو آپ ﷺ سمجھنے لگے کہ میں خود شاعر یا پاگل ہوں۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر گئے اور وہاں آپ ﷺ کافی فکر مند تھے کہ کوئی آپ ﷺ کو شاعر یا پاگل نہ کہنے پائے۔ لیکن جب نبی ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آسمان سے آواز دی اور آپ ﷺ سے فرمایا:

''اے محمد ﷺ آپ اللہ کے رسول برحق ہیں اور میں جبرئیل ہوں۔''

اس وجہ سے آپ ﷺ کا اضطراب تھم گیا اور آپ ﷺ واپس آگئے۔ پھر جب آپ ﷺ کی وحی کی بندش طول پکڑ جاتی تو اسی جیسے کام کے لیے نکلتے لیکن جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو جبرئیل علیہ السلام نمودار ہوکر پھر وہی بات دہراتے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وحی کی چند روزہ بندش اس لیے تھی کہ آپ ﷺ پر جو خوف طاری ہوگیا تھا وہ ختم ہو جائے اور دوبارہ وحی کی آمد کا شوق پیدا ہو جائے۔ لہٰذا جب آپ ﷺ کو یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور آپ ﷺ کے پاس جو فرشتہ آیا تھا وہ وحی کا سفیر ہے۔ مزید وحی کے لیے آپ ﷺ کا انتظار اس بات کا ضامن ہوگیا کہ آئندہ وحی کی آمد پر آپ ﷺ ثابت قدم رہیں گے اور اس بوجھ کو اٹھا لیں گے تو جبرئیل دوبارہ تشریف لائے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی بندش وحی کا واقعہ سنا۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

''میں چلا جا رہا تھا کہ مجھے اچانک آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس حرا میں آیا تھا

آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اس سے خوفزدہ ہو کر زمین پر جا جھکا۔ پھر اپنے اہل خانہ کے پاس آ کر کہا: مجھے چادر اوڑھا دو! مجھے چادر اوڑھا دو! انھوں نے مجھے چادر اوڑھا دی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یا ایُّھا المدثر... والرُّجز فاھجر تک نازل فرمائی۔

تبلیغ کا حکم

سورۃ المدثر میں نبی رحمت ﷺ کو کئی حکم دیے گئے ہیں جو بظاہر تو بہت مختصر اور سادہ ہیں لیکن حقیقتاً بڑے دور رس مقاصد پر مشتمل ہیں۔ اس سورہ میں اللہ رب العزت اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ اے (محمد ﷺ) جو کمبل اوڑھے سو رہے ہیں، اٹھیے اور ڈرایئے، اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے، اپنے کپڑے پاک رکھیے، گندگی سے دور رہیے اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجیے۔

یہ احکامات اپنی ظاہری شکل میں کتنے سادہ اور مختصر ہیں لیکن عمل اور مقصد کے لحاظ سے کتنے بھاری اور سخت ہیں۔ انھیں مذکورہ آیات میں دعوت و تبلیغ کا مواد بھی موجود ہے۔ اِنذار کا مطلب ہی یہ ہے کہ بنی آدم کے کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا انجام برا ہے۔ رب کریم آپ ﷺ سے اس آیت میں مخاطب ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو یہ دن بڑا کٹھن ہوگا، کافروں کے لیے آسان نہ ہوگا۔ بقیہ آیات میں بندوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ توحید خالص اختیار کریں۔ اپنے سارے معاملات اللہ کو سونپ دیں اور اللہ کی مرضی پر نفس کی خواہش اور لوگوں کی مرضی کو تج دیں۔

رب کریم کے حکم سے رسول اللہ ﷺ تبلیغ کے لیے کمر بستہ ہو گئے اور بیس بائیس سال سے زیادہ عرصے تک مکمل جٹے رہے۔ راحت و سکون تج دیا۔ اب زندگی اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے نہ رہی۔ جسے اپنے لیے جینا ہے وہ تو راحت کی زندگی گذار سکتا ہے لیکن آپ ﷺ جو اس زبردست بوجھ کو اٹھا رہے ہیں تو آپ ﷺ کو نیند

سے کیا تعلق؟ آپ ﷺ کے قدم اٹھے تو اٹھے ہی رہے، کام اللہ کی طرف دعوت دینا تھا۔ اس پورے عرصے میں یعنی جب سے آپ ﷺ نے وہ آسمانی ندائے جلیل سنی اور یہ گران بار ذمہ داری پائی، آپ ﷺ کو کوئی ایک حالت دوسری حالت سے غافل نہ کرسکی۔ رب کریم مجھے اور ساری امت کو آپ ﷺ کی ذمہ دارانہ تبلیغی زندگی کا صدقہ عطا فرمائے۔ آمین۔

خفیہ طور پر تبلیغ کے تین سال

ہم جانتے ہیں کہ مکہ مکرمہ اہل عرب کے دین کا مرکز تھا اور پورا عرب اہل مکہ کو احترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔ یہاں پر کعبہ کے پاسبان بھی تھے اور بتوں کے نگہبان بھی تھے۔ اس لیے مکہ میں تبلیغ کا کام کافی دشوار تھا۔ یہاں پر ایسے عزم کی ضرورت تھی جسے مصائب و مشکلات کے جھٹکے اپنی جگہ سے ہلا نہ سکیں۔ ایسے حالات کو دیکھ کر حکمت عملی کا تقاضا تھا کہ شروع شروع میں چھپ چھپ کر تبلیغ کا کام انجام دیا جائے تاکہ اہل مکہ کے سامنے اچانک ایک طوفان نہ کھڑا ہو جائے۔

رحمت عالم ﷺ نے سب سے پہلے ان لوگوں پر اسلام پیش کیا جن کا ربط آپ ﷺ سے کافی گہرا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے جنھیں اسلام کی دعوت دی ان میں سے ایک ایسی جماعت نے آپ کی دعوت قبول کی جسے کبھی رحمت عالم ﷺ کی سچائی پر شبہ نہیں ہوا تھا، یہ اسلامی تاریخ میں سابقین اولین کے وصف سے مشہور ہیں۔ ان میں سرفہرست آپ ﷺ کی شریک زندگی حضرت خدیجہ، آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ، حضرت علی جو ابھی آپ ﷺ کے زیر کفالت بچے تھے اور آپ ﷺ کے غار ثور کے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنھم اجمعین ہیں۔ یہ حضرات پہلے ہی دن مسلمان ہوگئے اور اس کے بعد حضرت ابوبکر کی تبلیغ پر حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبداللہ مسلمان ہوئے۔

شروع شروع میں جو لوگ اسلام قبول کیے انھیں میں بلال حبشی بھی ہیں۔ ان کے بعد امین امت حضرت ابوعبیدہ، عامر بن جراح، ابوسلمہ بن عبدالاسد، ارقم بن ابی الارقم، عثمان بن مظعون، ان کے دونوں بھائی قدامہ اور عبداللہ، عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبدمناف، سعید بن زید، ان کی بیوی یعنی حضرت عمر کی بہن فاطمہ بنت خطاب، خباب بن ارت، عبداللہ بن مسعود اور دوسرے کئی افراد مسلمان ہوئے۔ ابن ہشام نے ان کی تعداد چالیس سے زیادہ بتائی ہے اور یہ لوگ قریش کے تمام شاخوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کے بعد مرد اور عورتیں اسلام میں جماعت در جماعت داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ مکہ میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ یہ لوگ چھپ چھپا کر مسلمان ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی انھیں چھپ چھپا کر دینی تعلیم کے لیے جمع کرتے تھے۔ یہ سلسلہ تین سالوں تک چلا۔

ادھر سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات کے بعد وحی کی آمد پورے تسلسل کے ساتھ جاری تھی۔ اس دور میں چھوٹی چھوٹی آیتیں نازل ہو رہی تھیں اور ان میں تزکیۂ نفس کی خوبیاں اور آلائش دنیا میں لت پت ہونے کی برائیاں بیان کی جاتی تھیں اور جنت و جہنم کا نقشہ اس طرح کھینچا جاتا تھا کہ گویا وہ آنکھوں کے سامنے ہیں۔ یہ آیتیں اہل ایمان کو اس وقت کے انسانی معاشرے سے بالکل الگ ایک دوسری ہی فضا کی سیر کراتی تھیں۔ شروع میں جو کچھ نازل ہوا، اس میں نماز کا حکم بھی تھا۔ مُقاتل بن سلیمان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے اسلام میں دو رکعت صبح اور دو رکعت شام کی نماز فرض کی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وسبح بحمدِ ربک بالعشی و الابکار. (سورۃ المؤمن. پارہ 24)

صبح اور شام اپنے رب کے حمد کی ساتھ اس کی تسبیح کرو۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اور صحابۂ کرام نماز کے وقت گھاٹیوں میں چلے جاتے تھے اور اپنی قوم سے چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ ایک بار ابوطالب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو پوچھا کہ یہ کیا کر رہے

ہو؟ جب حقیقت معلوم ہوئی تو کہا کہ اس پر برقرار رہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ تبلیغ کا کام چھپ چھپا کر چل رہا تھا لیکن دھیرے دھیرے قریش کو اس کی بھنک لگ گئی تاہم انھوں نے اس کو کوئی اہمیت نہ دی اور قابل توجہ نہ سمجھا۔ البتہ قریش آپ ﷺ کی خبر کے پھیلاؤ اور اثر کے بڑھاؤ سے کچھ اندیشے ضرور محسوس کرتے تھے اور ان کی نگاہیں آپ ﷺ کی تبلیغ پر ٹکنے لگی تھیں۔

اعلانیہ تبلیغ

اعلانِ نبوت کے تیسرے سال تک تبلیغ کا کام چھپ چھپا کر انفرادی طور پر چلتا رہا اور چوتھے سال اللہ پاک کی طرف سے وحی نازل ہوئی اور رحمت عالم ﷺ کو کھلم کھلا اعلانیہ طور پر دین کی دعوت دینے کا حکم دیا گیا۔ اس بارے میں سورہ شعرا کی آیت **وَانذر عشیرتک و الاقربین** (آپ ﷺ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرایئے) نازل ہوئی۔

صحیح بخاری شریف جلد دوم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ایک حدیث ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور انور ﷺ نے قریش کے ہر ایک گروہ کو پکار پکار فرمایا اے قریش! تم اپنے کو خود محفوظ کرو، اے بنو عبد مناف! میں تم سے خدا کا عذاب ہرگز دفع نہیں کرسکتا۔ تم خود ہی اپنے نفسوں کی حفاظت کرو۔ اے عباس ابن عبدالمطلب! اے صفیہ! (رسول خدا ﷺ کی پھوپھی) اے فاطمہ بنت محمد ﷺ! میں تم سے خدا کا عذاب ہرگز دفع نہیں کرسکتا، البتہ تم جتنا مال مجھ سے چاہو مانگ لو لیکن خدا کے عذاب کو دفع نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد نبی رحمت ﷺ نے بنی ہاشم کو جمع کیا جس مجمع میں بنی مطلب بن عبد مناف کی بھی ایک جماعت تھی اور ارشاد فرمایا:

"تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا

ہوں۔ اس پر ایمان رکھتا ہوں، اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''رہنما اپنے گھر کے لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں تمھاری طرف خصوصاً اور لوگوں کی طرف عموماً اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ بخدا تم لوگ اسی طرح موت سے دوچار ہوگے جس طرح سو کر جاگتے ہو۔ پھر جو کچھ تم کرتے ہو اس کا تم سے حساب لیا جائے گا اس کے بعد یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہے یا ہمیشہ کے لیے جہنم۔''

آپ ﷺ کی باتوں کو سن کر حضرت ابوطالب نے کہا، یہ نہ پوچھو ہمیں تمھاری بات کتنی پسند ہے اور تمھاری نصیحت کس قدر قابل قبول ہے۔ یہ تمھارے والد کا خانوادہ جمع ہے اور میں بھی ان کا ایک فرد ہوں۔ تمھیں جس بات کا حکم ہوا ہے اسے انجام دو۔ بخدا میں تمھاری مسلسل حفاظت کرتا رہوں گا۔ البتہ میری طبیعت عبدالمطلب کا دین چھوڑنے پر راضی نہیں۔ اس پر ابولہب نے کہا خدا کی قسم! یہ برائی ہے۔ اس کے ہاتھ دوسروں سے پہلے تم لوگ خود ہی پکڑ لو۔ اس پر ابوطالب نے کہا، خدا کی قسم! جب تک جان میں جان ہے ہم ان کی حفاظت کرتے رہیں گے۔

اس کے بعد نبی ﷺ نے ایک روز کوہ صفا پر چڑھ کر یہ آواز لگائی: یا صباحاہ! یا صباحاہ! (ہائے صبح! ہائے صبح) یہ آواز سن کر قریش کے سبھی قبائل آپ ﷺ کے پاس جمع ہوگئے۔ ابولہب بھی آگیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

اگر میں کہوں کہ پہاڑ کی دوسری جانب شہسواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے تو کیا تم میری باتوں کو سچ مانو گے؟ لوگوں نے ایک زبان ہو کر کہا: ہاں! ہم نے آپ ﷺ پر سچ کا ہی تجربہ کیا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تو میں تمھیں ایک سخت عذاب سے پہلے خبردار کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے خدا کی توحید، اپنی رسالت اور یوم آخرت پر ایمان لانے

کی دعوت دی۔ اس پر ابولہب جو مجمع میں موجود تھا بھڑک اٹھا اور کہا ''تو سارے دن غارت ہو، تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا؟ اس پر سورۂ تبت یدا ابی لھب نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کی بربادی کا واقعہ یوں بیان کیا ہے:

ابولہب کے دونوں ہاتھ غارت ہوں اور وہ خود غارت ہو، نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا۔ وہ جلد ہی بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی جو ایندھن اٹھائے پھرتی ہے اس کی گردن میں مضبوط بٹی رسی ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں پر واضح کر دیا کہ رسالت کی تصدیق پر ہی تعلقات موقوف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان جاری ہوا تھا کہ رب العزت کا ایک اور حکم نازل ہوگیا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤمَرُ وَ اعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ. (سورۃ الحجر. پارہ 14)

آپ کو جو حکم ملا ہے اسے کھول کر بیان کر دیجیے اور مشرکین سے رخ پھیر لیجیے۔

اس حکم ربانی کے بعد نبی محترم ﷺ نے شرک کی غلاظتوں کا پردہ چاک کیا اور بتوں کی حقیقت سے لوگوں کو واقف کرایا۔ آپ ﷺ مثالیں دے دے کر سمجھانے لگے کہ جو شخص انھیں پوجتا ہے اور ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بناتا ہے وہ کس قدر کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہے۔ مشرکین مکہ آپ ﷺ کی اس آواز کو کہ وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں سن کر غیض وغضب سے بھڑک اٹھے۔ کیونکہ وہ خوب سمجھ رہے تھے کہ آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کر لینے کے بعد مکہ والوں کو اہل عرب پر دینی رنگ میں جو بڑائی اور سرداری حاصل تھی اس کا صفایا ہو جائے گا اور اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے مقابل میں انھیں اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کا اختیار نہ رہ جائے گا۔ سماج کے نچلے طبقے پر جو انھوں نے مظالم روا رکھے تھے اور صبح و شام جن خرافات اور برائیوں میں لت پت تھے اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا پڑے گا اور انھیں اپنی جان و مال تک کا اختیار نہ رہ جائے گا۔ اس لیے مشرکین مکہ آپ ﷺ کے مشن کو

کچلنے کا پروگرام بنانے لگے۔ لیکن ان کے سامنے ایک ایسا شخص تھا جو صادق اور امین تھا اور ایک مدت سے انھوں نے اپنے آبا و اجداد کی تاریخ میں اس کی نظیر نہ دیکھی نہ سنی تھی۔ اس لیے قریش کریں تو کیا کریں؟ وہ کافی حیران تھے اور انھیں واقعی حیران ہونا ہی چاہیے تھا۔

کافی غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ ابوطالب کے پاس جا کر کہا جائے کہ وہ اپنے بھتیجے کو روکیں۔ اس کے لیے انھوں نے یہ دلیل تیار کی کہ ان کے معبودوں کے متعلق نبی ﷺ کا یہ کہنا کہ یہ معبود نفع ونقصان پہنچانے اور کچھ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، درحقیقت ان معبودوں کی سخت توہین اور بہت بری گالی ہے، اور ہمارے ان آبا واجداد کو احمق اور گمراہ قرار دینے کے بھی ہم معنی ہے جو اسی دین پر گزر چکے ہیں۔ لہٰذا قریش کے چند آدمی ابوطالب کے پاس گئے اور بولے: ''اے ابوطالب! آپ کے بھتیجے نے ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہا ہے اور اس کی سخت توہین کی ہے۔ ہماری عقلوں کو حماقت زدہ اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ کہا ہے۔ اس لیے آپ انھیں روکیے یا ہمارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جایئے۔'' اس کے جواب میں ابوطالب نے نرم لب ولہجہ اختیار کیا اور رسول اللہ ﷺ اپنے دین کی تبلیغ پر گامزن رہے۔

حجاج کرام کو روکنے کے لیے مجلس شوریٰ

ابھی کھلم کھلا تبلیغ کے چند ہی مہینے گزرے تھے کہ حج کا زمانہ آگیا اور قریش کو یہ دردسر ہوا کہ اب عرب کے وفود کا مکہ میں آمد کا وقت ہوگیا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ رحمت عالم ﷺ کے متعلق ایسی باتیں کہیں جائیں جن کی وجہ سے اہل عرب کے دلوں پر آپ ﷺ کی تبلیغ کا اثر نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اس پر متفقہ فیصلہ کے لیے قریش ولید بن مغیرہ کے پاس گئے۔ ولید نے کہا تم سب ایک رائے پر قائم رہو ایسا نہ ہو کہ تمھارا ہی ایک آدمی دوسرے کی بات کو کاٹ دے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ ہی کہیے۔

اس نے کہا، نہیں تم لوگ کہو، میں صرف سنوں گا۔ اس پر قریش کے چند لوگوں نے کہا کہ ہم آنے والے وفود سے کہیں گے کہ محمد کاہن ہے۔ ولید نے کہا نہیں! وہ کاہن نہیں ہے کیونکہ نہ اس میں کاہنوں جیسی گنگناہٹ ہے اور نہ ان کی جیسی قافیہ گوئی اور تک بندی۔ اس پر لوگوں نے کہا تب ہم کہیں گے کہ وہ پاگل ہے۔ ولید نے کہا نہیں! وہ پاگل بھی نہیں کیونکہ نہ تو اس کے اندر پاگلوں جیسی دم گھٹنے کی کیفیت ہے اور نہ ہی الٹی سیدھی حرکتیں۔ لوگوں نے کہا: تب ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔ ولید نے کہا نہیں! وہ شاعر بھی نہیں کیونکہ اس کی بات بہرحال شعر نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا تب ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے۔ ولید نے کہا: یہ شخص جادوگر بھی نہیں کیونکہ نہ تو وہ جادوگر کی طرح جھاڑ پھونک کرتا ہے اور نہ ہی گرہ لگاتا ہے۔

لوگوں نے کہا کہ ولید اب تم ہی بتاؤ ہم کیا کہیں گے؟ ولید نے کہا، خدا کی قسم! اس کی بات بڑی شیریں ہے، تم جو بات بھی کہو گے لوگ اسے باطل سمجھیں گے البتہ اس کے بارے میں سب سے مناسب بات یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ جادوگر ہے۔ اس نے ایسا کلام پیش کیا ہے جو جادو ہے اور اس کلام سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر بیوی اور ان کے قبیلے میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ بالآخر اسی تجویز پر اتفاق کر کے قریش وہاں سے رخصت ہوئے اور اس قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کچھ کفار مکہ عازمین حج کے مختلف راستوں پر بیٹھ گئے۔ وہاں سے ہر گزرنے والے کو آپ ﷺ کے خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کے متعلق تفصیلات بتانے لگے۔

اس کام میں سب سے بڑھ کر ابولہب نے حصہ لیا۔ وہ حج کے دنوں میں آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا۔ آپ ﷺ اللہ کے دین کی تبلیغ کرتے اور ابولہب پیچھے پیچھے یہ کہتا کہ اس کی بات نہ ماننا کیونکہ یہ جھوٹا اور بددین ہے۔ اس دوڑ دھوپ کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اس حج سے اپنے گھروں کو واپس ہوئے تو ان کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ آپ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور یوں ان کے ذریعے پورے عرب میں نبی ﷺ کا چرچہ پھیل گیا۔

مخالفت کے مختلف طریقے

جب قریش نے دیکھا کہ نبی ﷺ کی تبلیغ نہیں رک رہی ہے تو انھوں نے مختلف قسم کے طریقے اختیار کر کے تبلیغ کو روکنے کی کوشش کی اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے آپ ﷺ کی باتوں کو ہنسی، ٹھٹھا، تحقیر اور تکذیب کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ اور اس سے قریش کا مقصد مسلمانوں کو بددل کر کے ان کے حوصلے کو توڑنا تھا۔ قریش کے انداز کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یوں کھینچا ہے:

اَهٰٓؤُلَاءِ مَنَّ اللهُ عَلَيهِم مِن بيننا. (سورة الانعام پاره 7)

ترجمہ: اچھا! یہی حضرات ہیں جن پر اللہ نے ہمارے درمیان سے احسان فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر قریش کا اعتراض یہ تھا:

مَا هٰذَا الرَّسُول يَاكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمشِي فِي الاَسواقِ.

(سورة الفرقان. پاره 18)

ترجمہ: یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول خدا ﷺ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور عاص بن وائل سہمی آپ ﷺ کے سامنے آئے۔ یہ سب اپنے قوم کے بڑے لوگ تھے۔ بولے: اے محمد ﷺ! آؤ جسے تم پوجتے ہو اسے ہم بھی پوجیں اور جسے ہم پوجتے ہیں اسے تم بھی پوجو۔ اس طرح ہم اور تم اس کام میں مشترک ہو جائیں۔ اب اگر تمھارا معبود ہمارے معبود سے بہتر ہے تو اس سے ہم اپنا حصہ حاصل کر چکے ہوں گے اور اگر ہمارا معبود تمھارے معبود سے بہتر ہوا تو تم اس سے اپنا حصہ حاصل کر چکے ہو گے۔ اس پر اللہ پاک نے پوری سورۂ قل يٰاَيُّهَا الْكٰفِرون ...الخ نازل فرمائی جس میں اعلان کیا گیا کہ جسے تم لوگ پوجتے ہو اسے میں نہیں پوج سکتا۔ اس فیصلہ کن جواب کے ذریعے ان کی مضحکہ خیز گفت وشنید کی جڑ کاٹ دی گئی۔

لہٰذا جب مشرکین مکہ کو یقین ہوگیا کہ ان کی کسی بھی تدبیر سے اسلامی تبلیغ پر کچھ بھی اثر نہیں پڑ رہا ہے تو وہ ایک بار پھر جمع ہوئے اور 25 سرداران قریش کی ایک کمیٹی قائم کی جس کا سربراہ رسول خداﷺ کا چچا ابولہب تھا۔ اس کمیٹی نے باہمی اتفاق سے یہ قرارداد منظور کی کہ اسلام کی مخالفت، پیغمبر اسلام کی ایذا رسانی اور اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ طرح طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جائے۔

مشرکین مکہ کو کمزور مسلمانوں کے اعتبار سے تو یہ کام بہت آسان تھا لیکن نبی رحمتﷺ کے لحاظ سے بڑا مشکل تھا کیونکہ آپﷺ ذاتی طور پر پُرشکوہ، باوقار اور منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ دوست دشمن سبھی آپﷺ کو تعظیم کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آپﷺ جیسی شخصیت کا سامنا احترام سے ہی کیا جاسکتا تھا اور اس کے علاوہ ابوطالب کی حمایت وحفاظت بھی آپﷺ کو حاصل تھی۔ اس صورت حال نے قریش کو سخت قلق اور اضطراب میں ڈال دیا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ جو دعوت ان کی مذہبی پیشوائی اور دنیاوی سربراہی کی جڑ کاٹ دینا چاہتی تھی اس پر اتنا لمبا صبر کب تک کریں، بالآخر مشرکین نے ابولہب کی سربراہی میں نبی رحمتﷺ اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کا آغاز کر ہی دیا۔ بعثت سے پہلے ابولہب نے اپنے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کی شادی نبی محترمﷺ کی دو صاحبزادیوں رقیہ اور کلثوم رضی اللہ عنہما سے کی تھی لیکن بعثت کے بعد اس نے نہایت سختی سے ان دونوں کو طلاق دلوا دی۔ اور جب رحمت عالمﷺ کے دوسرے صاحبزادے عبداللہ کا انتقال ہوا تو ابولہب کو اس قدر خوشی ہوئی کہ وہ دوڑتا ہوا اپنے رفقا کے پاس پہنچا اور انھیں یہ خوش خبری سنائی کہ محمدﷺ ابتر (نسل بریدہ) ہوگئے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ نے سورۂ کوثر نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا اَعطَینٰکَ الکوثر. فصَلِّ لِرَبِکَ وَانحر. اِنَّ شَانئکَ ھُوَ الابتر.

ترجمہ: ہم نے آپ کو کوثر دیا۔ تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی

کریں۔ بلاشبہ آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔

ابولہب کی بیوی ام جمیل جس کا نام اروئ تھا اور جو حرب بن امیہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن تھی وہ بھی رحمت عالم ﷺ کی عداوت میں اپنے شوہر سے پیچھے نہ تھی۔ وہ آپ ﷺ کے راستے اور دروازے پر کانٹے ڈال دیا کرتی تھی اور آپ ﷺ کے خلاف فتنہ بپا کر رکھی تھی۔ ابولہب رحمت عالم ﷺ کا چچا اور پڑوسی بھی تھا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کے پڑوسی حکم بن ابی العاص بن امیہ، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمرا ثقفی، ابن الاصدا ہزلی وغیرہ تھے جو آپ ﷺ کو ستایا کرتے تھے۔ ان کے ستانے کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھتے تو کوئی شخص بکری کی بچہ دانی اس طرح لٹکا کر پھینکتا کہ ٹھیک وہ آپ ﷺ کے اوپر گرتی۔ جب چولھے پر ہانڈی چڑھائی جاتی تو بچہ دانی اس طرح پھینکتے کہ سیدھے ہانڈی میں جا کر گرتی۔ جب آپ ﷺ پر یہ گندگی پھینکی جاتی تو آپ ﷺ اسے لکڑی پر لے کر نکلتے اور دروازے پر کھڑے ہو کر فرماتے ''اے بنی عبد مناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟'' پھر اسے کسی مناسب جگہ ڈال دیتے۔

صحیح بخاری شریف میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے کہ آپ ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اپنے کچھ رفقا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، انھوں نے آپس میں کانا پھونسی کی کہ کون ہے جو بنی فلاں کے اونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد ﷺ سجدہ کریں تو ان کے پیٹھ پر ڈال دے؟ اس پر قوم کا بدبخت ترین آدمی عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اوجھڑی لا کر انتظار کرنے لگا۔ جب آپ ﷺ نے سجدے میں سر رکھا تو اسے آپ ﷺ کے پیٹھ پر دونوں کندھوں کے درمیان ڈال دیا۔ اس کے بعد ابوجہل اور اس کے رفقا ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ سجدے میں ہی پڑے رہے یہاں تک کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ ﷺ کے پیٹھ پر سے اوجھڑی اٹھا کر پھینکیں۔ اب آپ ﷺ نے سر اٹھایا پھر تین بار فرمایا ''اے اللہ! تو قریش کو پکڑ لے۔'' جب آپ ﷺ نے بددعا کی تو ان پر بہت گراں گزری کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ یہاں پر دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس کے بعد

آپ ﷺ نے نام لے لے کر بددعا کی: اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ لے اور عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن معیط کو پکڑ لے۔ انھوں نے ساتویں کا بھی نام گنایا لیکن راوی کو یاد نہ رہا۔ ابن مسعود فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں نے دیکھا کہ جن لوگوں کے نام رحمت عالم ﷺ گن گن کر لیے تھے سب کے سب بدر کے کنویں میں مقتول پڑے تھے۔

ابوجہل کبھی کبھار رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر قرآن سنتا تھا لیکن بس سنتا ہی تھا، ایمان نہیں لاتا تھا۔ وہ رحمت عالم ﷺ کو اپنی باتوں سے اذیت پہنچاتا، اللہ کی راہ سے روکتا تھا اور اپنی اس حرکت پر ناز کرتا ہوا جاتا گویا اس نے کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام دیا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اسی کے متعلق نازل ہوئی: فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰی ...

(سورۃ القیٰمۃ پارہ 29)

نہ اس نے سچ مانا، نہ نماز پڑھی، بلکہ جھٹلایا اور پیٹھ پھیری پھر وہ اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کے پاس گیا۔ تیری خرابی آگئی اب آگئی۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ سرداران قریش سے ابوجہل نے کہا محمد آپ حضرات کے سامنے اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہے؟ جواب دیا گیا ہاں! اس نے کہا لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں نے (اس حالت میں) اسے دیکھ لیا تو اس کی گردن روند ڈالوں گا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور اس زعم میں چلا کہ آپ ﷺ کی گردن روند دے گا۔ لیکن لوگوں نے اچانک کیا دیکھا کہ وہ ایڑی کے بل پلٹ رہا ہے اور دونوں ہاتھ سے بچاؤ کر رہا ہے، لوگوں نے کہا، ابوالحکم! تمھیں کیا ہوا؟ اس نے کہا: میرے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے، ہولناکیاں ہیں اور پر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو اچک لیتے۔''

ظلم وستم کی یہ سب کارروائیاں آپ ﷺ کے ساتھ ہو رہی تھیں جب کہ آپ ﷺ کو مکہ کے سب سے محترم اور عظیم الشان انسان ابوطالب کی حمایت حاصل تھی۔

باقی رہیں وہ کارروائیاں جو کمزور مسلمانوں کے ساتھ کی جا رہی تھیں، وہ تو کچھ اس سے زیادہ ہی سنگین اور تلخ تھیں۔ ہر قبیلہ اپنے مسلمان ہونے والے افراد کو طرح طرح کی سزائیں دے رہا تھا۔ حضرت عثمان بن عفان کا چچا انھیں کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیتا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر کی ماں کو جب معلوم ہوا کہ مصعب بن عمیر نے اسلام قبول کیا ہے تو ان کا دانہ پانی بند کر دیا اور انھیں گھر سے نکال دیا۔ یہ بڑے ناز و نعمت میں پلے تھے۔ حالات کی شدت سے دوچار ہوئے تو جسم کی کھال اس طرح ادھڑ گئی جیسے سانپ کچلی چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت بلال امیہ بن خلف جمحی کے غلام تھے۔ امیہ ان کی گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کو دے دیتا اور لڑکے انھیں مکے کے پہاڑوں میں گھماتے پھرتے تھے، امیہ خود باندھ کر انھیں ڈنڈے سے مارتا تھا اور چلچلاتی دھوپ میں جبراً بٹھائے رکھتا تھا اور کھانا پانی بند کر دیتا تھا۔ جب دوپہر کی گرمی شباب پر ہوتی تو مکے کے پتھریلے کنکریوں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا اور کہتا تھا خدا کی قسم! تو اسی طرح پڑا رہے گا یہاں تک کہ مر جائے یا محمد کے ساتھ کفر کرے۔ حضرت بلال اس حالت میں بھی احد، احد کہا کرتے تھے۔ مشیت ایزدی کہ ایک دن یہی کارروائی کی جا رہی تھی کہ حضرت ابوبکر کا گزر ہوا اور انھوں نے بلال کو ایک کالے غلام کے بدلے اور کہا جاتا ہے کہ دو سو درھم (735 گرام چاندی) یا دو سو اسی درھم (ایک کیلو سے زائد چاندی) کے بدلے خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت ابوذر غفاری کو قریش نے قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو اس قدر مارا کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت عمار اپنے والد یاسر اور اپنی والدہ سمیہ کے ساتھ اسلام قبول کیے تھے۔ یہ قبیلۂ بنی مخزوم کے تھے۔ ابوجہل نے سمیہ کی شرمگاہ میں نہایت بے دردی سے نیزہ مارا کہ وہ شہید ہو گئیں اور یہ اسلام میں پہلی شہیدہ ہیں۔ حضرت عمار اور یاسر پر اس قدر ظلم کیا جاتا کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ ایک بار انھیں سزا دی جا رہی تھی کہ نبی رحمت ﷺ کا گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آل یاسر! صبر کرنا۔ تمھارا ٹھکانہ جنت ہے۔ آخر کار یاسر ظلم کی تاب نہ لا کر وفات کر گئے۔ حضرت عمار کو دھوپ

میں تپایا جاتا اور ان کے سینے پر سرخ پتھر رکھ دیا جاتا اور کبھی پانی میں ڈبویا جاتا تھا۔ ان سے مشرکین کہتے تھے کہ جب تک تم محمد ﷺ کو گالی نہیں دوگے یا لات وعزیٰ کے بارے میں کلمۂ خیر نہیں کہوگے، ہم تمھیں نہیں چھوڑ سکتے۔ حضرت عمار نے مجبوراً ان کی بات مان لی۔ پھر آپ ﷺ کے پاس روتے اور معذرت کرتے ہوئے تشریف لائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِن بَعدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَن اُكرِهَ وَ قَلبُهٗ مُطمَئِن م بِالاِيمانِ...

(سورة النحل. پارہ. 14)

ترجمہ: جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا (اس پر اللہ کا غضب اور عذاب عظیم ہے) لیکن جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (اس پر کوئی گرفت نہیں۔)

حضرت خباب کو طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ خوب دہکتے ہوئے انگارے کو زمین پر بچھا کر انھیں چت لٹا دیا گیا اور ایک شخص ان کے چھاتی پر بیٹھ گیا کہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ ان کی کمر کی تمام کھال اور گوشت جل کر کباب ہوگیا۔ بعض صحابہ کو گائے یا اونٹ کے چمڑے میں لپیٹ کر یا باندھ کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے اور بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے ہوئے پتھر پر لٹا دیتے تھے۔ درحقیقت اللہ کی راہ میں ظلم وستم سہنے والوں کی فہرست بہت بڑی لمبی ہے۔ اس طرح چاہے مشرکین جتنی بھی طرح ظلم وستم کے پہاڑ مسلمانوں پر ڈھائے لیکن اس سے مسلمانوں کے ایمان پر کوئی آنچ نہ آسکا بلکہ ان کا ایمان اور زیادہ پختہ ہوتا چلا گیا۔

دارِ اَرقم

اعلانِ نبوت کے پانچویں سال میں آپ ﷺ حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں سے خفیہ طور پر اجتماع کے لیے ارقم بن ابی الارقم مخزومی کے مکان میں جو کہ کوہ صفا پر

سرکشوں کی نگاہوں اور ان کی مجلسوں سے دور واقع تھا چن لیے۔ صرف نبی محترم ﷺ کھلم کھلا مشرکین کے سامنے تبلیغ کا کام انجام دیتے تھے۔ لیکن بقیہ مسلمان چھپ چھپا کر اپنی عبادت، اپنی تبلیغ اور اپنے باہمی اجتماعات کرتے تھے۔ کیونکہ کھلم کھلا تبلیغ کرنے سے ٹکراؤ ممکن تھا بلکہ اعلان نبوت کے چوتھے سال جب کہ مسلمان گھاٹیوں میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور کفار قریش کے کچھ لوگوں نے جب ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیا تو گالی گلوج اور لڑائی جھگڑے پر اتر آئے، جواباً سعد بن ابی وقاص نے ایک شخص کو ایسی ضرب لگائی کہ اس کا خون بہہ پڑا اور یہ پہلا خون تھا جو اسلام میں بہایا گیا۔ لہٰذا اگر ٹکراؤ بار بار ہوتا تو مسلمانوں کے خاتمے کی نوبت آسکتی تھی۔ اس لیے دور اندیشی اور حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے نبی ﷺ مسلمانوں کے ساتھ دارِ اَرقم میں پس پردہ اجتماع کرتے تھے۔

ابو طالب کی خدمت میں قریش کا وفد

مشرکین مکہ کو رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام سے نمٹنے کے لیے دو ہی راستے دیکھائی دے رہے تھے، یا تو رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ کو بزور طاقت روک دیں یا پھر آپ ﷺ کے وجود کا ہی صفایا کردیں۔ لیکن دوسری صورت بہت مشکل تھی کیونکہ ابو طالب مشرکین مکہ کے عزائم کے سامنے ایک چٹان بنے ہوئے تھے۔ اس لیے وہ ابوطالب سے بات کرنے کے لیے ان کے پاس حاضر ہوئے اور بولے ''اے ابوطالب! آپ ہمارے اندر اعزاز کے مالک ہیں ہم نے آپ سے گزارش کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو روکیے لیکن آپ نے نہیں روکا۔ آپ یاد رکھیں ہم اسے نہیں برداشت کرسکتے ہیں کہ ہمارے آبا و اجداد کو گالیاں دی جائیں، ہماری عقل وفہم کو حماقت زدہ قرار دیا جائے اور ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہا جائے۔ آپ اپنے بھتیجے کو روک دیجیے ورنہ ہم آپ سے اور آپ کے بھتیجے سے ایسی جنگ چھیڑیں گے کہ اس میں ایک فریق کا صفایا ہو جائے گا۔'' اس پر ابوطالب نے

آپ ﷺ کو اپنے مکان پر کفار مکہ کے سامنے بلوایا اور گفتگو شروع کی۔ قریش مکہ کے سرداروں جن میں عتبہ، شیبہ، ابوالبختری، اسود، ولید، ابوجہل وغیرہ تھے نے آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا:

''اے محمد! ہم نے آپ کو اس وقت بعض ضروری باتوں کے لیے بلوایا ہے۔ بخدا کوئی شخص اپنی قوم پر اتنی مشکلات نہیں لایا ہوگا جس قدر مشکلات میں تم نے قوم کو مبتلا کر دیا ہے۔ اگر تم اپنے اس نئے دین کے ذریعہ مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمھارے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ کوئی بھی آدمی تمھارے مال کے برابر مال نہ رکھتا ہو۔ اگر سرداری کی تمنا ہے تو ہم ابھی تم کو اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں، اگر حکومت و سلطنت کی خواہش ہے تو تم کو عرب ملک کا بادشاہ بنانے کے لیے تیار ہیں۔ اگر تم کو کوئی جن یا آسیب نے پکڑ رکھا ہے تو ہم اپنے کاہنوں اور حکیموں سے اس کا علاج کراتے ہیں۔ اگر تم کو شادی کرنی منظور ہے تو ہم سب سے اعلیٰ گھرانے کی سب سے زیادہ حسین و جمیل لڑکی سے تمھاری شادی کرا دیتے ہیں۔ اور اگر ان سب چیزوں کی خواہش ہے تو یہ سبھی چیزیں فراہم کر دیتے ہیں، تم اپنی دلی خیالات بیان کر دو۔ ہم تمھاری خواہشات کو پوری کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

نبی ﷺ نے یہ باتیں سن کر جواباً قرآن کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ خداوند قدوس نے مجھے تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور میں نے رب قدیر کے احکام کو تمھاری طرف پہنچا دیا ہے۔ اگر تم میری تعلیمات قبول کرلو گے تو دین و دنیا میں فلاح پاؤ گے اور اگر انکار کرو گے تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کروں گا کہ وہ تمھارے لیے کیا حکم صادر فرماتا ہے۔ یہ سن کر کفار نے کہا:

''اگر تم خدا کے رسول ہو تو ان پہاڑوں کو ملک عرب سے ہٹا دو اور ریگستان کو سرسبز بنا دو۔ ہمارے باپ دادا کو زندہ کرو۔ اگر قصی بن کلاب نے زندہ ہو کر تمھیں سچا مان لیا اور تمھاری رسالت کو قبول کر لیا تو ہم بھی تمھیں رسول تسلیم کر لیں گے۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں ان کاموں کے لیے رسول نہیں بنایا گیا ہوں۔ میرا کام یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے احکام جو مجھ پر نازل ہوتے ہیں انھیں میں تمھیں سنا دوں اور اچھی طرح سمجھا دوں۔ میں اپنے اختیار سے کچھ نہیں کرسکتا۔

اس قسم کی باتیں ہونے کے بعد سرداران قریش ناراض ہو کر چلے گئے۔ قریش کے چلے جانے پر ابوطالب نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ بھتیجے! میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور اپنے اندر قریش کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ میں کس کس سے جنگ کروں گا۔ تم مجھے ایسی پریشانی میں نہ ڈالو جو میری طاقت سے بڑھ کر ہو۔ مناسب یہی ہے کہ تم اپنے دین کی تبلیغ اور بتوں کی اعلانیہ برائیاں بیان کرنا ترک کر دو۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ اے چچا! اگر میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور پوری دنیا کی دولت میرے دامن میں لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے کام سے باز نہیں آسکتا۔ آپ ﷺ نے آبدیدہ ہو کر کہا، چچا! آپ میرا ساتھ چھوڑ دیں۔ اللہ میرا نگہبان ہے۔ میں اپنے کام کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ خدا کا کام پورا نہ ہو جائے یا یہی کام کرتے ہوئے میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ ابوطالب پر آپ ﷺ کی باتوں کا بہت اثر ہوا چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ پیارے بھتیجے! تم ضرور اپنے کام میں مصروف رہو۔ جب تک میرے دم میں دم ہے میں تمھاری مدد کرتا رہوں گا اور تم کو کبھی بھی دشمنوں کے سپرد نہیں کروں گا۔

حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت

کفار قریش کو جب ان تمام کوششوں میں ناکامی و نامرادی ہاتھ لگی اور تبلیغ و توحید کا سلسلہ جاری رہا تو انھوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا اور آنحضرت ﷺ کو خانۂ کعبہ کے اندر آنے سے روک دیا۔ شہر کے لڑکوں اور اوباشوں کو اس کام کے لیے متعین کیا کہ جہاں بھی محمد جائیں یا مسلمانوں کو جہاں کہیں بھی دیکھیں تو تالیاں بجائیں، گالیاں

دیں اور گلی کوچوں میں چلنے پھرنے میں انھیں پریشان کریں۔ اب کفار مکہ نے ضعیف و طاقتور مسلمان چاہے جس قبیلے سے بھی تعلق رکھتا ہو، ان پر ظلم وستم تیز کر دیا۔ یہاں تک کہ شہر مکہ کی سرزمین مسلمانوں کے لیے تنگ ہوگئی اور مسلمانوں کی زندگی اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وبال بن گئی۔ انہی سنگین اور تاریک حالات میں سورۂ کہف نازل ہوئی۔ یہ اصل میں تو مشرکین کے پیش کردہ سوالات کا تفصیلی جواب تھی لیکن اس میں جو تین واقعات بیان کیے گئے ان میں رب العالمین کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لیے مستقبل کے بارے میں اشارات تھے۔ چنانچہ اصحاب کہف کے واقعے میں یہ درس موجود ہے کہ جب دین و ایمان خطرے میں ہو تو کفر و ظلم کے مراکز سے ہجرت کر کے تن بہ تقدیر نکل پڑنا چاہیے۔ سورۂ کہف کے بعد سورۂ مزمل کا نزول ہوا، اس میں بھی اللہ پاک کی طرف سے ہجرت کے لیے اشارہ کیا گیا اور بتلایا گیا کہ اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لِلَّذِيْنَ اَحسَنوا فِي هٰذِهِ الدُّنيا حَسَنَةٌ ط وَ اَرضُ اللهِ واسِعَةٌ ط اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُونَ اَجرَهُم بِغَيرِ حِسَاب ○ (سورۂ زمر پارہ 23)

ترجمہ: جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کی ان کے لیے اچھائی ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بلا حساب دیا جائے گا۔

لہٰذا اللہ پاک کی طرف سے واضح ہجرت کے لیے اشارہ ملنے اور مکہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے اعلان نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں نبی ﷺ نے مسلمانوں کو ملک حبش جہاں پر عیسائی حکومت تھی ہجرت کرنے کے لیے حکم دے دیا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کو معلوم تھا کہ اصحمہ نجاشی شاہ حبش ایک عادل بادشاہ ہے اور وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ چنانچہ رجب 5 نبوی میں مسلمانوں کے پہلے گروہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی جس میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ حضرت عثمان بن عفان ان کے امیر تھے اور ان کے ساتھ رسول خدا ﷺ کی لخت جگر رقیہ بھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کے بعد یہ

پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ پندرہ آدمیوں کا مختصر سا یہ قافلہ چھپ چھپا کر رات کے وقت مکہ سے نکلا جسے جدہ کی بندرگاہ پر اتفاقاً تیار جہاز مل گیا پھر یہ لوگ اس جہاز میں سوار ہو کر ملک حبش پہنچ گئے۔ ان پندرہ مسلمانوں کی جماعت میں حضرت حذیفہ بن عتبہ، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن العوام، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عامر بن ربیعہ اور حضرت سہیل بن بیضا رضی اللہ عنھم حضرات قابل ذکر ہیں۔

کفار مکہ کو جب مسلمانوں کے ہجرت کرنے اور حبش کی طرف روانہ ہونے کے متعلق معلوم ہوا تو وہ تعاقب میں روانہ ہوئے لیکن کفار کے پہنچنے سے پہلے جہاز جدہ کے بندرگاہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ حبش میں پہنچ کر مسلمان سکون سے رہنے لگے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے حبش کی طرف ہجرت کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت جعفر بن طالب بھی حبش میں اپنے مسلمان بھائیوں سے جا ملے، اب ملک حبش میں مسلمانوں کی تعداد تراسی (83) تک پہنچ گئی۔ لیکن مسلمانوں کو ابھی ملک حبش میں گئے ہوئے چند ہی مہینے گزرے تھے کہ انھیں یہ افواہ ملی کہ قریش مکہ مسلمان ہو گئے ہیں یا ان سے مصالحت ہوگئی ہے۔ یہ خبر سن کر کچھ مسلمان مکہ کے لیے روانہ ہو گئے لیکن جب مکہ کے بالکل قریب پہنچے تو یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ ان کے نزدیک آئی ہوئی خبر غلط تھی۔ لہٰذا بعض مسلمان تو راستے ہی سے حبش کے لیے واپس ہو گئے اور بعض کسی با اثر اور طاقتور قریشی کی ضمانت لے کر مکہ پہنچے۔ یہ مسلمان مکہ آ کر اور مسلمانوں کو بھی اپنے ہمراہ لے کر (جن کی تعداد 82 یا 83 مردوں اور 18 عورتوں کی تھی) پھر حبش کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ حبش کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے۔

شاہ حبش سے قریش کا مطالبہ

کفار مکہ نے جب دیکھا کہ مکہ کے آدمی مسلمان ہو کر ملک حبش کو ہجرت کرتے جا رہے

ہیں اور وہاں پر اطمینان وسکون کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں تو انھیں بہت قلق ہوا اب انھیں اس بات کا خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں اسلام ایک دن بڑی طاقت کے ساتھ باہر سے ان کے لیے آفت بن کر نہ نازل ہو جائے۔ لہٰذا انھوں نے مکہ میں حضور اکرم ﷺ اور ان کے ساتھیوں پر ظلم وستم میں اضافہ کر دیا اور عمرو بن العاص (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور عبداللہ بن ربیعہ دو معزز شخصوں کو سفیر بنا کر نجاشی شاہ حبش کے دربار میں بھیجا۔ قریش مکہ اور نجاشی شاہ حبش کے درمیان پہلے سے ایک تجارتی معاہدہ تھا اور اسی کے موافق قریش مکہ کی ملک حبش کے ساتھ تجارت قائم تھی۔ ان دونوں سفیروں کو شاہ حبش کے لیے نہایت قیمتی تحفے اور ہدیے سپرد کیے گئے اور نہ صرف شاہ حبش کے لیے بلکہ درباریوں کے لیے بھی قیمتی تحفے دیے گئے تھے۔ قریش مکہ کے ان دونوں سفیروں نے دربار حبش میں حاضر ہو کر یہ ہدایا پیش کیے اور شاہ حبش کے درباریوں کو اپنی طرف مائل و متوجہ کیا۔ انھیں اپنے ان دلائل سے آگاہ کیا جن کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کو ملک حبش سے نکلوانا چاہتے تھے۔ جب درباریوں نے اس بات سے اتفاق کر لیا کہ وہ مسلمانوں کو نکالنے کے لیے شاہ حبش کو مشورہ دیں گے تو یہ دونوں نجاشی شاہ حبش کے دربار میں حاضر ہوئے اور تحفے تحائف پیش کر کے اپنا مدعا یوں عرض کیا:

''اے بادشاہ! ہمارے کچھ غلام باغی ہو کر آپ کے ملک میں آ گئے ہیں اور اپنا آبائی دین چھوڑ کر ایک نئے دین کے تابع ہو گئے ہیں جو سب سے نرالا ہے۔ لہٰذا ان غلاموں کو ہمارے حوالے کیا جائے۔'' درباریوں نے بھی قریش کے ان سفیروں کی حمایت و تائید کی۔ لیکن نجاشی شاہ حبش نے سوچا کہ اس معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کو بھی دربار میں بلا بھیجا۔ مسلمان یہ تہیہ کر کے اس کے دربار میں آئے کہ ہم ہر حال میں سچ بولیں گے چاہے نتیجہ کچھ بھی نکلے۔ جب مسلمان آ گئے تو نجاشی نے پوچھا ''یہ کون سا دین ہے جس کی بنیاد پر تم نے اپنی قوم سے علاحدگی اختیار کر لی ہے اور میرے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہو؟''

مسلمانوں کے ترجمان حضرت جعفر بن ابی طالب نے کہا:

''اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل تھے، بت پرست تھے، مردہ خور تھے، بدکار تھے، قطع رحمی اور پڑوسیوں سے بدمعاملی کرتے تھے۔ ہم میں جو طاقتور ہوتا تھا وہ کمزور کا حق دبا لیتا تھا۔ یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا جس کی حسب ونسب اور صدق و امانت سے ہم سب واقف تھے۔ اس نے ہمیں موحد بنا کر بت پرستی سے روکا۔ ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، قرابت جوڑنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے اور حرام کاری وخونریزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہمیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ ہم نے اس پیغمبر کو سچا مانا، اس پر ایمان لائے اور اس کے لائے ہوئے دین خداوندی میں اس کی پیروی کی۔ اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی۔ اس نے ہم پر ظلم وستم کیا یہاں تک کہ مجبور ہو کر اپنے وطن سے نکل کر ہم نے آپ کے ملک میں پناہ لی ہے۔ یہ امید کی ہے کہ اے بادشاہ! آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر کہا کہ تمھارے رسول پر خدا کا جو کلام نازل ہوا ہے اس میں سے کچھ سناؤ۔ چنانچہ حضرت جعفر نے سورۂ مریم کی تلاوت شروع کی۔ قرآن کریم کی آیات سن کر نجاشی اور تمام درباریوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ نجاشی نے کہا یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے دونوں ایک ہی شمع دان سے نکلے ہوئے ہیں۔ قریش کے ایلچیوں نے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی مخالف ہیں۔ اس پر حضرت جعفر نے فوراً جواب دیا کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ لے کر آئے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا وہ حکم ہیں جسے اللہ نے کنواری پاک دامن حضرت مریم کی طرف القا کیا تھا۔

نجاشی نے کہا تمھارا یہ عقیدہ بالکل درست ہے۔ انجیل کا بھی یہی مفہوم ہے۔ جاؤ تم لوگ امن و امان سے رہو۔ جو تمھیں گالی دے گا اس پر تاوان لیا جائے گا۔ مجھے

گوارا نہیں کہ میں تم میں سے کسی آدمی کو ستاؤں اور اس کے بدلے مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے۔ اس کے بعد اس نے اپنے درباریوں سے کہا، ان دونوں کو ان کے ہدیے واپس کر دو۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے جب مجھے میرا ملک واپس کیا تھا تو مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی کہ میں اس کی راہ میں رشوت لوں۔ نیز اللہ نے میرے بارے میں لوگوں کی بات قبول نہ کی تھی کہ میں ان کی بات قبول کروں۔ ابن ہشام میں حضرت ام سلمہ جنھوں نے اس واقعے کو بیان کیا ہے، کہتی ہیں اس کے بعد وہ دونوں اپنے ہدیے تحفے لیے بے آبرو ہو کر واپس چلے گئے اور ہم نجاشی کے پاس ایک اچھے ملک میں ایک اچھے پڑوسی کے زیر سایہ مقیم رہے۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

قریش مکہ عداوت نبوی میں دیوانے ہوتے جا رہے تھے اور جب نجاشی شاہ حبش کے دربار سے بھی ناکامی ہی ہاتھ لگی تو ان کی دشمنی مسلمانوں کے ساتھ اور بھی بڑھ گئی۔ ایک روز آنحضرت ﷺ کوہِ صفا پر یا اس کے دامن میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ابوجہل کا اس طرف گزر ہوا، اس نے آپ ﷺ کو دیکھ کر سخت سست اور ناپسندیدہ الفاظ بکے، جب آپ ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا تو اس نے ایک پتھر اٹھا کر مارا جس سے آپ ﷺ زخمی ہو گئے اور خون بہنے لگا۔ آپ ﷺ خاموش اپنے گھر چلے آئے اور ابوجہل صحن کعبہ میں جہاں لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے آ بیٹھا۔ حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے اور اس کے علاوہ رضائی بھائی بھی تھے، ان کو آپ ﷺ سے بہت محبت تھی لیکن ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ شکار کرنے کی ان کی عادت تھی۔ تیر کمان لے کر صبح جنگل کی طرف نکلتے اور شام کو واپس آ کر اصل خانۂ کعبہ کا طواف کرتے۔ ابوجہل کی ساری حرکت عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی کوہ صفا پر واقع اپنے مکان سے دیکھ رہی تھی اور حسب معمول حضرت امیر حمزہ کمان حمائل کیے

ہوئے شکار سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ان سے کہہ سنایا۔ حضرت امیر حمزہ غصہ سے بھڑک اٹھے، خانۂ کعبہ پہنچے، طواف کیا اور طواف سے فارغ ہو کر سیدھے اس مجمع میں جا پہنچے جہاں ابوجہل بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا۔ جاتے ہی ابوجہل کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ پھر کہا کہ میں بھی محمد ﷺ کے دین پر ہوں اور وہی کہتا ہوں جو وہ کہتا ہے تو اب میرے سامنے بول! ابوجہل کے ساتھیوں کو غصہ آیا، وہ اس کی حمایت میں اٹھے مگر ابوجہل امیر حمزہ کی بہادری سے اس قدر متاثر تھا کہ اپنے حمایتیوں کو یہ کہہ کر روک دیا کہ واقعی مجھ ہی سے زیادتی ہوگئی تھی، اگر امیر حمزہ مجھ سے اپنے بھتیجے کا انتقام نہ لیتے تو بے حمیت شمار ہوتے۔ غالباً ابوجہل کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں ضد میں آکر امیر حمزہ اسلام ہی قبول نہ کر لیں۔

ادھر امیر حمزہ ابوجہل کا سر پھوڑ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا:

''بھتیجے! تم یہ سن کر خوش ہو جاؤ کہ میں نے ابوجہل سے تمھارا بدلہ لے لیا ہے اور اس کا سر پھاڑ کر خون بہا دیا ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''چچا جان! میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوتا ہاں اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو مجھے بڑی خوشی حاصل ہوگی۔'' یہ سن کر حضرت امیر حمزہ نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ حضرت امیر حمزہ کو اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کو بڑی قوت حاصل ہوئی۔ یہ اعلانِ نبوت کے چھٹے سال کے ماہ ذی الحجہ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد سے کفار مکہ نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے میں کمی کر دی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

حضرت امیر حمزہ کے اسلام لانے کے صرف تین دن بعد حضرت عمر بن خطاب نے اسلام قبول کر لیا اور نبی محترم ﷺ کے دست مبارک پر کلمہ پڑھ لیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے اسلام لانے کے لیے دعا کی تھی۔ چنانچہ امام ترمذی نے ابن عمر سے روایت کی

ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''اے اللہ! عمر بن خطاب اور ابوجہل بن ہشام میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعہ اسلام کو قوت پہنچا۔'' اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت عمر مسلمان ہوگئے اور اللہ کے نزدیک ان دونوں میں زیادہ محبوب حضرت عمر تھے۔

حضرت عمر فاروق امیر حمزہ کی طرح مشہور پہلوان اور عرب کے نامور بہادروں میں سے تھے۔ مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور آپ ﷺ کے خلاف کوشش کرنے میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔ وہ اپنی تند مزاجی اور سخت گوئی کے لیے مشہور تھے۔ ان کے اندر متضاد قسم کے جذبات تھے۔ ایک طرف تو وہ آبا و اجداد کی ایجاد کردہ رسموں کا احترام کرتے اور لہو و لعب اور شراب و کباب کے دلدادہ تھے تو دوسری طرف ایمان و عقیدے کی راہ میں مسلمانوں کی پختگی کو حیرت اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔

حضرت عمر فاروق نے مسلمانوں کو دین اسلام سے مرتد بنانے کی بے حد کوششیں کیں اور ناکام رہے۔ آخر ایک روز انھوں نے یہ فیصلہ کیا اور کفار کی مجلس میں یہ وعدہ کیا کہ میں تنہا قریش کے اوپر وارد ہونے والے اس فتنہ کو مٹا دیتا ہوں۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ یعنی محمد کا کام تمام کیے دیتا ہوں۔ ابوجہل نے یہ سن کر کہا اگر تم نے یہ کام کر دیا تو سو اونٹ اور ہزار اوقیہ چاندی نذر کروں گا۔ چنانچہ عمر تلوار بے نیام لے کر محمد ﷺ کو قتل کرنے کی غرض سے نکل پڑے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ نعیم بن عبداللہ النحام عدوی یا بنی زہرہ یا بنی مخزوم کے کسی آدمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے تیور دیکھ کر پوچھا عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا محمد کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا تم بنی ہاشم کے انتقام سے نہیں ڈرتے اور یہ نہیں جانتے کہ محمد کا قتل کوئی آسان کام نہیں ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے میں کسی سے نہیں ڈرتا اور پھر اس سے کہا، تم بھی اس کے حمایتی ہو، لاؤ پہلے تمھارا ہی کام تمام کر دوں۔ اس پر اس نے کہا تم مجھ کو اور محمد کو تو بعد میں قتل کرنا، پہلے اپنے ہی گھر کی خبر لو! تمھاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں اور دین

اسلام تمھارے گھر میں داخل ہو چکا ہے۔

یہ بات سن کر عمر غصے سے بے قابو ہو گئے اور سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں پر حضرت خباب بن ارث، عمر کی بہن فاطمہ اور ان کے شوہر حضرت سعید بن زید کو قرآن شریف کی سورۂ طٰہٰ کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمر کے آنے کی آہٹ سن کر حضرت خباب گھر کے اندر چھپ گئے اور قرآن کریم جن اوراق پر لکھا ہوا تھا اسے بھی چھپا دیا۔ عمر نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا کہ تم کیا پڑھ رہے تھے؟ انھوں نے کہا کچھ بھی نہیں، بس ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ عمر نے کہا میں نے سن لیا ہے کہ تم بے دین ہو چکے ہو۔ اس پر بہنوئی نے کہا اچھا عمر! یہ بتاؤ حق اگر تمھارے دین کے بجائے کسی اور دین میں ہو تو؟ حضرت عمر کا اتنا سننا تھا کہ اپنے بہنوئی کو مارنا شروع کر دیا، ادھر بہن نے انھیں اپنے شوہر سے الگ کرنا چاہا تو بہن کو بھی مارا جس سے بہن کا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ اس پر بہن نے جوش میں کہا: عمر! اگر تیرے دین کے بجائے دوسرا ہی دین برحق ہو تو؟ **اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ** (میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) جب عمر نے بہن کا یہ دلیرانہ دوٹوک جواب سنا اور نگاہ اٹھا کر بہن کی طرف دیکھا تو بہن کا چہرہ خون میں ڈوبا نظر آیا۔ اس کا ان کے قلب پر بڑا اثر ہوا اور شرم و ندامت محسوس کرنے لگے۔

پھر بہن سے بولے اچھا تم مجھے وہ کلام دکھلاؤ یا سناؤ جو تم ابھی پڑھ رہے تھے جس کی آواز میں نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے سنی تھی۔ عمر کا یہ کلام چونکہ سنجیدہ لہجے میں تھا اس لیے بہن کو اور جرأت ہوئی اور کہا! تم ناپاک ہو اور اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ اٹھو غسل کرو۔ حضرت عمر نے اٹھ کر غسل کیا جس سے مزاج کی گرمی جاتی رہی۔ پھر کتاب لی **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھی پھر کہنے لگے یہ تو بڑے پاکیزہ نام ہیں۔ اس کے بعد طٰہٰ سے **انني انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدني و اقم الصلوٰۃ لذکری** ٥ تک قرأت کی اور کہنے لگے، یہ تو بڑا عمدہ اور محترم کلام ہے

مجھے محمد ﷺ کا پتہ بتاؤ۔ یہ سنتے ہی حضرت خباب جو اندر چھپے تھے فوراً باہر نکل آئے اور کہا: اے عمر مبارک ہو! محمد رسول اللہ ﷺ کی دعا تمھارے حق میں قبول ہوگئی ہے۔ میں نے کل محمد ﷺ کو دعا مانگتے سنا تھا کہ الٰہی! عمر بن الخطاب یا ابوجہل بن ہشام دونوں میں سے ایک کو ضرور مسلمان کر دے۔ پھر خباب نے سورۂ طٰہٰ کا پہلا رکوع پڑھ کر سنایا۔ حضرت عمر سن رہے تھے اور رو رہے تھے۔ پھر عمر نے خباب سے کہا کہ مجھے اسی وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلو۔ چنانچہ وہ اسی وقت عمر کو دارِ ارقم کی طرف لے چلے۔ اس وقت بھی ننگی تلوار عمر کے ہاتھ میں تھی۔

دارِ ارقم کے دروازے پر پہنچ کر حضرت عمر نے دستک دی۔ صحابۂ کرام جو اندر تھے جھانک کر دیکھا کہ دروازے پر ننگی تلوار لیے عمر کھڑے ہیں۔ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ عمر ننگی تلوار لیے دروازہ پر کھڑا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو۔ حضرت حمزہ بھی موجود تھے انھوں نے کہا، آنے دو، اگر ارادہ نیک ہے تو خیر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ آپ ﷺ ان کو گھر میں آتا دیکھ کر آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا اور فرمایا، اے عمر! کیا تو باز نہ آئے گا۔ تم مسلمانوں کو کب تک تنگ کرتے رہو گے؟ حضرت عمر رسول اللہ ﷺ کی بات سن کر رونے لگے اور جواباً عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ پھر عمر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سنتے ہی جوشِ مسرت میں بلند آواز سے اللہ اکبر کہا، ساتھ ہی تمام صحابہ نے جو اس وقت دارِ ارقم میں موجود تھے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج گئیں۔

حضرت عمر مسلمان ہونے کے بعد سیدھے ابوجہل کے گھر پہنچے۔ دروازے پر دستک دی۔ ابوجہل باہر نکلا، مرحبا کہا اور آنے کی وجہ پوچھی۔ اس پر عمر نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانتا ہوں۔ یہ سنتے ہی ابوجہل نے جھلا کر دروازہ بند کر دیا اور اندر چلا گیا۔ حضرت عمر نے مسلمان ہوتے ہی آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اب پوشیدہ طور پر گھروں میں نماز

پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اعلانیہ خانۂ کعبہ میں نماز پڑھنی چاہیے۔ اللہ حق ہے، آپ حق ہیں اور ہمارا دین اسلام حق ہے تو پھر ہم چھپ کر اللہ کی عبادت کیوں کریں۔ چنانچہ قریش میں سے اول اول جو کوئی رکاوٹ بنا حضرت عمر نے اس کا مقابلہ کیا۔ یہ اعلان مکہ بھر میں کیا کہ جس ماں کو اپنے بیٹے کا قتل ہونا منظور ہے، جس بیوی کو اپنے شوہر کا قتل منظور ہے، جس باپ کو اپنے بیٹے کی گردن دیکھنا منظور ہے اور جس بھائی کو اپنے بھائی کی کٹی گردن دیکھنا منظور ہے وہ سامنے آئے۔ عمر بن الخطاب نے محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانا ہے اور مسلمان ہوگیا ہے۔ کسی کافر کو سامنے آنے کی ہمت نہیں ہوئی اور مسلمان بلا روک ٹوک خانۂ کعبہ میں نمازیں پڑھنے لگے۔ اس وقت عمر کی عمر 33 سال کی تھی اور اعلان نبوت کا چھٹا سال (کا آخری مہینہ) تھا۔ آپ کے مسلمان ہونے کے وقت مکہ میں مسلمانوں کی تعداد چالیس ہوگئی۔ ملک حبش میں جو مسلمان تھے وہ اس کے علاوہ تھے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن الخطاب سے دریافت کیا کہ کس وجہ سے آپ کا لقب فاروق پڑا؟ تو انھوں نے کہا مجھ سے تین دن پہلے حضرت امیر حمزہ مسلمان ہوئے۔ پھر حضرت عمر نے ان کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کر کے اخیر میں کہا کہ پھر جب میں مسلمان ہوا تو... میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں خواہ زندہ رہیں خواہ مریں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم لوگ حق پر ہو خواہ زندہ رہو خواہ موت سے دوچار ہو۔ حضرت عمر کہتے ہیں تب میں نے کہا پھر چھپنا کیسا؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ہم ضرور باہر نکلیں گے۔ چنانچہ ہم دو صفوں میں آپ ﷺ کو ہمراہ لے کر باہر آئے۔ ایک صف میں حمزہ تھے اور ایک صف میں میں تھا اور مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ قریش نے مجھے اور حمزہ کو دیکھا تو ان کے دلوں پر ایسی چوٹ لگی کہ اب تک نہ لگی تھی۔ اسی دن رسول اللہ ﷺ نے میرا لقب فاروق رکھ دیا۔ حضرت ابن مسعود کا ارشاد ہے کہ ہم خانۂ کعبہ

کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے یہاں تک کہ حضرت عمر نے اسلام قبول کیا۔

ابوطالب کا بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ساتھ اجتماع

حضرت امیر حمزہ اور عمر بن الخطاب کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد مشرکین مکہ کے اندر اضطراب پیدا ہوگیا، ہر چہار جانب انھیں ناکامی ہی حاصل ہوئی تھی اور وہ نئے فتنے کی جستجو میں تھے۔ ادھر ابوطالب کو محمد ﷺ کے متعلق ہمیشہ خطرہ محسوس ہوتا رہا کیونکہ وہ پچھلے واقعات پر غور وفکر کر رہے تھے۔ مشرکین نے انھیں مقابلہ کی دھمکی بھی دی تھی، پھر ان کے بھتیجے کو عمارہ بن ولید کے عوض حاصل کر کے قتل کرنے کے لیے ناکام کوشش کی تھی۔ ابوجہل ایک بھاری پتھر لے کر ان کے پیارے بھتیجے کا سر کچلنے چلا تھا۔ عتبہ بن ابی معیط نے چادر لپیٹ کر گلا گھونٹنے اور مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ ابوطالب ان واقعات پر غور کرتے تو ان کا دل کانپ اٹھتا۔ انھیں یقین ہو چکا تھا کہ مشرکین ان کا عہد توڑنے اور ان کے بھتیجے کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ ابوطالب کے نزدیک جس بات کا خوف تھا بہرحال وہ صحیح بھی تھا کیونکہ مشرکین مکہ نبی محترم ﷺ کے قتل کا فیصلہ اعلانیہ طور پر کر چکے تھے، ان کے اسی فیصلے کی طرف اللہ پاک کا اشارہ ہے:

اَم اَبرَمُوْا امراً فَاِنّا مبرمُونَ o (سورۃ الزخرف پارہ 25)

ترجمہ: اگر انھوں نے ایک بات کا تہیہ کر رکھا ہے تو ہم بھی تہیہ کیے ہوئے ہیں۔

لہٰذا ابوطالب نے جب دیکھا کہ ہر چہار جانب سے مشرکین رسول اللہ ﷺ کے قتل پر تلے ہوئے ہیں تو انھوں نے اپنے جداعلیٰ عبد مناف کے دو صاحبزادوں ہاشم اور مطلب سے وجود میں آنے والے خاندانوں کو جمع کیا اور انھیں دعوت دی کہ اب تک جو وہ اپنے بھتیجے کی حفاظت وحمایت کا کام تنہا انجام دیتے رہے ہیں اب اسے سب مل کر انجام دیں۔ ابوطالب کی یہ بات عربی حمیت کے پیش نظر دونوں خاندانوں کے تمام افراد نے چاہے مسلم ہو یا کافر قبول کر لی۔ البتہ صرف ابوطالب کا بھائی

ابولہب ایک ایسا فرد تھا جس نے اسے منظور نہ کیا اور سارے خاندان سے ار ۔ ہو کر مشرکین قریش سے جا ملا اور انھیں کا ساتھ دیا۔

قریش مکہ کی طرف سے بنو عبد مناف کا مکمل بائیکاٹ

بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خاندان کا رسول اللہ ﷺ کی حمایت و حفاظت کا عہد و پیمان دیکھ کر مشرکین مکہ چکرا کر رہ گئے۔ کیونکہ ان کو اب سمجھ میں آ گیا کہ اگر انھوں نے رحمت عالم ﷺ کے قتل کا اقدام کیا تو مکہ کی وادی مشرکین کے خون سے ڈوب جائے گی۔ اس لیے انھوں نے قتل کا منصوبہ چھوڑ کر ظلم و زیادتی کی ایک دوسری تجویز اعلان نبوت کے ساتویں سال کے ابتدائی ماہ محرم میں قریش نے اپنی ایک مجلس مشاورت میں پاس کیا جس کے ذریعہ ابوطالب سے یہ مانگ کیا کہ وہ اپنے بھتیجے یعنی محمد کو قتل کرنے کے لیے قریش کے حوالے کر دیں اور جب تک نہیں کرتے ہیں تب تک بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف یہ عہد و پیمان کیا کہ نہ ان سے شادی بیاہ کریں گے، نہ ان کے گھروں میں جائیں گے، نہ ان سے بات چیت کریں گے، نہ کوئی چیز ان سے فروخت کریں گے اور نہ کھانے پینے کی کوئی چیز ان تک پہنچنے دیں گے۔ چنانچہ اس بائیکاٹ کے دستاویز کے طور پر ایک صحیفہ لکھا اور تمام روٴسائے قریش نے اس پر دستخط کیے پھر یہ دستخط شدہ عہدنامہ خانۂ کعبہ کے کنڈے میں لٹکا دیا گیا اور مقاطعہ شروع ہو گیا۔

ابوطالب تمام بنو ہاشم اور بنو مطلب خواہ مسلمان ہو یا کافر سب کو لے کر مکہ کے قریب ایک پہاڑی درّے میں جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے جا کر محصور ہو گئے۔ اس بائیکاٹ کے نتیجے میں حالات سنگین ہو گئے اور جو کچھ غلہ وغیرہ بنو ہاشم اپنے ساتھ لے گئے تھے وہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ مکہ میں جو غلہ آتا تھا اسے مشرکین لپک کر زیادہ قیمت دے کر خرید لیتے تھے اس لیے محصورین کی حالت بہت ہی پتلی ہو گئی۔ یہاں تک کہ انھیں پتے اور چمڑے کھانے پڑے۔ فاقہ کشی کا یہ عالم تھا کہ بھوک سے

بلکتے ہوئے بچوں اور عورتوں کی آوازیں گھاٹی کے باہر سنائی پڑتی تھیں۔ تین برس تک بنو ہاشم اور مکہ کے ان مسلمانوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کیں جن کے تصور سے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ صرف ایام حج میں یہ محصور لوگ باہر نکلتے تھے اور عرب کے دستور کے موافق ان ایام میں جو امن عام ہوتا تھا فائدہ اٹھاتے ہوئے کھانے پینے کا سامان خرید کر رکھ لیتے تھے۔ انھیں ایام میں رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے جاتے اور باہر سے آئے ہوئے لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے لیکن قریش آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے لگے رہتے اور لوگوں کو آپ ﷺ کی بات سننے سے منع کرتے۔ اس میں ابولہب پیش پیش رہتا۔

شعب ابی طالب کی سہ سالہ سختیوں کو دیکھ کر یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ قبیلوں کی حمیت اور خاندان ونسل کا پاس ولحاظ بھی ایک بہت بڑی چیز ہے، اسی نے بنو ہاشم کے ان لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہوئے تھے حضور ﷺ کا ساتھ دینے اور آپ ﷺ کی مدد کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایک طرف بنی ہاشم کی خاندانی حمیت نے ان کو آنحضرت ﷺ کی حمایت پر مجبور کیا تو دوسری طرف شعب ابی طالب کی قید ونظر بندی نے ان کو آپ ﷺ کے اخلاق کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے، ان سے زیادہ متاثر ہونے اور مذہب اسلام سے زیادہ واقف ہونے کا موقع دیا۔ اس نسلی امتیاز نے ان کو (بنی ہاشم کو) بجا طور پر مستحق تکریم بنا دیا۔

ادھر ابوطالب کا یہ حال تھا کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خطرہ لگا رہتا تھا اس لیے لوگ جب اپنے اپنے بستروں پر سونے کے لیے جاتے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ تم بھی اپنے بستر پر سو رہو، ان کا یہ مقصد ہوتا کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کے قتل کی نیت رکھتا ہو تو وہ دیکھ لے کہ آپ کہاں سو رہے ہیں۔ پھر جب لوگ سو جاتے تو ابو طالب آپ ﷺ کی جگہ بدل دیتے۔ یعنی اپنے بیٹوں، بھائیوں یا بھتیجوں میں سے کسی کو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سلا دیتے اور رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ تم اس کے بستر پر چلے جاؤ۔ یہ تھی حضرت ابوطالب کی رسول اللہ ﷺ سے محبت جس کو سن

کر عقل حیران ہو جاتی ہے۔

حکیم بن حزام جو حضرت خدیجہ کا بھتیجا تھا کبھی کبھی اپنی پھوپھی کے لیے گیہوں بھجوا دیتا تھا۔ ایک بار ابوجہل نے دیکھ لیا اور غلہ روکنے پر اڑ گیا لیکن ابوالبختری نے مداخلت کر کے گیہوں کو جانے دیا۔ تین سال ختم ہو جانے کے بعد عہد و پیمان کا صحیفہ چاک کرنے کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شروع ہی سے قریش کے کچھ لوگ اس عہد و پیمان سے راضی تھے تو کچھ ناراض تھے۔ اس صحیفہ کو چاک کرانے کے لیے سب سے پہلا قدم قبیلۂ بنوعامر بن لوئی کا ہشام بن عمرو نامی ایک شخص تھا، وہ رات کی تاریکی میں زہیر بن ابی امیہ کے پاس پہنچا اور کہا زہیر! کیا تمھیں گوارا ہے کہ تم مزے سے کھاؤ پیو اور تمھارا ماموں بھوکے مرے۔ معلوم رہے کہ ابو طالب زہیر کے ماموں تھے۔ اس پر زہیر نے کہا کہ میں اکیلے کچھ نہیں کرسکتا، اگر میرے ساتھ کوئی اور آدمی ہو تو میں صحیفہ کو پھاڑنے کے لیے قدم بڑھا سکتا ہوں۔ اس پر ہشام نے کہا، میں تمھارے ساتھ ہوں۔ اس طرح ہشام مطعم بن عدی کے پاس گیا جو عبد مناف کی نسل سے ہی تھا اس پر نسلی حمیت کا زور دے کر اس کی ملامت کی پھر صحیفہ چاک کرنے کے لئے وہ بھی تیار ہوگیا۔ اس کے بعد ہشام نے ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب کو صحیفہ چاک کرنے کے لیے تیار کرلیا۔

اس کے بعد ان لوگوں نے آپس میں یہ عہد و پیمان کیا کہ صحیفہ چاک کرنا ہے اور زہیر بن ابی امیہ نے کہا کہ میں ابتدا کروں گا یعنی سب سے پہلے میں ہی زبان کھولوں گا۔ جب صبح ہوئی تو حسب معمول سب لوگ اپنی اپنی محفلوں میں جمع ہوئے، زہیر بھی پہنچا اور خانۂ کعبہ کا طواف کر کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا، مکے کے لوگو! کیا ہم کھانا کھائیں، پانی پئیں، کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم تباہ ہوں۔ خدا کی قسم! میں بیٹھ نہیں سکتا یہاں تک کہ اس ظالمانہ صحیفے کو چاک کردوں۔ ابوجہل جو مسجد حرام کے ایک گوشے میں بیٹھا تھا بولا، تم غلط کہتے ہو۔ خدا کی قسم اسے پھاڑا نہیں

جاسکتا۔ اس پر زمعہ بن اسود، ابوالبختری، مطعم بن عدی وغیرہ نے ابوجہل کی زبان پکڑ لی اور یکے بعد دیگرے بول اٹھے ابوجہل! تم غلط کہتے ہو، ہم اس صحیفے کو ماننے کے لیے تیار نہیں، نہ ہم اب راضی ہیں اور نہ اس وقت راضی تھے جب یہ تحریر ہوا تھا۔

انہی دنوں نبی ﷺ نے ابوطالب سے کہا کہ مجھ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی ہے کہ اس عہدنامے کی تمام تحریریں کیڑوں نے کھا لیا ہے لیکن اس میں جہاں جہاں اللہ کا نام ہے وہ بدستور لکھا ہوا ہے۔ لفظ اللہ کے سوا تمام حروف غائب ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر ابوطالب اپنی گھاٹی سے باہر نکلے، خانۂ کعبہ پہنچے اور وہاں پر دیکھا کہ زہیر کے ساتھ ابوجہل کی مذکورہ باتیں ہو رہی ہیں۔ اسی موقع پر ابوطالب نے قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ مجھ کو محمد نے ایسی خبر دی ہے۔ تم عہدنامہ کو دیکھو۔ اگر یہ خبر صحیح ہے اور عہدنامہ کی تحریر سوائے اللہ پاک کے نام کے ختم ہو چکی ہے تو بائیکاٹ کا عہد ختم ہو جانا چاہیے اور اگر یہ خبر غلط ہے تو میں محمد کے درمیان سے ہٹ جاؤں گا اور تمھارا جو جی چاہے کرنا۔ اس پر قریش کے لوگوں نے کہا آپ انصاف کی بات کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ اسی وقت قریش دوڑے ہوئے خانۂ کعبہ میں آئے اور مطعم بن عدی نے جب صحیفہ کو دیکھا تو دیکھتے ہی چلا اٹھا کہ اسے کیڑوں نے چاٹ لیا ہے، صرف باسمک اللھم باقی رہ گیا ہے اور جہاں جہاں اللہ کا نام تھا وہ بچا ہوا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد قریش کا بائیکاٹ ختم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور بقیہ تمام حضرات شعب ابی طالب سے نکل آئے اور مکہ میں آ کر اپنے گھروں میں رہنے سہنے لگے۔

مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کی نبوت کی ایک عظیم نشانی بھی دیکھ لی لیکن ان کا رویہ وہی رہا بلکہ اپنے کفر کی راہ میں چند قدم اور ہی آگے بڑھ گئے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یوں کیا ہے:

وَ اِن یَرَوا آیَۃً یُعرِضُوا وَ یَقُولوا سِحر مُّستَمِرٌ. (سورۃ القمر پارہ 27)

ترجمہ: اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو رخ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا پھرتا جادو ہے۔

قریش کا آخری وفد حضرت ابوطالب کی خدمت میں

شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد ابوطالب کو بیماری نے آگھیرا۔ اس وقت ان کی عمر 80 سال سے بھی زیادہ ہو چلی تھی۔ ادھر رسول اللہ ﷺ حسب معمول دعوت و تبلیغ کا کام انجام دے رہے تھے اور ابو طالب پورے دل و جان سے اپنے پیارے بھتیجے کی حمایت و حفاظت میں لگے ہوئے تھے۔ اس موقع پر مشرکین نے سوچا کہ ابوطالب کا انتقال ہوگیا اور اس کے بعد ہم نے محمد کے ساتھ کوئی زیادتی کی تو بڑی بدنامی ہوگی۔ عرب ہمیں طعنہ دیں گے اور کہیں گے کہ انھوں نے محمد کو چھوڑے رکھا اور ان کے خلاف کچھ کرنے کی ہمت نہ کی لیکن جب ان کا چچا مر گیا تو اس پر چڑھ دوڑے۔ اس لیے ابوطالب کے سامنے ہی محمد سے کوئی معاملہ طے ہو جانا چاہیے۔ لہٰذا قریش کا وفد ابوطالب کی خدمت میں پہنچا جس میں قریش کے معزز ترین افراد عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، ابوسفیان بن حرب وغیرہ کل 25 افراد تھے۔ انھوں نے عرض کیا:

> ''اے ابوطالب! ہمارے درمیان آپ کا جو مرتبہ و مقام ہے وہ محتاج تعارف نہیں۔ ہمیں لگتا ہے کہ آپ کے یہ آخری ایام ہیں اور بیماری نے آپ کی کمر توڑ دی ہے۔ آپ کے بھتیجے سے جو ہمارا معاملہ چل رہا ہے وہ بھی آپ جانتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے سامنے ہمارے معاملے طے ہو جائیں۔ لہٰذا آپ اپنے بھتیجے کو بلائیں اور ان کے بارے میں ہم سے کچھ عہد و پیمان لیں اور ہمارے بارے میں ان سے عہد و پیمان لیں۔ وہ ہم کو ہمارے دین پر چھوڑ دیں اور ہم ان کو ان کے دین پر چھوڑ دیں۔''

قریش کی ان باتوں پر ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلوایا اور آپ ﷺ سے کہا، بھتیجے! یہ تمھاری قوم کے معزز لوگ ہیں اور تمھارے لیے ہی میرے پاس آئے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ یہ تمھیں کچھ عہد و پیمان دیں اور تم انھیں کچھ عہد و پیمان دے

دو۔ اس کے بعد ابوطالب نے آپ ﷺ سے قریش کی پیش کش کا ذکر کیا۔ جواب میں رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، آپ لوگ صرف ایک بات مان لیں جس کی بدولت آپ عرب کے بادشاہ بن جائیں گے اور عجم آپ کے زیر نگیں ہوگا اور آپ کو جزیہ دے گا۔ قریش آپ ﷺ کی اس بات کو سن کر حیرانی میں پڑ گئے کہ صرف ایک بات جو اس قدر مفید ہے اسے کیسے انکار کریں۔ آخر کار ابوجہل نے کہا اچھا بتاؤ وہ بات کیا ہے؟ تمھارے باپ کی قسم! ایسی ایک بات کیا دس باتیں بھی پیش کرو تو ہم ماننے کے لیے تیار ہیں۔ آپ ﷺ نے کہا ''آپ لوگ صرف لا اِلــہ الّا اللہ کہیں اور اللہ کے سوا جو کچھ پوجتے ہیں اسے چھوڑ دیں۔'' اس پر قریش تالیاں پیٹنے لگے اور کہنے لگے کہ محمد! تم چاہتے ہو کہ سارے خداؤں کی جگہ ایک ہی خدا بنا ڈالو، واقعی تمھارا معاملہ بڑا عجیب ہے۔ پھر قریش آپس میں ایک دوسرے سے بولے خدا کی قسم! یہ شخص کوئی بات ماننے کو تیار نہیں۔ لہٰذا چلو اپنے آبا و اجداد کے دین پر ڈٹ جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور اس شخص کے درمیان فیصلہ فرما دے۔

غم کا سال (اعلان نبوت کا دسواں سال)

حضرت محمد ﷺ جب شعب ابی طالب سے نکلے تو ایسا لگتا تھا کہ قریش مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے لیکن انھوں نے ظلم و ستم میں اور تیزی کر دی پھر جلد ہی کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ اس سال کا نام غموں کے سال کے نام سے مسلمانوں میں مشہور ہوا۔ حضرت ابوطالب کا مرض بڑھتا گیا اور جب وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ اپنے چچا کے پاس تشریف لے گئے وہاں پر ابوجہل بھی موجود تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، پیارے چچا! آپ صرف لا اِلہ الاّ اللہ کہہ دیجیے تو میں اللہ سے آپ کی بخشش کے لیے حجت پیش کر سکوں گا۔ ابوجہل کہنے لگا ابوطالب! کیا عبدالمطلب کے دین کو چھوڑ دو گے؟ ابوجہل بار بار یہ بات کہتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری بات جو ابوطالب نے کہا وہ

یہ تھی ''عبدالمطلب کے دین پر'' اور ابوطالب کی روح پرواز کر گئی۔ یہ رجب کا مہینہ اوراعلانِ نبوت کے دسویں سال کا واقعہ ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے کہا ''میں جب تک اللہ کی طرف سے روک نہ دیا جاؤں آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا۔'' اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا اَن يَّستغفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَو كَانُوا اُوْلِي قُربىٰ مِن م بَعدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰب الْجَحِيم o

(سورة التوبة . پارہ 11)

ترجمہ: نبی ﷺ اور اہل ایمان کے لیے درست نہیں کہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ ان پر واضح ہو چکا کہ وہ لوگ جہنمی ہیں۔

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی:

اِنَّکَ لَا تَهدِی مَن احببت o (سورۃ القصص. پارہ 20)

ترجمہ: آپ ﷺ جسے پسند کریں ہدایت نہیں دے سکتے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہ کی وفات سے صرف تین دن پہلے رمضان 10 نبوی میں حضرت ابوطالب کا انتقال ہوا۔

حضرت ابوطالب نے اسلامی دعوت وتبلیغ میں رسول اللہ ﷺ کو ہر طرح سے مدد کی اور آپ ﷺ کی حمایت وحفاظت میں ایک چٹان کی طرح مشرکوں سے آڑے آتے رہے لیکن وہ بذات خود اپنے آبا و اجداد کے ملت پر قائم رہے اس لیے مکمل کامیابی نہ پا سکے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کے پاس آپ کے چچا کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ممکن ہے قیامت کے دن انھیں میری شفاعت فائدہ پہنچا دے اور انھیں جہنم کی ایک کم گہری جگہ میں رکھ دیا جائے کہ آگ صرف ان کے دونوں ٹخنوں تک پہنچ سکے۔''

حضرت ابوطالب کے فوت ہوتے ہی کفارِ مکہ کی ہمتیں بڑھ گئیں اور بنی ہاشم کا رعب و اثر جو مکہ میں قائم تھا باقی نہ رہا۔ اب قریش نے آپ ﷺ کو ستانے کے لیے میدان خالی پا کر آزادانہ مظالم کا سلسلہ شروع کر دیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال

حضرت ابوطالب کی وفات کے دو ماہ بعد یا صرف تین دن بعد رمضان 10 نبوی میں آپ ﷺ کی شریک زندگی اور تمام مصائب و تکالیف میں رفیقۂ حیات کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت خدیجہ کی عمر 65 سال کی تھی اور نبی ﷺ کی عمر شریف پچاس برس کی تھی۔ سب سے پہلے خدیجہ ہی آپ ﷺ پر ایمان لائی تھیں اور اپنی جان و مال سے آپ ﷺ کی خیر خواہی کرتی رہیں۔ وہ ایک چوتھائی صدی آپ ﷺ کی زوجیت میں رہیں، اس دوران کوئی بھی رنج و قلق کا وقت آتا تو آپ ﷺ کے لیے تڑپ اٹھتیں اور مشکل ترین حالات میں آپ ﷺ کی مدد کرتی تھیں۔ مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ''جس وقت لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں، جس وقت لوگوں نے جھٹلایا انھوں نے میری تصدیق کی، جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا انھوں نے مجھے اپنے مال میں شریک کیا اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی۔''

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ ایک دن جبرئیل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ یہ حضرت خدیجہ کھانے کا پیالہ ہاتھ میں لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ جب آپ ﷺ کے پاس آجائیں تو ان کو ان کے پروردگار اور میری طرف سے سلام کہنا اور فرما دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے واسطے جنت میں کھوکھلے موتی کا مکان تیار کیا ہے جس میں شور و غوغا کچھ نہیں ہے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ جتنا رشک مجھ کو رسول گرامی

ﷺ کی بی بی حضرت خدیجہ پر ہوتا ہے اتنا کسی پر نہیں ہوتا۔ گو میں نے ان کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھا لیکن حضور انور ﷺ اکثر ان کا ذکر فرمایا کرتے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ بکری ذبح کرتے اور اس کے پارچہ کر کے حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے یہاں روانہ فرمایا کرتے۔ میں کہا کرتی یا رسول اللہ ﷺ (معلوم ہوتا ہے کہ) حضرت خدیجہ کے علاوہ دنیا میں کوئی عورت ہی نہیں ہے۔ حضور ﷺ فرماتے وہ ایسی تھیں وہ ایسی تھیں۔ میری ان سے اولاد بھی ہوئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر طائف

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے ایسے رفیق و ہمدرد تھے کہ ان کی وفات نے آپ ﷺ کو بہت ہی غمگین بنا دیا اور ساتھ ہی قریش کی ایذا رسانیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ کیونکہ ابوطالب کے بعد ان کی جسارت بڑھ گئی تھی۔ ایک دفعہ آپ ﷺ کہیں جا رہے تھے کہ ایک شریر آدمی نے آپ کے سر پر بہت سا کیچڑ اٹھا کر ڈال دیا۔ آپ ﷺ کے سر، داڑھی اور تمام کپڑے کیچڑ سے بھر گئے۔ آپ ﷺ اسی حالت میں اپنے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کی لخت جگر حضرت فاطمۃ الزہرا پانی لے کر اٹھیں اور آپ کا سر صاف کر رہی تھیں اور زار و قطار رو رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی! روؤ مت خدا تمھارے باپ کی خود حفاظت کرے گا۔ مذکورہ کیفیت نے آپ ﷺ کے غم و الم میں اور اضافہ کر دیا اور آپ ﷺ ان حالات سے مایوس ہو کر مکہ سے ساٹھ میل دور طائف تشریف لے گئے کہ ممکن ہے وہاں کے لوگ آپ ﷺ کی دعوت قبول کر لیں اور آپ ﷺ کو پناہ دیں لیکن انھوں نے نبی ﷺ کو ایسی سخت اذیت پہنچائی کہ خود آپ ﷺ کی قوم نے کبھی ایسی بدسلوکی نہیں کی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے اعلانِ نبوت کے دسویں سال شوال (اواخر مئی یا اوائل جون 619ء) میں اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ پیدل طائف تشریف

لے گئے۔ راستے میں آپ ﷺ کا جس قبیلے سے گزر ہوتا اسے اسلام کی دعوت دیتے لیکن کسی نے بھی قبول نہ کی۔ جب طائف پہنچے تو قبیلۂ ثقیف کے تین سرداروں سے آپ ﷺ ملے جو آپس میں بھائی تھے اور یہ تینوں عمرو بن عمیر ثقفی کے لڑکے تھے۔ ان کے نام عبدیالیل، مسعود اور حبیب تھے۔ نبی محترم ﷺ نے انھیں اللہ کی اطاعت اور اسلام کی مدد کی دعوت دی۔ اس کے جواب میں ایک نے کہا، اگر خدا تجھ کو اپنا رسول بناتا تو یونہی پیدل جوتیاں چٹخا تا پھرتا۔ دوسرے نے کہا، کیا خدا کو کوئی اور آدمی نہ ملا جو تجھ کو اپنا رسول بنایا، تیسرے نے کہا، میں تجھ سے کلام نہیں کرتا کیونکہ اگر تو اپنے قول کے مطابق خدا کا رسول ہے تو تیرے کلام کا رد کرنا خطرے سے خالی نہیں اور اگر تو خدا پر جھوٹ بولتا ہے تو مناسب نہیں کہ ایسے شخص سے کلام کیا جائے۔ یہ جواب سن کر آپ ﷺ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور صرف اتنا فرمایا: تم لوگوں نے میرے ساتھ جو کچھ کیا اسے پردہ ہی میں رکھنا۔

اہل طائف لات کی پرستش کرتے تھے۔ وہاں لات کا مندر تھا اور سارا شہر اسی مندر کا پجاری تھا۔ آپ ﷺ ثقیف کے ان تینوں سرداروں کا جواب سن کر وہاں سے اٹھے اور طائف کے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے میں مصروف ہوئے۔ آپ ﷺ کا طائف میں دس دن تک قیام رہا۔ آپ ﷺ وہاں ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے، ہر ایک سے گفتگو کی اور دین اسلام کی تبلیغ کی۔ لیکن کسی نے بھی دین اسلام قبول نہیں کیا۔ بلکہ سب کا ایک ہی جواب تھا کہ تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ طائف کے تمام سرداروں اور قبیلۂ ثقیف کے بھی ان تینوں سرداروں نے شہر کے لڑکوں، اپنے غلاموں اور بدمعاشوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ اب آپ جہاں جہاں جاتے یہ لڑکے گالیاں دیتے اور ڈھیلے برساتے تھے۔ آپ ﷺ کے وفادار خادم زید بن حارثہ آپ ﷺ کی حفاظت کرنے میں مصروف رہتے۔ آپ ﷺ کو طائف میں ٹھہرنا دشوار ہوگیا۔ چنانچہ جب آپ ﷺ وہاں سے چلے تو یہ اوباش گالیاں دیتے، تالیاں پیٹتے اور شور مچاتے ہوئے آپ ﷺ کے پیچھے لگ گئے اور پتھروں کی برسات

کرنے لگے جس سے آپ ﷺ اور زید بن حارثہ دونوں زخمی ہوگئے۔ ان بدمعاشوں نے شہر کے تین میل دور تک آپ ﷺ کا تعاقب کیا۔ پتھروں کی بارش سے آپ ﷺ کا جسم لہولہان ہوگیا اور اس قدر خون بہا کہ جوتیوں میں خون بھر گیا۔ آپ ﷺ کا قول ہے کہ ''میں طائف سے تین میل تک بھاگا لیکن مجھے ہوش نہیں رہا کہ کدھر جا رہا ہوں۔'' طائف سے تین میل کے فاصلہ پر مکہ کے ایک رئیس عتبہ بن ربیعہ کا ایک باغ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس باغ میں آکر پناہ لی، اب طائف کے اوباشوں کا ہجوم واپس ہوا۔ آپ ﷺ اس باغ کی دیوار سے ٹیک لگا کر انگور کی بیل کے سایہ میں بیٹھ گئے اور کچھ اطمینان ہوا تو رب قدیر سے دعا فرمائی جو ''دعائے مستضعفین'' کے نام سے مشہور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بارالٰہا! میں تجھ سے ہی اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہوگئیں اور جس پر دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوتے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے، یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔''

عتبہ بن ربیعہ اس وقت باغ میں موجود تھا۔ اس نے آپ ﷺ کو دور سے اس حالت میں دیکھا تو عربی شرافت اور مسافر نوازی کے تقاضے سے اپنے غلام عدّاس کے ہاتھ ایک رکابی میں انگور کے خوشے رکھ کر آپ ﷺ کے پاس بھجوائے۔ یہ غلام نینوا کا باشندہ عیسائی تھا۔ آپ ﷺ نے وہ انگور کھائے اور عداس کو اسلام کی تبلیغ فرمائی۔

چونکہ نبی ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر انگور کھانا شروع کیا تھا اس لیے عدّاس نے رسول ﷺ سے پوچھا کہ یہ جملہ تو اس علاقے کے لوگ نہیں بولتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمھارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا میں نینوا کا رہنے والا عیسائی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اچھا تم مرد صالح یونس بن متی کے بستی کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا آپ ﷺ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، وہ میرے بھائی تھے۔ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ سن کر عداس رسول اللہ ﷺ پر جھک پڑا اور آپ ﷺ کے سر اور ہاتھ کا بوسہ دیا۔ عتبہ نے دور سے غلام کی اس حرکت کو دیکھا اور جب عدّاس واپس گیا تو عتبہ نے اس سے کہا کہ اس شخص کی باتوں میں نہ آجانا۔ اس سے تو میرا ہی دین بہتر ہے یہ کیا معاملہ تھا جو میں نے دیکھا۔ اس پر عدّاس نے کہا: میرے آقا! روئے زمین پر اس شخص سے بہتر کوئی اور نہیں ہے۔ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جو نبی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

تھوڑی دیر باغ میں ٹھہر کر آپ ﷺ قرن منازل پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے۔ ان کے ساتھ پہاڑوں کے فرشتے بھی تھے۔ انھوں نے کہا آپ ﷺ کی قوم نے جو بات کہی جیسا سلوک کیا وہ اللہ نے دیکھ سن لیا۔ اب اس نے آپ ﷺ کے سامنے پہاڑوں کے فرشتے بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ ان کے بارے میں جو چاہیں حکم دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے نبی ﷺ کو سلام کرنے کے بعد کہا، اے محمد ﷺ اگر آپ چاہیں تو میں انھیں دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں تو ایسا ہی ہوگا۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا نہیں ہرگز نہیں۔ اگر یہ لوگ اسلام نہ لائے تو ان کی اولاد ضرور ان شاء اللہ خادم اسلام بنے گی اور ان کی آئندہ نسلیں سب مسلمان ہوں گی۔ میں ان کی ہلاکت کو پسند نہیں کرتا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ رب العزت ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائے گی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکے کی راہ پر مزید پیش قدمی فرمائی اور وادی نخلہ پہنچے جہاں پر آپ ﷺ کا

چند دن قیام رہا۔ اسی جگہ بعض جنات کے سرداروں نے آپ ﷺ کو قرآن کریم پڑھتے ہوئے سنا اور آپ ﷺ پر ایمان لائے۔

جنوں کی آمد اور قبول اسلام کا واقعہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدد تھی اور اس واقعے کے تعلق سے جو آیات نازل ہوئیں ان کے بیچ میں نبی ﷺ کی دعوت کی کامیابی کی بشارتیں بھی تھیں اور اس بات کی وضاحت بھی کہ کائنات کی کوئی بھی طاقت آپ ﷺ کی تبلیغ کی کامیابی کو نہیں روک سکتی۔ رب کریم کا ارشاد ہے:

وَمَن لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءُ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○ (سورۃ الأحقاف. پارہ 26)

ترجمہ: جو اللہ کے داعی کی دعوت قبول نہ کرے وہ زمین میں (اللہ کو) بے بس نہیں کرسکتا، اور اللہ کے سوا اس کا کوئی کار ساز بھی نہیں اور ایسے لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔

اللہ کی طرف سے اس نصرت اور ان بشارتوں کی وجہ سے غم و الم کے سارے بادل چھٹ گئے جو طائف کے اندر اور طائف سے نکلتے وقت آپ ﷺ پر چھائے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے عزم مصمم فرما لیا کہ اب مکہ پلٹنا ہے اور نئے سرے سے دعوت اسلام اور تبلیغ رسالت کے کام میں چستی اور گرمجوشی کے ساتھ لگ جانا ہے۔ اسی موقع پر حضرت زید بن حارثہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ مکہ کیسے جائیں گے جب کہ وہاں کے باشندوں نے آپ ﷺ کو نکال دیا ہے؟ جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا "اے زید! تم جو حالت دیکھ رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے کشادگی اور نجات کی کوئی راہ ضرور بنائے گا۔ اللہ یقیناً اپنے دین کی مدد کرے گا اور اپنے نبی کو غالب فرمائے گا۔"

نخلہ سے روانہ ہو کر آپ ﷺ کوہ حرا پر تشریف لائے اور یہاں مقیم ہو کر آپ ﷺ نے بعض سرداران قریش کے پاس پناہ کے لیے پیغام بھیجا مگر کوئی شخص آپ ﷺ کو اپنی ضمانت اور پناہ میں لینے کے لیے تیار نہ ہوا۔ مطعم بن عدی کے پاس جب

آپ ﷺ کا پیغام پہنچا تو وہ بھی اگرچہ مشرک اور کافر تھا مگر عربی شرافت اور قومی حمیت کے جذبہ سے متاثر ہو کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس سیدھا کوہ حرا پہنچ کر آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ میں آیا۔ مطعم کے بیٹے ننگی تلواریں لے کر خانۂ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے خانۂ کعبہ کا طواف کیا، اس کے بعد مطعم اور اس کے بیٹوں نے ننگی تلواروں کے سایہ میں آپ ﷺ کو گھر تک پہنچا دیا۔ قریش نے مطعم سے پوچھا کہ تم کو محمد ﷺ سے کیا واسطہ ہے؟ مطعم نے جواب دیا کہ مجھ کو واسطہ تو کچھ نہیں لیکن میں محمد ﷺ کا حمایتی ہوں اور جب تک وہ میری حمایت میں ہیں کوئی نظر بھر کر ان کو نہیں دیکھ سکتا۔ مطعم کی یہ ہمت اور حمایت دیکھ کر قریش کچھ خاموش سے ہو کر رہ گئے۔

رسول اللہ ﷺ مطعم کے اس حسن سلوک کو کبھی نہ بھلا سکے۔ چنانچہ بدر میں جب کفار مکہ کی ایک بڑی تعداد قید ہو کر آئی اور بعض قیدیوں کی رہائی کے لیے حضرت جبیر بن مطعم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا، پھر مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں گفتگو کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو چھوڑ دیتا۔''

مختلف قبائل اور افراد میں تبلیغ اسلام

اعلانِ نبوت کے دسویں سال ذیقعدہ کے مہینے میں رحمت عالم ﷺ طائف سے مکہ تشریف لائے۔ چونکہ موسم حج قریب تھا اس لیے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے دور و نزدیک ہر جگہ سے حاجیوں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ایک ایک قبیلے کے پاس جا کر اسلام کی دعوت دی۔ جن جن قبیلوں کے پاس آپ ﷺ تشریف لے گئے ان کے نام بنو عامر بن صعصہ، محارب بن خصفہ، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، بنو البکا، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ

وغیرہ ہیں لیکن ان میں سے کسی نے بھی اسلام قبول نہ کیا بلکہ ان میں سے بنو حنیفہ نے جو جواب دیا اس جیسا برا جواب اہل عرب میں سے کسی نے بھی نہ دیا۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے قبائل اور وفود پر اسلام پیش کیا اسی طرح افراد و اشخاص کو بھی اسلام کی دعوت دی جس میں بعض نے اچھا جواب دیا اور پھر اس موسم حج کے کچھ ہی عرصے بعد کئی افراد نے اسلام قبول کیا۔

سُوید بن صامت: اعلانِ نبوت کے گیارھویں سال کے شروع میں مدینہ کے رہنے والے قبیلۂ اوس کے ایک شخص سوید بن صامت مکہ تشریف لائے جو شاعر بھی تھے۔ آپ ﷺ سے ان کی ملاقات ہوئی تو آپ نے ان پر اسلام پیش کیا۔ سوید نے کہا شاید آپ ﷺ کے پاس بھی وہی ہے جو میرے پاس ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تیرے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا کہ حکمت لقمان، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سناؤ! انھوں نے کچھ اشعار سنائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اچھا کلام ہے لیکن میرے پاس قرآن مجید ہے جو اس سے بہتر و افضل ہے اور ہدایت و نور ہے۔ پھر آپ ﷺ نے قرآن پڑھ کر ان کو سنایا تو انھوں نے قرآن سن کر اقرار کیا کہ واقعی یہ ہدایت و نور ہے۔ پھر آپ ﷺ کی دعوت پر حضرت سوید بن صامت نے اسلام قبول کر لیا اور مدینہ پلٹ کر آئے ہی تھے کہ جنگ بعاث چھڑ گئی، وہ اسی اوس و خزرج کی لڑائی میں شہید ہو گئے۔

ایاس بن معاذ: یہ بھی یثرب کے باشندے تھے اور مکہ ایک وفد کے ساتھ اس غرض سے آئے تھے کہ خزرج کے خلاف قریش سے ایک عہد ہو جائے۔ اس وفد کے آنے کی خبر سن کر آپ ﷺ سب سے پہلے ان کے پاس گئے اور جاتے ہی ان سے کہا کہ میرے پاس ایسی چیز ہے جس میں تم سب کی بہتری ہے اگر تم چاہو تو میں پیش کروں۔ انھوں نے کہا کہ بہت اچھا آپ پیش کریں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

میں لوگوں کی ہدایت و رہبری کے لیے اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ شرک سے منع کرتا ہوں اور صرف خدا ہی کی عبادت کا حکم دیتا ہوں۔ مجھ پر خدائے تعالیٰ نے کتاب نازل کی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اسلام کے اصول بتلائے اور

قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ یثرب کے اس وفد میں ایاس بن معاذ بھی تھے، انھوں نے آپ ﷺ کی باتوں کو سن کر کہا ''اے میری قوم! تم جس مقصد کے لیے مدینہ سے آئے ہو بخدا یہ چیز اس سے اچھی ہے۔'' یہ بات سن کر امیر وفد انس بن رافع نے ایاس بن معاذ کو ڈانٹا اور کہا کہ ہم اس کام کے لیے نہیں آئے تھے۔ ایاس خاموش ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ اٹھ کر چلے آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یثرب کا یہ وفد ناکام مکہ سے واپس آگیا اور قریش سے کوئی معاہدہ نہ ہوسکا۔ مدینہ میں جا کر چند روز کے بعد حضرت ایاس بن معاذ کا انتقال ہوگیا۔ انھوں نے مرنے سے پہلے اپنے اسلام اور ایمان کا اظہار فرمایا:

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ: حضرت ابوذر غفاری قبیلۂ بنی غفار سے تعلق رکھتے تھے اور مدینہ کے گرد ونواح میں رہتے تھے۔ مدینہ میں آپ ﷺ کی خبر سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ کے ذریعہ پہنچی اور اڑتی ہوئی ابوذر کے کانوں تک پہنچی تو انھوں نے اپنے بھائی انیس کو جو شاعر بھی تھے تحقیق حال کے لیے مکہ روانہ کیا۔ انیس نے مکہ میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات کی اور مدینہ واپس جا کر حضرت ابوذر سے ذکر کیا کہ میں نے محمد ﷺ کو ایک ایسا شخص پایا جو نیکی کی ترغیب اور بدی سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ حضرت ابوذر کو اس بات سے تسلی نہ ہوئی لہٰذا مدینہ سے پیدل چل کر مکہ پہنچے، زمزم کا پانی پیا اور مسجد حرام میں پڑے رہے کہ حضرت علی کا وہاں سے گزر ہوا۔ وہ کہنے لگے، آدمی! اجنبی معلوم ہوتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں۔ انھوں نے کہا اچھا تو گھر چلو۔ میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ نہ وہ مجھ سے کچھ پوچھ رہے تھے اور نہ میں ان سے کچھ پوچھ رہا تھا اور نہ انھیں کچھ بتا ہی رہا تھا۔ دوسرے دن صبح پھر میں مسجد حرام اس ارادے سے آگیا کہ آپ ﷺ کے متعلق دریافت کروں لیکن ایسا کوئی نہ ملا۔ آخر پھر میرے پاس حضرت علی گزرے اور بولے، اس آدمی کو ابھی اپنا ٹھکانہ معلوم نہ ہوسکا؟ میں نے کہا نہیں۔ انھوں نے کہا اچھا تو میرے ساتھ چلو۔ اس کے بعد انھوں نے کہا اچھا تمھارا معاملہ کیا ہے اور تم کیوں اس شہر میں آئے ہو؟ میں نے کہا آپ راز داری سے کام

لیں تو بتاؤں۔ انھوں نے کہا ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔ میں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں ایک آدمی نمودار ہوا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی بتاتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ وہ بات کر کے آئے مگر اس نے پلٹ کر کوئی تشفی بخش بات نہ بتلائی اس لیے میں نے سوچا کہ خود ہی ملاقات کر لوں۔ حضرت علی نے کہا یعنی تم صحیح جگہ پہنچے۔ دیکھو میرا رخ انہی کی طرف ہے جہاں میں گھسوں وہاں تم بھی گھس جانا اور ہاں! اگر میں کسی ایسے شخص کو دیکھوں جس سے تمھارے لیے خطرہ ہے تو دیوار کی طرف اس طرح جا رہا ہوں گا گویا اپنا جوتا ٹھیک کر رہا ہوں لیکن تم راستہ چلتے رہنا۔

اس کے بعد حضرت علی روانہ ہوئے اور میں بھی ساتھ چل پڑا۔ یہاں تک کہ وہ اندر داخل ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس جا داخل ہوا پھر عرض پرداز ہوا کہ آپ ﷺ مجھ پر اسلام پیش کریں۔ آپ ﷺ نے اسلام پیش فرمایا اور میں وہیں مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے ابوذر! اس معاملے کو پس پردہ رکھو اور اپنے علاقے میں واپس چلے جاؤ۔ جب ہمارے ظہور کی خبر ملے تو آجانا۔ میں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں تو ان کے درمیان ببانگ دہل اعلان کروں گا۔

اس کے بعد میں مسجد حرام آیا۔ قریش موجود تھے۔ میں نے کہا قریش کے لوگو! **اشهد ان لا اِلٰه اِلا الله و اشهد ان محمداً عبده و رسوله** ۔لوگوں نے کہا اٹھو اور اس بے دین کی خبر لو۔ لوگ اٹھ پڑے اور مجھے اس قدر مارا کہ مر جاؤں لیکن حضرت عباس نے مجھے آ کر بچا لیا۔ انھوں نے قریش سے کہا تمھاری بربادی ہو! تم لوگ غفار کے ایک آدمی کو مار رہے ہو حالانکہ تمھاری تجارت گاہ اور گزرگاہ غفار ہی سے ہو کر جاتی ہے، اس پر لوگ مجھے چھوڑ کر ہٹ گئے۔ دوسرے دن بھی میں نے قریش کے سامنے وہی کہا جو کل کہا تھا چنانچہ اس پر قریش نے میرے ساتھ وہی کیا جو کل کیا تھا اور پھر مجھے حضرت عباس ہی نے آ بچایا۔

ضماد ازدی: یہ یمن کے باشندے جھاڑ پھونک اور آسیب اتارنے کا کام کرتے

تھے۔ جب وہ مکہ آئے تو وہاں کے لوگوں نے کہا محمد ﷺ پاگل ہیں۔ اس پر انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ ان سے ملاقات کر لوں۔ ہوسکتا ہے اللہ میرے ہی ہاتھوں ان کو شفا دے دے۔ لہٰذا وہ آپ ﷺ سے ملے اور کہا اے محمد ﷺ! میں جھاڑ پھونک کرتا ہوں اور آسیب اتارنے کا کام کرتا ہوں، محمد کو بھی اس کی ضرورت ہے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

ان الحمد لله نحمده و نستعينه من يهدى الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له، و اشهد ان لا اِله الا الله وحده لا شريک له و اشهد ان محمداً عبده و رسوله، اما بعد!

ترجمہ: یقیناً ساری تعریف اللہ کے لیے ہے۔ ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے اللہ بھٹکا دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

ضماد نے کہا، ذرا اپنے یہ کلمات مجھے پھر سنا دیجیے۔ آپ ﷺ نے تین بار یہ کلمہ دہرایا۔ اس کے بعد ضماد نے کہا کہ میں کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کی بات سن چکا ہوں لیکن میں نے آپ ﷺ جیسے ان کے کلمات نہیں سنے۔ لایئے آپ ﷺ اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ ﷺ سے اسلام پر بیعت کرلوں۔ حضرت ضماد نے بیعت کر لی۔

اعلان نبوت کے دسویں سال شوال کے مہینے میں آپ ﷺ نے سودہ بنت زمعہ سے شادی کی۔ یہ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد پہلی بیوی ہیں جن سے نبی ﷺ نے شادی کی اور چند برس بعد انھوں نے اپنی باری حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیا تھا۔ ان کے پہلے شوہر کا نام شکران تھا، وہ دوسری ہجرت حبشہ کے موقع پر ہجرت بھی کی تھیں لیکن ان کے شوہر حضرت شکران حبشہ ہی میں یا مکہ واپس آکر انتقال کر گئے۔ پھر جب حضرت سودہ کی عدت گزر گئی تو آپ ﷺ نے ان کو شادی کا پیغام دیا اور پھر شادی ہوگئی۔ اعلانِ نبوت کے گیارھویں سال شوال کے مہینہ میں ہی آپ ﷺ نے حضرت عائشہ

سے نکاح کیا اس وقت ان کی عمر چھ برس کی تھی۔ پھر ہجرت کے پہلے سال شوال ہی کے مہینے میں مدینہ کے اندر ان کی رخصتی ہوئی، اس وقت ان کی عمر نو برس کی تھی۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا (شادی سے) قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ ریشم کے ٹکڑے میں کوئی چیز ہے۔ مجھ سے ایک کہنے والا کہتا ہے کہ یہ تمھاری بیوی ہوگی۔ میں نے اس کو کھول کر دیکھا تو اس میں تم ہی تھی۔ میں نے دل میں کہا کہ اگر یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو سچا ہوگا۔

صحیح بخاری شریف میں ہی ایک حدیث حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا، مردوں میں بہت سے لوگ کامل گزرے ہیں لیکن عورتوں میں صرف یہ چند عورتیں ہوئیں: آسیہ زوجہ فرعون، حضرت مریم بنت عمران اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر اس طرح ہے جیسے ثرید (یعنی شوربے میں چوری ہوئی روٹی) کی فضیلت تمام کھانوں پر ہوتی ہے۔

یثرت کی چھ سعید روحیں

اعلانِ نبوت کے گیارھویں سال موسم حج (جولائی 620ء) میں حج کے لیے ملک عرب کے مختلف حصوں سے مکہ کی طرف قافلے آنے شروع ہوگئے اور آپ ﷺ ان باہر سے آنے والے قافلوں کے قیام گاہوں پر جا جا کر اسلام کی تبلیغ فرماتے تھے۔ ابوجہل اور ابولہب آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ لگے پھرتے تھے اور باہر سے آنے والے قافلوں کو آپ ﷺ کی باتوں کو سننے سے روکا کرتے تھے۔ اس لیے نبی رحمت ﷺ حکمت عملی کے تحت رات کی تاریکی میں قبائل کے پاس تشریف لے جاتے تاکہ مکہ کا کوئی مشرک رکاوٹ نہ ڈال سکے۔ اسی حکمت عملی کے پیش نظر ایک رات آپ ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت علی کو اپنے ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں باہر نکلے تو مکہ کے چند میل کے

قافلے پر مقام عقبہ پر چند لوگوں کی باتیں کرنے کی آواز سنی۔ آپ ﷺ ان کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ چھ جوان تھے جو یثرب کے رہنے والے تھے اور سبھی قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے پاس پہنچ کر دریافت کیا کہ آپ لوگ کون ہیں تو انھوں نے کہا کہ ہم قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یعنی یہود کے حلیف؟ بولے ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیوں نہ آپ حضرات بیٹھیں تاکہ کچھ بات چیت کی جائے۔ لہٰذا وہ لوگ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی تبلیغ فرمائی اور انھیں اللہ کی طرف دعوت دی اور قرآن کریم کی تلاوت فرمائی۔ ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: بھئی دیکھو! یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کا حوالہ دے کر یہود ہمیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں، لہٰذا یہود ہم پر سبقت نہ لے جانے پائیں۔ چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کر لی اور مسلمان ہوگئے۔ یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ وہ اپنے حلیف یہودِ یثرب سے سنا کرتے تھے کہ اس زمانے میں ایک نبی آنے والا ہے اور وہ اب جلد ہی نمودار ہوگا۔ ہم اس کی پیروی کر کے تمھیں قتل کر ڈالیں گے۔ ان چھ بزرگوں کے نام حسب ذیل ہیں:

ابوامامہ اسعد بن زرارہ، یہ قبیلۂ بنونجار سے تھے اور آپ ﷺ کے رشتہ دار بھی تھے اور انھوں نے ہی سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ دوسرے عوف بن حارث تھے جو قبیلۂ بنی نجار ہی سے تھے، تیسرے رافع بن مالک بن عجلان، قبیلۂ بنی زریق سے تھے، چوتھے قطبہ بن عامر بن حدیدہ قبیلۂ بنی سلمہ سے تھے، پانچویں عقبہ بن عامر بن نابی قبیلۂ بنی حرام بن کعب سے تھے، اور چھٹے حضرت حارث بن عبداللہ بن رکاب قبیلۂ بنی عبید بن غنم سے تعلق رکھتے تھے۔ نبی ﷺ نے ان بزرگوں میں سے رافع بن مالک کو قرآن مجید جس قدر اب تک نازل ہوا تھا لکھا ہوا عطا فرمایا۔ یہ چھوٹا سا قافلہ مسلمان ہوکر یہاں سے مدینہ لوٹ گیا اور وعدہ کر گیا کہ ہم اپنی قوم میں جا کر دعوت وتبلیغ کا کام شروع کریں گے۔ چنانچہ انھوں نے جاتے ہی اسلام کی تبلیغ شروع کر دی اور مدینہ کے ہر گلی کوچہ میں رسول اللہ ﷺ کا چرچا ہونے لگا۔

واقعۂ اسرا و معراج

نور مجسم رحمت عالم ﷺ کی شریک زندگی حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد اسراء اور معراج کا واقعہ پیش آیا۔ یہ معراج کب واقع ہوئی اس کے متعلق مختلف اقوال ملتے ہیں۔ البتہ سورۂ اسراء کے سیاق سے اندازہ لگتا ہے کہ یہ واقعہ مکی زندگی کے آخری دور کا ہے۔ اس وقت آپ ﷺ کی تبلیغ ابھی کامیابی اور ظلم و ستم کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔

ابن قیم لکھتے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے جسم اطہر کے ساتھ براق پر سوار کر کے حضرت جبرئیل کی معیت میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کرائی گئی۔ آپ ﷺ نے مسجد اقصیٰ میں نزول فرمایا اور تمام انبیا کی امامت کرتے ہوئے نماز پڑھائی۔ براق کو مسجد کے دروازے کے حلقے سے باندھ دیا تھا۔ اس کے بعد اسی رات آپ ﷺ کو مسجد اقصیٰ سے آسمان دنیا کی جانب لے جایا گیا۔

پہلے آسمان پر پہنچے تو حضرت جبرئیل نے آپ ﷺ کے لیے دروازہ کھلوایا، یہاں نبی ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی آپ ﷺ نے انھیں سلام کیا اور انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ ﷺ کو آدم کے دائیں جانب اچھی روحوں کو اور بائیں جانب بری روحوں کو دکھلایا۔ اس کے بعد آپ ﷺ دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے اور جبرئیل نے آپ ﷺ کے لیے دروازہ کھلوایا۔ وہاں پر آپ ﷺ کو حضرت یحیٰ بن زکریا اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ نے انھیں سلام کیا دونوں نے جواب دیا اور مبارک باد دی اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپ ﷺ کو تیسرے آسمان پر لے جایا گیا اور جبرئیل نے آپ ﷺ کے لیے دروازہ کھلوایا وہاں آپ ﷺ کو حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپ ﷺ کو چوتھے آسمان پر لے جایا گیا اور جبرئیل نے آپ ﷺ کے لیے دروازہ کھلوایا، آپ ﷺ کو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات

ہوئی۔ آپ ﷺ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پانچویں آسمان پر تشریف لے گئے، وہاں حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کو دیکھا اور انھیں سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ چھٹے آسمان پر تشریف لے گئے۔ حضرت جبرئیل نے آپ ﷺ کے لیے دروازہ کھلوایا۔ وہاں آپ ﷺ سے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے جہاں آپ ﷺ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے جواب دیا، مبارک باد دی اور آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا۔

اس کے بعد آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا، اب اس مقام پر حضرت جبرئیل ٹھہر گئے اور رسول اللہ ﷺ تنہا آگے بڑھے اور عرش پر رونق افروز ہوئے۔ پھر رب کریم کے دربار میں رب کریم سے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ آپ ﷺ نے رب جل جلالہ سے گفتگو فرمائی۔ اللہ کی ربوبیت اور اپنی بندگی کا اقرار کیا اور اللہ پاک نے آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے عرش بریں پر اللہ سے کتنی باتیں کیں یہ اللہ اور اس کے رسول کو معلوم ہے۔

جب آپ ﷺ بارگاہ خداوندی سے واپس ہوئے تو رب قدیر نے آپ ﷺ کو پچاس وقت کی نماز کی فرضیت کا تحفہ دیا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو موسیٰ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کس چیز کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، پچاس وقت کی نمازوں کا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ ﷺ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ آپ ﷺ اپنے پروردگار کے پاس واپس جایئے اور اپنی امت کے

لیے تخفیف کا سوال کیجیے۔ لہٰذا آپ ﷺ رب قدیر کی بارگاہ میں واپس گئے اور تخفیف کا سوال کیا۔ رب کریم نے پانچ وقت کی کمی کر دی اور آپ ﷺ واپس پلٹے پھر جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انھیں خبر دی۔ انھوں نے کہا آپ ﷺ اپنے رب کے پاس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ پاک کے درمیان آپ ﷺ کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ اللہ پاک نے پانچ وقت کی نمازیں باقی رکھیں، اس کے بعد بھی حضرت موسیٰ نے آپ ﷺ کو واپسی اور تخفیف کا مشورہ دیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اب مجھے اپنے رب سے شرم محسوس ہو رہی ہے۔ میں اس پر راضی ہوں اور سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ رب کریم نے پچاس وقت کی نماز کو مخفف کر کے پانچ وقت کر دیا لیکن ثواب پچاس وقت کے برابر ہی رکھا ہے۔

رب کریم کی طرف سے آپ ﷺ کو اس سفر میں کئی چیزیں دکھلائی گئیں اور اس دفعہ بھی شق صدر (سینہ چاک کیے جانے) کا واقعہ پیش آیا۔ رحمت عالم ﷺ پر دودھ اور شراب پیش کیے گئے تو آپ ﷺ نے دودھ اختیار فرمایا۔ اگر آپ ﷺ نے شراب لیا ہوتا تو آپ ﷺ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ آپ ﷺ نے جنت و جہنم بھی دیکھی اور داروغۂ جہنم کو بھی دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جو یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے کھا جاتے ہیں، ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے اور وہ اپنے منھ میں انگارے ٹھونس رہے تھے جو دوسری جانب ان کے پاخانے کے راستے سے نکل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے زنا کاروں کو دیکھا جن کے سامنے تازہ گوشت تھا اور ساتھ میں سڑا ہوا چھیچھڑا بھی تھا، یہ لوگ تازہ گوشت کو چھوڑ کر سڑا ہوا چھیچھڑا کھا رہے تھے۔ بلکہ مکہ سے بیت المقدس کے سفر میں آتے جاتے ہوئے ایک قافلہ بھی دیکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے تشریف لائے اور صبح ہوئی تو اس کی خبر آپ ﷺ نے اپنی قوم کو دی۔ معلوم رہے کہ آپ ﷺ مشیت خداوندی سے معراج کو گئے اور رب نے نظام کائنات کو اتنے وقت کے لیے روک دیا جتنا وقت

معراج کے سفر میں لگا۔ یہ مشہور ہے کہ معراج میں 27 برس کا وقت لگا تھا پھر بھی جب رسول اللہ ﷺ آسمان دنیا سے سفر کر کے آئے تو آپ ﷺ کا بستر ابھی گرم ہی تھا اور جس پانی سے آپ ﷺ نے وضو بنایا تھا وہ ابھی بہہ رہا تھا۔ اس واقعہ کا نقشہ کسی شاعر نے یوں کھینچا ہے ۔

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم
اک پل میں سرعرش گئے آئے محمد ﷺ

جب مشرکین مکہ نے اسرا و معراج کا واقعہ سنا تو ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا پھر ان کی طرف سے تکذیب اور اذیت میں شدت آ گئی۔ کفار مکہ کی ایک بڑی تعداد اس خبر کو سنتے ہی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈھونڈنے لگی، آخر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلد ہی مل بھی گئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ ہی بتائیں اگر کوئی آدمی اِس، اُس طرح کی بات کرتا ہے تو کیا اس کی بات کو سچ مانا جاسکتا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آخر وہ کون ہے جو اس طرح کی بات کرتا ہے؟ اس پر قریش نے کہا کہ وہ آپ کے نبی محمد ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، اگر یہ بات میرے اللہ کے رسول نے کہی ہے تو یہ حق اور سچ ہے اور اس میں تعجب کی بات کیا ہے؟ میں تو روزانہ سنتا ہوں کہ ان کے پاس آسمان سے فرشتے آتے ہیں اور میں اس کا اقرار کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جواب سنا تو فیضان رسالت جوش میں آیا اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''صدیق'' کے خطاب سے نوازا۔

ادھر قریش نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ بیت المقدس کی کیفیت بیان کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے بیت المقدس کا پردہ ہٹا دیا، اب بیت المقدس آپ ﷺ کی مبارک نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ مشرکین مکہ سوالات پوچھتے گئے اور آپ ﷺ ان کے تمام سوالوں کے جواب دیتے گئے۔ آپ ﷺ نے جاتے اور آتے ہوئے اس قافلے سے ملنے کا بھی ذکر کیا اور یہ بھی بتلایا کہ اس کی آمد کا

وقت کب ہے اور ویسا ہی ثابت ہوا لیکن اس کے باوجود بھی ان ظالموں نے کفر کی ہی راہ لی اور کچھ بھی ماننے سے انکار کر دیا۔

قرآن مجید کو پڑھنے کے بعد یہ نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اسرا میں اسرا کا واقعہ صرف ایک آیت میں ذکر کر کے کلام کا رخ یہود کی سیاہ کاریوں اور جرائم کے بیان کی جانب موڑ دیا ہے اور اس اسلوب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ اشارہ فرما رہا ہے کہ اب یہود کو نوع انسانی کی قیادت سے معزول کیا جانے والا ہے کیونکہ انھوں نے ایسے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا ہے جن سے ملوث ہونے کے بعد انھیں اس منصب پر باقی نہیں رکھا جاسکتا اور اب یہ منصب رسول اللہ ﷺ کو سونپا جائے گا۔ اور بعض آیات میں اللہ کی جانب سے مشرکین کو کھلی وارننگ اور سخت دھمکی بھی دی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ اِذَا اَرَدْنَا اَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا. (سورۂ بنی اسرائیل. پارہ 15)

ترجمہ: جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے اصحاب ثروت کو حکم دیتے ہیں۔ مگر وہ کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ پس اس بستی پر (تباہی کا) قول برحق ہوتا ہے اور ہم اسے کچل کر رکھ دیتے ہیں۔

بیعت عقبۂ اولیٰ

اعلانِ نبوت کے گیارہویں سال حج کے موقعہ پر یثرب کے جن چھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا اور یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کی رسالت کی تبلیغ کریں گے۔ انھوں نے پوری ذمہ داری سے مدینہ پہنچ کر اسلام اور پیغمبر اسلام کی تبلیغ کی اور اعلانِ نبوت کے بارہویں سال جولائی 621ء میں موسم حج میں وہی چھ آدمی سات دوسرے افراد یعنی کل بارہ آدمیوں کے ساتھ منیٰ میں اسی مقام عقبہ کے پاس آپ ﷺ سے بڑے ذوق وشوق سے ملے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

ابو امامہ، عوف بن حارث بن رفاعہ، رافع بن مالک بن العجلان، قطبہ بن عامر بن حدیہ، عقبہ بن عامر، ذکوان بن قیس بن خالد، خالد بن مخلد بن عامر بن زریق، عبادہ بن صامت بن قیس، عباس بن عبادہ بن فضلہ، ابو الہیثم بن التیہان، عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنھم۔ ان میں ابو الہیثم بن التیہان اور عویم بن ساعدہ قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے اور بقیہ دس لوگوں کا تعلق خزرج سے تھا۔

ان بارہ حضرات نے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اس بیعت کی تفصیل صحیح بخاری شریف میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آؤ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کروگے، چوری اور زنا نہ کروگے، اپنی لڑکیوں کو قتل نہیں کروگے، کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگاؤگے اور کسی اچھی بات میں میری نافرمانی نہ کروگے۔

بیعت پوری ہوگئی اور حج ختم ہوگیا تو رخصت ہوتے وقت اس مسلم جماعت نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ ایک مبلغ بھیجا جائے۔ آپ ﷺ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو یثرب میں اپنا پہلا سفیر بنا کر بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو اسلام کی تعلیم دیں اور جو لوگ شرک پر ہیں ان میں اسلام کی تبلیغ کریں۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی مدینہ میں قابل ستائش کامیابی: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے یہاں مقیم ہوئے اور نہایت کوشش و جانفشانی کے ساتھ تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ اللہ کی رحمت سے قبیلے کے قبیلے اسلام میں داخل ہونا شروع ہوگئے۔ مدینہ میں سعد بن معاذ قبیلۂ بنو عبد الاشہل کے سردار تھے اور اس کے علاوہ تمام قبائل کے سردار اعظم بھی تھے، اسید بن حضری بھی بنو عبد الاشہل کے سردار تھے۔ ایک روز اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر بنی عبد الاشہل اور بنی ظفر کے محلے میں

تشریف لے گئے اور بنی ظفر کے ایک باغ کے اندر مرق نامی ایک کنویں پر بیٹھ گئے جہاں دھیرے دھیرے چند مسلمان ان کے پاس جمع ہوگئے۔ جب حضرت سعد بن معاذ کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اسید بن حضری سے کہا کہ چونکہ اسعد بن زرارہ (رضی اللہ عنہ) میرے خالہ کا لڑکا ہے اس لیے تم جاؤ اور ان دونوں کو ڈانٹ دو جو کہ ہمارے قوم کو بیوقوف بنانے آئے ہیں اور ہمارے محلے میں آنے سے منع کردو۔ اس کے بعد اسید اپنا حربہ لیے ان دونوں کے پاس پہنچے اور سخت سست کہنے لگے اور بولے، تم دونوں ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بنانے آئے ہو۔ اگر تمھیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو ہمارے محلے سے نکل جاؤ۔ اس پر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں نہ آپ تشریف رکھیں اور کچھ سنیں۔ اگر کوئی بات پسند آجائے تو قبول کرلیں اور نہ آئے تو چھوڑ دیں۔ اسید نے کہا: انصاف کی بات کہہ رہے ہو اور اپنا حربہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی بات بتائی، قرآن کی تلاوت کی اور ان پر اسلام پیش کیا۔ اس پر اسید بن حضری نے غسل کیا، کپڑے پاک کیے، اسلام قبول کرلیا اور بولے، میرے پاس ایک اور شخص ہے اگر اس نے اسلام قبول کرلیا تو اس کی قوم کا کوئی آدمی پیچھے نہ رہے گا، میں اس کو ابھی تمھارے پاس بھیج رہا ہوں۔ اس کے بعد حضرت اسید بن حضری رضی اللہ عنہ اپنا حربہ اٹھائے سعد بن معاذ کے پاس پہنچے۔ سعد بن معاذ اپنی قوم کے ساتھ محفل میں بیٹھے تھے۔ انھوں نے اسید رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی کہا: میں بخدا کہہ رہا ہوں کہ یہ شخص جو تمھارے پاس چہرہ لے کر آرہا ہے یہ وہ چہرہ نہیں جو لے کر گیا تھا۔ اس کے بعد سعد بن معاذ نے اسید رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے کیا کیا؟ انھوں نے کہا: میں نے ان دونوں سے بات کی، ان کی باتیں اچھی تھیں لیکن انھیں میں نے ادھر آنے سے منع کردیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم وہی کریں گے جو آپ چاہیں گے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بنی حارثہ کے لوگ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے گئے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آپ کا خالہ زاد بھائی ہے۔

یہ سن کر سعد بن معاذ غصے سے بھڑک اٹھے اور اپنا نیزہ لے کر سیدھے دونوں کے پاس پہنچے، دیکھا کہ دونوں اطمینان سے بیٹھے ہیں۔ اسید رضی اللہ عنہ کا یہ منشا تھا کہ سعد بن معاذ بھی ان کی باتیں سنیں۔ لیکن سعد بن معاذ پہنچتے ہی ان دونوں کو سخت سست کہنے لگے اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے بولے: خدا کی قسم! اگر میرے اور تیرے درمیان قرابت نہ ہوتی تو ہم کبھی یہ برداشت نہ کرتے کہ ہمارے محلے میں آ کر تم ایسی حرکتیں کرو جو ہمیں گوارہ نہیں۔ اس کے بعد مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا، کیوں نہ آپ بیٹھیں اور ہماری بات سنیں۔ اگر پسند آئی تو قبول کریں اور اگر پسند نہ آئی تو ہم اپنی بات آپ سے دور ہی رکھیں گے۔ سعد بن معاذ نے کہا: انصاف کی بات کہہ رہے ہو اور اپنا نیزہ گاڑ کر وہیں بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی بات بتائی، قرآن کی تلاوت کی اور ان پر اسلام پیش کیا۔ حضرت سعد بن معاذ نے غسل کر کے پاک کپڑے پہنے اور اسلام قبول کر لیا۔ پھر دو رکعت نماز پڑھی اور اپنا نیزہ اٹھائے اپنی قوم کی محفل میں پہنچے۔ اس وقت لوگوں نے دیکھتے ہی کہا بخدا! سعد جو چہرہ لے کر گئے تھے یہ وہ چہرہ نہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کی محفل میں پہنچ کر کہا تم لوگ اپنے اندر میرا معاملہ کیسا جانتے ہو؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا، آپ ہمارے سردار ہیں اور اچھی سوجھ بوجھ کے مالک ہیں۔ اس پر سعد بن معاذ نے کہا جب تک تم مسلمان نہ ہو جاؤ اس وقت تک میرا تمھارا کوئی تعلق نہیں۔ یہ سنتے ہی تمام بنو عبد الاشہل مسلمان ہو گئے صرف ایک آدمی جس کا نام احیرم تھا وہ جنگ احد تک اسلام قبول نہ کیا، احد کے دن اسلام قبول کیا اور جنگ میں شہید ہو گیا۔ اس نے ایک بھی سجدہ اللہ کے لیے نہ کر پایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس نے عمل تھوڑا کیا اور اجر زیادہ پایا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر مقیم رہ کر تبلیغ اسلام کرتے رہے یہاں تک کہ انصار کا کوئی گھرانہ نہ بچا جس میں چند مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہوئی ہوں۔ یہ اعلانِ نبوت کا تیرہواں سال تھا جب مکہ میں قریش

کے مظالم مسلمانوں کے برداشت سے باہر ہوتے جارہے تھے۔ 13 نبوی میں حج کا موسم آیا تو مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ 72 مرد اور 2 عورتوں کا ایک مسلم قافلہ لے کر مکہ روانہ ہوئے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے اس قافلہ کو اس غرض سے بھی بھیجا تھا کہ قافلہ زیارت رسول ﷺ سے مشرف ہوجائے اور آپ ﷺ کی خدمت میں مدینہ والوں کی طرف سے مدینہ میں تشریف لانے کی درخواست پیش کرے۔

بیعت عقبۂ ثانیہ

اعلانِ نبوت کے تیرہویں سال یعنی جون 622ء ذی الحجہ میں حج کی غرض سے یثرب کے لوگ مکہ چلے جن میں 72 مسلمان بھی تھے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شاندار کامیابی اور مکہ آنے کا علم پہلے ہی سے ہو چکا تھا۔ جب یثرب کا قافلہ مکہ پہنچ گیا تو ان میں مسلمانوں نے در پردہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے وقت اور جگہ کا تعین کیا۔ اس بات پر اتفاق ہوا کہ ایام تشریق کے درمیانی دن یعنی 12 ذی الحجہ کو منیٰ میں جمرۂ اولیٰ (یعنی بڑے شیطان) کے پاس جو گھاٹی ہے اس میں بالکل خفیہ طور پر ملاقات ہوگی۔ طے شدہ پروگرام کے تحت آپ ﷺ اپنے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب کے ساتھ رات کے وقت تشریف لائے حالانکہ وہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے معاملے میں موجود رہیں۔ مسلمانوں نے آپ ﷺ سے جوش و خروش سے ملاقات کی اور آپ ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت پیش کی۔ مدنی مسلمانوں کی اس پیش کش اور خواہش کو دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انھیں مخاطب کر کے ایک تقریر کی۔ انھوں نے فرمایا: مدینہ والو! ہمارے اندر محمد کی جو حیثیت ہے وہ تمھیں معلوم ہے۔ ہماری قوم کے لوگ ہماری ہی جیسی دینی رائے رکھتے ہیں، ان سے ہم نے محمد کو محفوظ رکھا ہے۔ ان کی حفاظت کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اگر تم عظیم الشان اور خون ریز لڑائیوں کے لیے

تیار ہو تو بہتر ہے لیکن اگر تمھارا یہ اندازہ ہے کہ تم انھیں اپنے پاس لے جانے کے بعد ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو پھر ابھی سے انھیں چھوڑ دو۔ کیونکہ محمد اپنی قوم اور اپنے شہر میں بہر حال حفاظت سے ہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ یا حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عباس! ہم نے تمھاری بات سن لی۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے زبان مبارک سے کچھ فرمائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تقریر فرمائی اور قرآن مجید کی آیات پڑھ کر سنائی۔ آپ ﷺ کی تقریر میں آپ ﷺ کو مدینہ لے جانے پر مدینہ والوں پر جو ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں ان کا بیان تھا۔ اس کے بعد بیعت ہوئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ﷺ ہم آپ ﷺ سے کس بات پر بیعت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس بات پر کہ چستی اور سستی ہر حال میں بات سنو گے اور مانو گے۔ تنگی اور خوش حالی ہر حال میں مال خرچ کرو گے۔ بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔ اللہ کی راہ میں اٹھ کھڑے ہو گے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کرو گے۔ جب میں تمھارے پاس آجاؤں گا تو میری مدد کرو گے اور جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری بھی حفاظت کرو گے۔ تمھارے لیے جنت ہے۔

ابو الہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارے اور کچھ لوگوں یعنی یہود کے درمیان عہد و پیمان ہے اور اب ہم اس عہد و پیمان کو توڑنے والے ہیں تو کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ ہم ایسا کر ڈالیں پھر اللہ آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرمائے تو آپ ﷺ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف پلٹ آئیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا، نہیں! بلکہ آپ لوگوں کا خون میرا خون اور آپ لوگوں کی بربادی میری بربادی ہے۔ میں آپ سے ہوں اور آپ مجھ سے ہیں۔ جس سے آپ جنگ کریں گے اس سے میں جنگ کروں گا اور جس سے آپ صلح کریں گے اس سے میں بھی صلح کروں گا۔

بیعت کی شرائط کے متعلق گفت و شنید مکمل ہو چکی اور مسلمانوں نے بیعت کرنا

شروع کردیا۔ سب سے پہلے حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے بیعت کیا۔ یہ بیعت بیعت عقبۂ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ لوگو! آگاہ رہو کہ اس قول و قرار کا یہ مطلب ہے کہ ہم ساری دنیا کے مقابلے کے لیے تیار ہیں۔ سب نے ایک زبان ہوکر کہا کہ ہم خوب جانتے ہیں اور ہم اس کے لیے تیار ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں میں سے بارہ بزرگوں کو منتخب فرمایا اور ان کو تبلیغ اسلام کے متعلق ہدایات دیکر اپنا نقیب مقرر کیا اور ان کا کام اسلام کی تبلیغ کرنا مقرر فرمایا۔ ان نقباء کے نام مندرجہ ذیل ہیں: اسعد بن زرارہ، سعد بن ربیع عمرو، عبد اللہ بن رواحہ بن ثعلبہ، رافع بن مالک، براء بن معرور، عبداللہ بن عمرو بن حرام، عبادہ بن صامت، سعد بن عبادہ، منذر بن عمرو۔ یہ سب کے سب خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ باقی تین نقبا اوس سے تعلق رکھتے تھے جن کے نام ہیں اسید بن حضیر، سعد بن خثیمہ، رفاعہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنھم۔

ان بارہ آدمیوں سے مخاطب ہوکر آپ ﷺ نے فرمایا: جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ذمہ دار تھے اسی طرح میں تم کو تمھاری قوم کی تعلیم کا ذمہ دار بناتا ہوں اور میں تم سب کا ذمہ دار ہوں۔ جس وقت عقبہ کی گھاٹی میں یہ بیعت ہو رہی تھی اس وقت پہاڑ کی چوٹی سے ایک شیطان نے زور سے اہل مکہ کو آواز دی اور کہا کہ دیکھو محمد اور اس کی جماعت کے آدمی تمھارے خلاف مشورے کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اس گھاٹی کا شیطان ہے۔ او اللہ کے دشمن! سن! اب میں تیرے لیے جلد ہی فارغ ہو رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ وہ اپنے ڈیروں میں چلے جائیں۔ شیطان کی آواز سن کر حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ آپ ﷺ چاہیں تو ہم کل اہل منیٰ پر تلواروں کے ساتھ ٹوٹ پڑیں۔ آپ ﷺ نے

فرمایا: ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ لہذا آپ لوگ واپس جا کر سو جائیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف تشریف لے جانے کی تاریخ کا تعین اذن الٰہی پر موقوف رکھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ میں چلے آئے۔ لیکن صبح ہوتے ہی قریش کو اس اجتماع کا حال معلوم ہوا اور وہ اسی وقت مدینہ والوں کے ڈیرے پر گئے اور اجتماع کے متعلق دریافت کیا۔ مدینہ والوں میں جو بت پرست مشرک تھے انھیں خود اس میٹنگ کی خبر نہ تھی، انہی میں عبد اللہ بن ابی بن سلول بھی تھا جو بعد میں منافقوں کا سردار بنا۔ اس نے قریش سے کہا کہ یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے کہ مدینہ والے کوئی اہم معاملہ کریں اور مجھ کو اس کی اطلاع نہ ہو۔ اس پر قریش کا شک ختم ہوگیا اور وہ واپس چلے گئے۔

ادھر مدینہ والوں نے کوچ کی تیاری کرلی اور وہاں سے روانہ ہوگئے۔ لیکن قریش جب مکہ آئے تو انھیں کسی دوسرے معتبر ذرائع سے رات کی مجلس کا حال معلوم ہوا وہ مصلح ہوکر دوبارہ منیٰ آئے۔ لیکن قافلہ روانہ ہو چکا تھا، صرف سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو پیچھے رہ گئے تھے۔ منذر رضی اللہ عنہ قریش کو دیکھ کر چل دیے اور ان کے ہاتھ نہ آئے لیکن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو قریش نے گرفتار کرلیا اور ان کو مارتے ہوئے مکہ میں لائے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب قریش مجھے مکہ میں لاکر زد وکوب کر رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک سرخ وسفید رنگت کا خوبصورت شخص میری طرف آرہا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر کسی شخص سے اس قوم میں مجھے بھلائی کی توقع ہوسکتی ہے تو وہ یہی ہوسکتا ہے۔ مگر جب وہ میرے پاس آیا تو اس نے نہایت زور سے میرے منھ پر طمانچہ مارا۔ اس وقت مجھے یقین ہوا کہ ان میں ایسا کوئی نہیں ہے جس سے مروت کی امید کی جاسکے۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا۔ اس نے کہا کہ قریش کے کسی شخص سے تیری شناسائی نہیں؟ میں نے کہا کہ جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ کو جو کہ عبد مناف کے پوتے ہیں انھیں جانتا ہوں۔ پھر تو انہی دونوں کا نام

لے کر کیوں نہیں پکارتا۔ مجھ کو یہ تدبیر بتا کر وہی شخص ان دونوں کے پاس چلا گیا اور کہا کہ ایک قبیلۂ خزرج کا شخص پٹ رہا ہے اور وہ تمھارا نام لے لے کر دہائی دے رہا ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ اس کا نام کیا ہے اس شخص نے بتایا کہ اس کا نام سعد بن عبادہ ہے وہ بولے ہاں! اسکا ہمارے اوپر احسان ہے۔ ہم تجارت کے لیے اس کے یہاں جاتے اور اس کی حفاظت میں اس کے یہاں ٹھہرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان دونوں نے آکر مجھے چھڑایا اور میں چھوٹتے ہی یثرب کی طرف روانہ ہوگیا۔

رسول اللہ ﷺ کو بیعت عقبۂ ثانیہ سے کافی پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتادیا گیا تھا کہ آپ ﷺ کو ہجرت کرنی پڑے گی بلکہ ایک مرتبہ خواب میں مقام ہجرت کا نظارہ بھی دیکھادیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے دیکھا تھا کہ وہ کھجوروں والی زمین ہے یعنی وہاں کھجوریں بکثرت ہیں۔ یہ خواب دیکھ کر آپ ﷺ کا خیال تھا کہ ہم کو یمامہ کے علاقے میں ہجرت کرنی پڑے گی کیونکہ وہاں بھی کھجوریں بکثرت ہوتی ہیں لیکن بعد میں آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کرنی پڑے گی۔

مدینے کی طرف مسلمانوں کی ہجرت

بیعت عقبۂ ثانیہ کے بعد نور مجسم ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ کے لیے ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمادی۔ ہجرت کے یہ معنی تھے اپنے کنبہ، قبیلہ، بال بچے، گھر دروازہ، مال واسباب، سب کچھ چھوڑ کر صرف اپنی جان لے کر وہ بھی جان خطرے سے خالی نہیں ہجرت کرنا۔ مسلمانوں نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے ہجرت کی شروعات کردی کیونکہ ان کے اندر ایمان باللہ، ایمان بالرسول ﷺ اور ایمان بالکتاب کا جوہر تھا۔

سب سے پہلے مہاجر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ روانہ ہورہے تھے کہ ان کے سسرال والے آکھڑے ہوئے، ان کی بیوی کو چھین لیا اور بولے ''یہ ہماری بیٹی تمھارے ساتھ کہاں کہاں شہر شہر گھومتی رہے گی۔ اس پر

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر والے ٹوٹ پڑے اور ان کے سسرال والوں سے کہا کہ تم نے تو اپنی بیٹی لے لی لیکن اس کا بیٹا ہم کیسے تمھاری بیٹی کے پاس رہنے دے سکتے ہیں۔ پھر دونوں فریق بچے کو کھینچنے لگے جس سے اس کا ہاتھ اکھڑ گیا اور بالآخر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر والے بچے کو اپنے پاس لے گئے اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہ تنہا مدینے کے لیے ہجرت کیے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے ان سے کہا کہ تم جب ہمارے پاس آئے تھے تو فقیر تھے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اپنا مال و دولت لے کر مدینہ چلے جاؤ تو ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ تم نے یہ سب یہیں پر کمایا ہے اور بہت آگے نکل گئے ہو۔ اس پر صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا اگر مال و دولت چھوڑ دوں تو تم ہمیں ہجرت سے نہیں روکو گے؟ کفار مکہ نے کہا کہ نہیں روکیں گے۔ صہیب رضی اللہ عنہ اپنی ساری دولت کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: صہیب نے نفع اٹھایا صہیب نے نفع اٹھایا۔

حضرت عمر بن خطاب، عباس بن ابی ربیعہ اور ہشام بن عاص نے بھی سب کچھ چھوڑ کر مدینہ کے لیے ہجرت کیا۔ حضرت عمر بن خطاب کو جب ہجرت کا ارادہ ہوا تو وہ کعبہ میں آئے، طواف کیا اور کفار مکہ کو مخاطب کر کے کہا کہ میں ہجرت کر کے مدینہ جا رہا ہوں۔ اس کے بعد انھوں نے ہجرت کی۔ اس کے بعد مسلمان پے در پے ہجرت کر کے مدینہ جاتے رہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی تیاری کر لی لیکن آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ابھی رکے رہو کیونکہ توقع ہے کہ مجھے بھی اجازت مل جائے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا۔ کیا آپ ﷺ کو اس کی امید ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کے لیے ابو بکر رضی اللہ عنہ رکے رہے۔ اپنی دو اونٹنیوں کو جو اُن کے (ابو بکر رضی اللہ عنہ) پاس تھیں خوب ببول کا پتہ بطور چارہ چار ماہ تک کھلائی۔

دارالندوہ میں قبائل قریش کا جلسہ

قریش نے جب دیکھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اپنے بال بچے کنبے قبیلے، مال و دولت سب کچھ چھوڑ کر مدینے کو ہجرت کرتے جارہے ہیں تو ان کو اپنے مستقبل کی فکر پڑی۔ ان کے غم والم کے لاوے پھوٹ پڑے اور انھیں ایسا قلق ہوا جو اس سے قبل نہ ہوا تھا۔

انھیں اس بات کا احساس ہوا کہ یمن سے شام تک بحر احمر کے ساحل سے ان کی جو تجارتی شاہراہ گزرتی ہے اس شاہراہ کے اعتبار سے مدینہ ایک نازک مقام پر واقع ہے اور اہل مکہ کو صرف شام سے سالانہ ڈھائی لاکھ دینار سونے کے تناسب سے تجارت ہوتی تھی۔ یثرب میں اسلامی دعوت کی جڑ پکڑنے اور اہل مکہ کے خلاف اہل یثرب کے صف آرا ہونے کی صورت میں جو انجام ہوتا اس کا بخوبی اندازہ کفار مکہ کو تھا۔ کفار قریش کو یہ بھی معلوم تھا کہ محمد ﷺ کے اندر قیادت و رہنمائی کا کمال حاصل ہے اور اوس وخزرج کے جنگ کا خاتمہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ دونوں قبیلے مسلمان ہوتے جارہے ہیں۔ چونکہ مکہ سے محمد ﷺ کی جماعت کے تقریبا سب لوگ مدینہ جاچکے تھے اور آپ ﷺ تنہا رہ گئے تھے۔ لہٰذا ان کے لیے آپ ﷺ کے خلاف کوئی فیصلہ لینا آسان ہوگیا تھا۔ کیونکہ اگر محمد ﷺ بھی مکہ سے نکل کر مدینے میں پہنچ گئے تو پھر اس نئے مذہب کے خطرہ کا مقابلہ کرنا بہت دشوار کام ہوگا۔ یہ خیالات کفار مکہ کے دماغ میں پیدا ہوتے تھے۔

مشرکین مکہ نے اس مقصد کے لیے بیعت عقبۂ ثانیہ کے تقریبا ڈھائی مہینہ بعد 26 صفر 14 نبوی مطابق 12 ستمبر 622ء یوم جمعرات کو دن کے پہلے پہر مکے کی پارلیمنٹ دارالندوہ میں تاریخ کی سب سے خطرناک میٹنگ کی جس میں بنو ہاشم کو چھوڑ کر تمام قبائل قریش کے بڑے بڑے سردار اسی مسئلہ پر غور وخوض کے لیے جمع ہوئے۔

اس خطرناک اجتماع میں قبائل قریش کے نمایاں چہرے مندرجہ ذیل تھے

نام	قبیلہ
ابوجہل بن ہشام	قبیلۂ بنی مخزوم سے
جبیر بن مطعم، طعیمہ بن عدی اور حارث بن عامر	بنی نوفل بن عبد مناف سے
شیبہ بن ربیعہ عتبہ بن ربیعہ اور ابوسفیان بن حرب	بنی عبد شمس بن عبد مناف سے
نضر بن حارث	بنی عبد الدار سے
ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود اور حکیم بن حزام	بنی اسد بن عبد العزیٰ سے
نبیہ بن حجاج اور منبہ بن حجاج	بنی سہم سے
امیہ بن خلف	بنی جمح سے

مقررہ وقت پر یہ حضرات جب دارالندوہ پہنچے تو ابلیس بھی ایک شیخ کی صورت میں دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ لوگوں نے پوچھا یہ کون سے شیخ ہیں؟ ابلیس نے کہا کہ یہ اہل نجد کا ایک شیخ ہے۔ آپ لوگوں کا پروگرام سن کر حاضر ہوگیا ہے۔ باتیں سننا چاہتا ہے۔ لوگوں نے کہا: بہتر ہے آپ بھی آجایئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی قرارداد منظور

تمام قبیلے کے سردار جب دارالندوہ میں پہنچ گئے اور شیطان بھی شیخ کی شکل میں اجتماع میں شریک ہوگیا تو تجاویز پیش کیے جانے لگے اور بحث جاری ہوئی۔ سب سے پہلے ابوالاسود نے یہ رائے پیش کی کہ محمد کو اپنے شہر سے نکال دیں مگر شیخ نجد نے کہا کہ نہیں! یہ مناسب رائے نہیں کیونکہ تم دیکھتے نہیں کہ اس شخص کی بات کتنی عمدہ ہے، وہ جہاں کہیں بھی جائے گا اپنا پیروکار بنالے گا پھر تم پر دھاوا بول دے گا۔

ابوالبختری نے کہا اسے لوہے کی زنجیروں سے جکڑ کر باہر سے دروازہ بند کردو۔ شیخ نجد نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ مناسب رائے نہیں ہے کیوں کہ اس کی خبر اس کے ساتھیوں کو ہوسکتی ہے اور وہ تم پر دھاوا بول سکتے ہیں، اسے چھڑا کر اپنے پاس لے جاسکتے ہیں پھر اپنی تعداد بڑھا کر تمھیں مغلوب کر سکتے ہیں۔ اس لیے کوئی دوسری تجویز پیش کرو۔

ان دونوں تجاویز کے رد ہونے کے بعد ابوجہل نے یہ مشورہ دیا کہ ہماری رائے ہے کہ ہر قبیلے سے ایک ایک جوان لیا جائے جس کے ہاتھ میں ایک ایک تیز دھار دار تلوار ہو اور سب مل کر محمد کو قتل کردیں (نعوذ باللہ) اس طرح ہمیں محمد سے راحت مل جائے گی اور اس کا خون سارے قبائل میں بکھر جائے گا اور بنوعبد مناف سارے قبیلوں سے جنگ نہ کرسکیں گے اور دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم دیت ادا کردیں گے۔ اس پر نجد کے شیخ نے کہا "بات یہ رہی جو اس جوان نے کہی۔ اگر کوئی تجویز اور رائے ہوسکتی ہے تو یہی ہے، باقی سب ہیچ ہیں۔" اس کے بعد پارلیمان مکہ نے اس مجرمانہ قرار داد کو منظور کر لیا اور تمام ممبران اس عزم کے ساتھ دارالندوہ سے اٹھے کہ اس قرار داد پر عمل فی الفور ہو۔

ہجرت رسول اللہ ﷺ

جب دارالندوہ میں کفار مکہ نے رحمت عالم ﷺ کی قتل کی مجرمانہ قرار داد منظور کر لی تو حضرت جبریل علیہ السلام اللہ پاک کی وحی لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو قریش کی سازش سے آگاہ کرتے ہوئے بتلایا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو ہجرت کی اجازت دے دی ہے بلکہ ہجرت کے وقت کا تعین بھی فرمایا اور یہ بھی کہا کہ آج کی رات آپ ﷺ اپنے اس بستر پر نہ گذاریں جس پر اب تک گذارا کرتے تھے۔ اس اطلاع کے بعد آپ ﷺ سیدھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے۔

دوپہر کا وقت تھا جب کہ اس وقت آپ ﷺ تشریف نہیں لایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ٹھیک دوپہر کے وقت ہم لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مکان میں بیٹھے تھے کہ کسی کہنے والے نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا، رسول اللہ ﷺ سر ڈھانکے تشریف لا رہے ہیں۔ یہ ایسا وقت تھا جس میں آپ ﷺ تشریف نہیں لایا کرتے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ! آپ ﷺ کسی اہم معاملے کی وجہ سے اس وقت تشریف لائے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے پھر ابو بکر سے فرمایا" تمہارے پاس جو لوگ ہیں انھیں ہٹادو۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا بس آپ ﷺ کی اہل خانہ ہی ہیں۔ آپ ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ! اے اللہ کے رسول ﷺ ! آپ ﷺ نے فرمایا "اچھا تو مجھے روانگی کی اجازت مل چکی ہے۔" ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا، ساتھ ... اے اللہ کے رسول ﷺ میرے باپ آپ ﷺ پر فدا!۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔

اس کے بعد ہجرت کا پروگرام طے کر کے رسول اللہ ﷺ واپس اپنے گھر چلے گئے اور رات کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

رحمت عالم ﷺ کے گھر کا گھراؤ

کفار قریش دار الندوہ کی پہلے پہر کے طے کردہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پورے دن مصروف رہے اور گیارہ سرداروں کو اس ناپاک مقصد کو انجام دینے کے لیے منتخب کیا۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:

1۔ ابو جہل بن ہشام، 2۔ حکم بن عاص، 3۔ عقبہ بن ابی معیط، 4۔ نضر بن حارث، 5۔ امیہ بن خلف، 6۔ زمعہ بن الاسود، 7۔ طعیمہ بن عدی، 8۔ ابولہب 9۔ ابی بن خلف، 10۔ نبیہ بن الحجاج اور 11۔ اس کا بھائی منبہ بن الحجاج

اِن افراد نے جب رات ذرا تاریک ہوگئی تب اپنے اپنے ہتھیار کے ساتھ نبی

رحمت ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تا کہ آپ ﷺ جب نماز پڑھنے کے لیے گھر سے نکلیں تو یہ سب ٹوٹ پڑیں۔ لیکن اللہ ہر کام پر غالب ہے اور اسی کے ہاتھ میں آسمان و زمین کی بادشاہت ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ جسے بچانا چاہے تو کوئی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا اور جسے وہ پکڑنا چاہے تو اسے کوئی بچا نہیں سکتا۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وحی الٰہی کے موافق علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا دیا اور اپنی چادر ان پر ڈال دی۔ جو امانتیں اہل مکہ کی آپ ﷺ کے پاس تھیں وہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے یہ سمجھا دیا کہ صبح اٹھ کر یہ امانتیں ان کے مالکوں کے پاس پہنچا دینا، اس کے بعد تم بھی مدینہ چلے آنا۔ یہ سب کام کر کے رات کی تاریکی میں آپ ﷺ گھر سے باہر نکلے اور ایک مٹھی سنگریز مٹی لے کر کفار قریش کی طرف پھینک دیا۔ اللہ نے ان کی نگاہیں پکڑ لیں پھر وہ آپ ﷺ کو نہیں دیکھ سکے۔ اس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ آیت تھی:

وجعلنا من بین ایدیھم سداً و من خلفھم سداً فاغشینھم فھم لا یبصرون. (سورۂ یٰسین. پارہ 22)

ترجمہ: ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی۔ پس ہم نے انھیں ڈھانک لیا ہے تو وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔

اس موقع پر اللہ پاک نے وہ قدرت دِکھائی جسے ذیل کی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے:

و اذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون و یمکر اللہ. واللہ خیر المٰکرین.

(سورۃ الانفال. پارہ 9)

ترجمہ: وہ موقع یاد کرو جب کفار تمھارے خلاف سازش کر رہے تھے تا کہ تمھیں قید کر دیں یا قتل کر دیں یا نکال باہر کریں اور وہ لوگ داؤ چل رہے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر والا ہے۔

آنحضرت ﷺ اپنے مکان سے نکل کر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لائے جہاں پر ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے منتظر تھے۔ اسی وقت دونوں روانہ ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے خانۂ کعبہ میں آکر طواف کیا پھر باب کعبہ کو پکڑ کر رونے لگے اور کہا "اے مکہ! تو مجھے ساری دنیا سے عزیز ہے لیکن کیا کروں تیرے بندے رہنے نہیں دیتے۔" چونکہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ کفار قریش پوری جانفشانی کے ساتھ آپ ﷺ کی تلاش میں لگ جائیں گے اور مدینہ جانے والے راستے کا ہی رخ کریں گے جو شمال کا ہے اس لیے آپ ﷺ نے وہ راستہ اختیار فرمایا جو اس کے بالکل الٹ یمن کو جانے والا تھا۔ آپ ﷺ تقریباً پانچ میل پیدل چل کر اس پہاڑ کے دامن میں پہنچے جو ثور کے نام سے مشہور ہے۔ آپ ﷺ قدم کے نشان چھپانے کے لیے ایڑی کے بل چل رہے تھے۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اپنے کندھے پر بیٹھا لیا کہ کفار قدم مبارک کے نشان نہ پہچان سکیں۔ پھر دوڑتے ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ قدم کے نشانات مٹاتے ہوئے پہاڑ کی ایک چوٹی پر ایک غار کے پاس پہنچے جو 'غار ثور' کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔

ادھر مکہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ ﷺ کے بستر پر سو رہے تھے اور کفار مکہ رات بھر مکان کا محاصرہ کیے کھڑے رہے۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بستر پر سوتا دیکھ کر آپ ﷺ کا گمان کرتے اور آپ ﷺ کے اٹھ کر باہر تشریف لانے کا انتظار کرتے رہے۔ جب نماز صبح کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے تو کفار نے پوچھا کہ محمد ﷺ کہاں ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھ کو کیا خبر! خبر تو تم لوگوں کو ہونی چاہیے کہ پہرے پر تھے، میں تو رات بھر سوتا رہا ہوں۔ کفار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا پھر ان کو مارا، اور اس کے تھوڑی دیر بعد چھوڑ دیا۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام امانتیں ان کے مالکوں کو پہنچا دیں۔

اس جگہ پر قابل غور بات یہ ہے کہ ایک طرف تو کفار آپ ﷺ کی جان کے پیاسے تھے تو دوسری طرف ان کو آپ ﷺ پر اعتماد اس قدر تھا کہ اپنی قیمتی چیزیں،

زیورات، سونے، چاندی سب آپ ﷺ کے پاس امانت رکھ جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرتے وقت بھی امانت داری کا خیال کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف اس لیے مکہ میں چھوڑ دیا کہ کل صبح امانتیں ان کے مالکوں کو دے کر مدینہ چلے آئیں۔

کفار قریش کو جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کچھ نہ معلوم ہوا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور دروازے پر آواز دی۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا باہر نکلیں۔ ان سے پوچھا تمھارے ابا کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا بخدا مجھے معلوم نہیں کہ میرے ابا کہاں ہیں۔ اس پر خبیث ابو جہل نے ان کے رخسار مبارک پر اس زور کا طمانچہ مارا کہ ان کے کان کی بالی گر گئی۔

آفتاب و ماہتاب غار ثور میں

27 صفر 14 نبوی بمطابق 12-13 ستمبر 622ء کو درمیانی رات میں آپ ﷺ اپنے مکان سے نکل کر اپنے سب سے قابل اعتماد ساتھی حضرت ابو بکر کے گھر تشریف لائے پھر وہاں سے ان کے ہمراہ نکل پڑے۔ جب دونوں حضرات غار ثور کے پاس پہنچے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا ''خدا کے لیے ابھی آپ ﷺ اس میں داخل نہ ہوں۔ پہلے میں داخل ہو کر دیکھتا ہوں اگر اس میں کوئی چیز ہوئی تو آپ ﷺ کے بجائے مجھ سے سابقہ آئے گا۔'' اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ غار ثور کے اندر داخل ہوئے اور اس کو صاف کیا۔ جو بھی سوراخ تھے اپنا تہہ بند پھاڑ کر بند کیا۔ صرف ایک سوراخ باقی رہ گیا جہاں پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاؤں رکھ دیے۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ تشریف لائیں۔ آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آغوش میں سر رکھ کر سو گئے۔

ادھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں سانپ نے ڈس لیا لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ ہلے تک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نیند ٹوٹ نہ جائے۔ لیکن درد کی شدت سے ابو بکر

رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور رسول اللہ ﷺ کے رخ انور پر پڑے جس سے رسول اللہ ﷺ کی نیند ٹوٹ گئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) کیا بات ہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔ آپ ﷺ نے ڈسے ہوئے جگہ پر اپنا لعاب مبارک لگادیا جس سے درد جاتا رہا۔ یہاں دونوں حضرات نے تین راتیں یعنی جمعہ، سنیچر اور اتوار کی راتیں گزاریں۔ یہاں پر عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی رات گزارا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ وہ گہری سوجھ بوجھ کے مالک تھے۔ سحر کی تاریکی میں ان دونوں کے پاس چلے جاتے اور مکہ میں قریش کے ساتھ یوں صبح کرتے گویا انھوں نے یہیں رات گزاری ہے۔ پھر آپ ﷺ دونوں کے خلاف جو کوئی سازش کی بات سنتے اسے اچھی طرح یاد کر لیتے پھر جب تاریکی گہری ہوجاتی تو اس خبر کو لے کر غار میں پہنچ جاتے۔ ادھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ بکریاں چراتے رہتے اور جب رات کا ایک حصہ گزر جاتا تو بکریاں لے کر ان کے پاس پہنچ جاتے۔ اس طرح دونوں حضرات آسودہ ہو کر دودھ پی لیتے۔ پھر صبح ہوتے ہی عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بکریاں ہانک کر چل دیتے۔ تینوں رات انھوں نے ایسا ہی کیا بلکہ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد ان کے نشانات قدم پر بکریاں ہانکتے تھے تاکہ قدم کے نشانات مٹ جائیں۔

ادھر کفار قریش نے ایک ہنگامی اجلاس کر کے یہ طے کیا کہ ان دونوں کو گرفتار کرنے کے لیے تمام ممکنہ وسائل کام میں لائے جائیں۔ اس غرض سے مکہ کے تمام شاہراہ پر چاہے وہ جس سمت بھی جاتا ہو سخت پہرہ بٹھادیا گیا اور یہ اعلان کردیا گیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ یا دونوں میں سے کسی ایک کو زندہ یا مردہ حاضر کرے گا اسے ایک سو اونٹ کا انعام دیا جائے گا۔ اس اعلان کی وجہ سے سوار اور ماہر نشاناتِ قدم ان کی تلاش میں لگ گئے اور تلاش کرتے کرتے اس غار تک بھی پہنچے جہاں پر رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ چھپے ہوئے تھے۔ یہ

دونوں غار سے کفار قریش کو دیکھ رہے تھے۔ یہی وہ موقعہ تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ! اگر یہ کفار اپنے قدموں کے نیچے دیکھیں تو ہمیں دیکھ لیں گے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا" ابو بکر ہم دو ہیں، تیسرا خدا بھی ہے"۔

کفار قریش جو بالکل غار کے منہ پر پہنچ گئے تھے ان میں سے ایک نے کہا: یہاں سے محمد کا پتہ نہیں چلتا یا تو وہ کہیں اسی جگہ چھپا ہے یا آسمان میں اڑ گیا۔ دوسرا بولا بھلا اس قدیم غار میں انسان داخل ہوسکتا ہے جس میں داخل ہونا خطرے سے خالی نہیں۔ ہم تو مدت سے غار کو اسی طرح دیکھتے ہیں۔ تیسرے نے کہا دیکھو اس کے منہ پر مکڑی کا جالا بنا ہوا ہے اگر کوئی شخص اس کے اندر داخل ہوتا تو یہ جالا سلامت رہ سکتا تھا۔ چوتھے نے کہا وہ دیکھ! کبوتر اڑا ہے اور انڈے نظر آرہے ہیں جن کو بیٹھا ہے رہا تھا۔ اس کے بعد سب کو اطمینان ہوگیا اور وہ واپس چلے گئے۔

غار ثور سے مدینہ کی راہ میں: تین دن کے مسلسل بے نتیجہ دوڑ دھوپ کے بعد کفار قریش کے جوش سرد پڑ گئے تو نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے لیے نکلنے کا عزم فرمایا۔ اس کے لیے عبد اللہ بن اریقط لیثی جو صحرائی راستوں کا ماہر تھا اس سے پہلے ہی سے اجرت پر مدینہ پہنچانے کا معاملہ طے ہو چکا تھا۔ حالانکہ یہ شخص ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا لیکن اعتماد کے قابل آدمی تھا۔ چنانچہ طے شدہ پروگرام کے تحت غار ثور میں تین راتیں گزارنے کے بعد عبد اللہ بن اریقط دو زائد سواریاں لے کر دوشنبہ کی رات ربیع الاول 1ھ بمطابق 16 ستمبر 622ء کو غار ثور پر پہنچا۔ پھر ایک سواری آپ ﷺ کو اور ایک ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پیش کی۔ معلوم رہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سواریوں کو پہلے سے ہی تیار کر رکھا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سواری کی قیمت دیکر حاصل کی تھی۔ چنانچہ دونوں اپنے اپنے سواری پر سوار ہوئے۔ ادھر اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا زاد سفر لے کر آئیں مگر اس میں لٹکانے والا بندھن لگانا بھول گئیں، اس لیے جب روانگی کا وقت آیا اور حضرت

اسماء رضی اللہ عنھا نے توشہ لٹکانا چاہا تو دیکھا کہ اس میں بندھن ہی نہیں ہے۔لہٰذا انھوں نے اپنا پٹکا (کمر بند) کھولا اور دوحصوں میں چاک کر کے ایک میں توشہ لٹکا دیا اور دوسرے کو کمر میں باندھ لیا۔ اسی وجہ سے ان کا لقب ''ذات النطاقین'' پڑ گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وہاں سے کوچ کیا۔ جس اونٹنی پر رسول اللہ ﷺ بیٹھے اس کا نام قصوا تھا۔ اس سفر کا رہنما عبد اللہ بن اریقط غار سے روانہ ہوکر سب سے پہلے یمن کا رخ کر لیا اور جنوب کی طرف کافی دور جا کر پچھم کی طرف مڑا اور ساحل سمندر کا رخ کیا۔ پھر ایک ایسے راستے پر پہنچ کر جسے عام لوگ نہیں جانتے تھے شمال کی طرف مڑ گیا۔

یہ مختصر سا قافلہ جس میں رسول اللہ ﷺ اپنی قصوا اونٹنی پر سوار تھے، ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی پر اور ساتھ میں ان کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن اریقط اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر رات کو نکلے، اگلے دن یکم ربیع الاول 14 نبوی کے سہ پہر تک سرگرم سفر رہا، یہ قافلہ سہ پہر کے قریب ام معبد کے خیمہ پر پہنچا۔ یہ بوڑھی عورت قوم خزاعہ سے تھی اور مسافروں کو پانی پلاتی تھی۔ یہاں پر آپ ﷺ نے بکری کا دودھ پیا اور تھوڑی دیر آرام فرما کر روانگی کا حکم دیا لیکن کچھ دور ہی چلے ہونگے کہ سراقہ بن مالک آپ ﷺ کا تعاقب کرتا ہوا آپہنچا۔ کیونکہ اس کو انعام حاصل کرنے کی لالچ تھی۔ جب سراقہ اتنا قریب پہنچ گیا کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی نظر آنے لگے تو اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھایا جس سے اس کا پاؤں زمین میں دھنس گیا اور سراقہ زمین پر گر پڑا۔ لیکن پھر اٹھا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر اس نے آپ ﷺ کا تعاقب کیا۔ جب آپ ﷺ کی سواری کے بالکل قریب پہنچا تو اس کے گھوڑے کا پاؤں پیٹ تک پھر زمین میں دھنس گیا اور سراقہ بھی زمین پر گر پڑا۔ سراقہ یہ حالت دیکھ کر خوفزدہ ہوا، آخر کار اپنی سواری کو روک دیا اور آپ ﷺ سے کہا کہ میں آپ ﷺ کو گرفتار کرنے آیا تھا لیکن اب واپس جاتا ہوں۔ مجھے معاف کر دیجیے اور مجھے ایک امان نامہ لکھ دیجیے۔ میں واپسی میں ان لوگوں کو جو میرے پیچھے اسی غرض سے آرہے ہوں گے انھیں واپس لے

جاؤں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے حکم سے ابو بکر رضی اللہ عنہ یا ان کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے ایک تحریر لکھ کر اس کی طرف ڈال دی اور وہ تحریر لے کر مکہ واپس ہوگیا۔ واپسی پر راستہ میں جو کوئی بھی اسے رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کرنے والا ملا سب کو واپس لے گیا کہ ادھر کہیں کچھ پتہ نہیں ہے۔ سراقہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا پھر اس نے اسی تحریر کو فتح مکہ کے دن اپنے لیے دستاویز امان بنایا۔

آٹھ روز کے سفر کے بعد آپ ﷺ 8 ربیع الاول 14 نبوی کو دوپہر کے وقت قبا کے قریب پہنچے۔ قبا مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے تاہم اس وقت وہ مدینہ کا ایک محلہ ہی سمجھا جاتا تھا۔

ادھر مکہ سے روانگی کی خبر مدینہ والوں کو ہوگئی تھی۔ اس لیے مدینہ کے مسلمان صبح ہی مرہ کی طرف نکل جاتے اور آپ ﷺ کی راہ تکتے رہتے تھے یہاں تک کہ جب تیز دھوپ دوپہر کی ہوجاتی تو واپس تشریف لاتے تھے۔ ایک دن انتظار کرتے کرتے جب مدینہ والے اپنے گھروں کو پلٹے کہ ایک یہودی ایک ٹیلے پر کچھ دیکھنے کے لیے چڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے رفقا کے ساتھ سفید کپڑے پہنے ہوئے جس سے چاندنی چھٹک رہی تھی تشریف لا رہے ہیں۔ اس نے نہایت زور سے آواز دی۔ عرب کے لوگو! یہ تمھارا نصیب جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔ آواز سنتے ہی لوگ اپنے گھروں سے نکل پڑے اور تمام قبا میں جوش مسرت کا ایک شور مچ گیا۔ انصار نے دیکھا کہ آپ ﷺ کھجوروں کے ایک باغ کی طرف سے آرہے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے پہچاننے میں شبہ نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کون ہیں! فوراً آپ ﷺ کے پیچھے آکر اپنی چادر سے آپ ﷺ کے اوپر سایہ کیا جس سے آقا اور خادم میں تمیز بآسانی ہونے لگی۔ اس وقت آپ ﷺ پر سکینت چھائی ہوئی تھی اور اللہ کی طرف سے یہ وحی نازل ہو رہی تھی:

فان اللہ ھو مولٰہ و جبریل و صالح المومنین والملٰئکۃ بعد ذالک ظھیر. (سورۃ التحریم. پارہ 28)

ترجمہ: اللہ آپ کا مولا ہے اور جبریل علیہ السلام اور صالح مومن بھی اور اس کے بعد فرشتے آپ ﷺ کے مددگار ہیں۔

آپ ﷺ کے استقبال اور دیدار کے لیے سارا مدینہ امنڈ پڑا تھا اور یہ ایسا تاریخی دن تھا جس کی نظیر سرزمین مدینہ نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں جوش مسرت میں مبارک بادی کے اشعار پڑھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے قبا میں کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مکان میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حبیب بن اساف رضی اللہ عنہ کے مکان میں فروکش ہوئے۔ آج یہود نے بھی حبقوق نبی کی بشارت کا مطلب دیکھ لیا کہ ''اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاراں سے آیا۔'' (ماخوذ کتاب بائبل، صحیفۂ حبقوق)

رحمت عالم ﷺ قبا میں سعد بن خیثم رضی اللہ عنہ کے مکان میں مجلس فرماتے اور وہیں پر لوگ آپ ﷺ کی زیارت کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے قبا میں دس دن، یا چودہ دن یا چوبیس دن قیام فرمایا اور اسی دوران ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو اسلام میں بنائی گئی جو ''مسجد قبا'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس مسجد میں دو رکعت نفل پڑھنے کا ثواب ایک عمرہ کے برابر صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اسی دوران یعنی آپ ﷺ کے قبا میں قیام کے دوران ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ مکہ سے ہجرت کر کے پیدل قبا پہنچے۔

مدینہ میں داخلہ

جمعہ کے دن نبی رحمت ﷺ حکم الٰہی کے مطابق مدینہ روانہ ہونے کے لیے اپنے سواری پر سوار ہوئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ردیف تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے ماموں کے قبیلے بنو النجار میں پہلے ہی سے خبر کردی تھی، چنانچہ وہ تلواریں حمائل کیے حاضر تھے اور آپ ﷺ نے ان کی معیت میں مدینہ کا رخ کیا۔ جب بنو سالم بن عوف

کی آبادی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت آ گیا۔ آپ ﷺ نے وہیں ایک میدان میں اپنے سو آدمیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا فرمائی۔ یہ مدینہ میں آپ ﷺ کا پہلا جمعہ اور پہلا خطبہ تھا۔ اس جگہ پر آج ایک شاندار مسجد ہے جسے ''مسجد جمعہ'' کہا جاتا ہے۔

جمعہ کی نماز کے بعد آپ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے اور اسی دن سے اس شہر کا نام یثرب کے بجائے مدینۃ الرسول ﷺ پڑ گیا جسے مختصر میں ''مدینہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ نہایت تابناک دن تھا۔ مدینہ کے گلی کوچے تقدیس وتحمید کے کلمات سے گونج رہے تھے اور انصار کی بچیاں چھتوں پر چڑھ کر دف بجا بجا کر خوشی ومسرت کے اشعار پڑھ رہی تھیں اور آپ ﷺ کا استقبال کر رہی تھیں۔

اشرق البدر علینا	من ثنیات الوداع
ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب	چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا
وجب الشکر علینا	مادعا للہ داع
کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے	شکر واجب ہے ہم پر اللہ کا
ایھا المبعوث فینا	جئت بالامر المطاع
ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی	بھیجنے والا ہے تیرا کبریا

انصار مدینہ بہت بڑے دولت مند نہ تھے لیکن ان میں ہر ایک کی خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس کے یہاں قیام فرمائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ انصار کے جس محلہ سے بھی گزرتے وہاں کے لوگ اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتے اور اپنے یہاں تشریف رکھنے کی گزارش کرتے۔ مگر آپ ﷺ یہ ارشاد فرماتے کہ اونٹنی کی راہ چھوڑ دو۔ یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، جہاں پر اونٹنی بیٹھ جائے گی وہیں پر میرا قیام ہوگا۔ لہٰذا اونٹنی مسلسل چلتی رہی اور اس مقام پر آ کر بیٹھی جہاں آج مسجد نبوی ہے لیکن آپ ﷺ نیچے نہیں اترے یہاں تک کہ تھوڑی دیر بعد اونٹنی پھر اٹھی اور کچھ دور گئی پھر مڑ کر وہیں بیٹھی جہاں پہلے بیٹھی تھی۔ یہ آپ ﷺ کے ننہال والوں یعنی بنو نجار کا محلہ تھا۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" ہمارے کس آدمی کا گھر زیادہ قریب ہے؟ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرا، اے اللہ کے رسول ﷺ۔ یہ رہا میرا مکان اور یہ رہا میرا دروازہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور ہمارے لیے قیلولہ کی جگہ تیار کرو۔ انھوں نے عرض کی آپ دونوں حضرات تشریف لے چلیں اللہ برکت دے"۔

جہاں پر رسول خدا ﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی وہ افتادہ زمین سہل و سہیل دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی جس میں کھجور کے چند درخت تھے اور چند مشرکین کی قبریں تھیں، چوپایوں کا ریوڑ بھی اس جگہ آکر بیٹھا کرتا تھا۔ آپ ﷺ وہاں پر ایک مسجد تعمیر کرنا چاہتے تھے اس لیے دریافت فرمایا کہ یہ جگہ کس کی ملکیت ہے۔ معاذ بن عضراء نے کہا کہ میرے رشتہ دار دو یتیم بچوں کی جو میرے ہی پاس پرورش پا رہے ہیں۔ میں ان کو رضا مند کرلوں گا۔ لہٰذا آپ ﷺ یہاں شوق سے مسجد بنائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم اس کو قیمت دے کر خریدنا چاہتے ہیں، بغیر قیمت کے نہیں لیں گے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اس زمین کی قیمت دے دی۔ پھر آپ ﷺ کے حکم کے موافق کھجور کے درخت کاٹ دیے گئے، مشرکین کی قبریں برابر کردی گئیں اور مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوگیا۔ رحمت عالم ﷺ بہ نفس نفیس خود بھی مسجد کے کام میں مصروف رہتے، جب کہ مہاجرین و انصار بڑی خوشی اور ذوق و شوق سے مسجد کی تعمیر کے کام میں لگے ہوئے تھے۔ مسجد کی دیواریں کچی اینٹ اور گارے سے بنائی گئیں اور چھت کھجور کی لکڑی اور اس کے پتوں سے بنائی گئی۔

جب تک مسجد اور اس کے قریب آپ ﷺ کے لیے مکان تیار نہ ہوا، اس وقت آپ ﷺ حضرت ابو ایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں ہی رونق افروز رہے۔ یہ وہی ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں جن کی قبر قسطنطنیہ میں موجود ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں محاصرۂ قسطنطنیہ کے وقت شہید ہوگئے تھے۔ ابھی آپ ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان ہی

میں تھے کہ آپ ﷺ کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، آپ ﷺ کی دونوں صاحبزادیاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی مدینہ آ گئیں۔ ان سب کو عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ آل ابی بکر کے ساتھ جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں لے کر آئے تھے۔ جب کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ابو العاص رضی اللہ عنہ نے روک لیا اور ان کی ہجرت جنگ بدر کے بعد ہوئی۔ ان سب کے آنے پر (یعنی زینب بنت محمد ﷺ کو چھوڑ کر) آپ ﷺ اپنے نو تعمیر مکان میں تشریف لے آئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سخت بخار آ گیا اور وہ سخت بیمار پڑ گئے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اے اللہ! ہمارے نزدیک مدینہ کو اسی طرح محبوب کر دے جیسے مکہ محبوب تھا یا اس سے بھی زیادہ اور مدینہ کی فضا کو صحت بخش بنا دے، اس کے صاع اور مد (غلے کے پیمانوں) میں برکت دے اور اس کا بخار منتقل کر کے جحفہ پہنچا دے۔'' اللہ نے آپ ﷺ کی دعا سن لی اور حالات بدل گئے۔

○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی
مدنی زندگی

المدينة خيراللهم لوكانو يعلمون

(الحديث)

ہجرت کا پہلا سال

ہجرت کے پہلے سال میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر، مکان نبوی ﷺ کی تعمیر اور مومنوں کا مدینہ آنا نمایاں واقعات تھے۔ آپ ﷺ گیارہ مہینے اور چند روز حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں رہے۔ جب آپ ﷺ کا مکان تعمیر ہو چکا تو اپنے مکان میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ داخل ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے جس چیز کی طرف خصوصی توجہ فرمائی وہ شہر کا امن وامان تھا۔ ساتھ ہی آپ ﷺ کو یہ بھی خیال تھا کہ مہاجرین جنھوں نے دین کی خاطر انتہائی تکلیفیں برداشت کی ہیں اور اپنے گھر، وطن، عزیز و اقارب، مال و زر، خاندان و برادری سب کچھ چھوڑ کر مدینہ میں آپڑے ہیں، وہ اور زیادہ پریشان نہ ہوں۔

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کر کے باہمی اجتماع اور میل و محبت کے ایک مرکز کا وجود بخشا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے تاریخ انسانی کا ایک اور نہایت تابناک کارنامہ انجام دیا جسے مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارے کے عمل کا نام دیا جاتا ہے۔ معلوم رہے کہ جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے انھیں مہاجر کہا جاتا ہے اور مدینہ میں جو مسلمان پہلے سے تھے یعنی جن مسلمانوں کا مسکن ہی مدینہ تھا انھیں اللہ کے رسول ﷺ نے انصار کے لقب سے نوازا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان میں مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ کل نوے آدمی تھے، آدھے مہاجر اور آدھے انصار۔ بھائی چارے کی بنیاد یہ تھی کہ ایک دوسرے کے غم خوار ہوں گے اور موت کے بعد نسبتی

قرابت داروں کے بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ وراثت کا یہ حکم جنگ بدر تک قائم رہا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی:

و اولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض. (سورۃ الاحزاب. پارہ 21)

ترجمہ: نسبتی قرابت دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

تو انصار و مہاجرین میں باہمی توارث کا حکم ختم ہو گیا لیکن بھائی چارے کا عہد باقی رہا۔

مہاجرین و انصار میں مواخات کے تحت عموماً ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصار کے درمیان مواخات قائم ہوگئی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دینی بھائی خارجہ بن زبیر انصاری رضی اللہ عنہ ہوئے۔ حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح کا بھائی چارہ سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ سے، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا سعد بن الربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا سلامہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ سے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ثابت بن المنذر انصاری رضی اللہ عنہ سے رشتۂ اخوت قائم ہوا۔ اسی طرح طلحہ [redacted]عبیداللہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ میں، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ میں، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن یمان میں بھائی چارہ قائم ہوا۔ غرض کہ ایک ایک مہاجر کا ایک ایک انصاری سے رشتۂ اخوت قائم ہوگیا۔ اس عہد مواخاۃ کو انصار مدینہ نے اس خلوص اور احتیاط کے ساتھ نبھایا کہ اس کی مثال تاریخ کے اوراق میں نہیں ملتی۔ تمام مہاجرین کو انصار نے حقیقی معنوں میں اپنا بھائی سمجھا اور بے دریغ تمام مال و اسباب نصف نصف کر کے ان کے سپرد کر دیا۔ بلکہ جس انصار کے پاس دو بیویاں تھیں وہ اپنے مہاجر بھائی سے کہتا کہ میری دو بیویاں ہیں تمھیں جو پسند ہو اسے لے لو، میں اسے طلاق دیتا ہوں اور تم عدت کے بعد نکاح کر لینا چنانچہ انصار نے ایسا ہی کیا۔ ادھر مہاجرین نے بھی اپنا بار اپنے انصار بھائیوں پر نہیں ڈالنا چاہا بلکہ انھوں نے بڑی مستعدی کے ساتھ محنت کی۔ دوکان داری اور تجارتیں شروع کیں اور اپنی ضروریات

زندگی اپنی قوت بازو سے ہی مہیا کرنے لگے۔

مذکورہ بھائی چارے کی طرح نبی رحمت ﷺ نے ایک اور عہد و پیمان کرایا جس کے ذریعہ ساری جاہلی کشاکش اور قبائلی کشمکش کی دیواریں ڈھا دیں۔ مختصر طور پر یہ عہد و پیمان مندرجہ ذیل ہے:

یہ تحریر ہے محمد نبی ﷺ کی جانب سے قریشی، یثربی اور ان کے تابع ہو کر ان کے ساتھ لاحق ہونے اور جہاد کرنے والے مومنین اور مسلمانوں کے درمیان کی۔

1۔ یہ سب اپنے ماسوا انسانوں سے الگ ایک امت ہیں۔

2۔ مہاجرین قریش اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور مومنین کے درمیان معروف اور انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ دیں گے۔ انصار کے تمام قبیلے بھی اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور ان کا ہر گروہ معروف طریقے پر اور اہل ایمان کے درمیان انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ ادا کرے گا۔

3۔ سارے راست باز مومنین اس شخص کے خلاف ہوں گے جو اُن پر زیادتی کرے گا۔ کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے نہ تو قتل کرے گا اور نہ ہی کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

4۔ مسلمانوں کی صلح ایک ہوگی۔

5۔ تمھارے اندر جو بھی اختلاف رونما ہوگا اسے اللہ عزوجل اور محمد ﷺ کی طرف سے سلجھایا جائے گا۔ وغیرہ

ہجرت کے پہلے سال کا ایک قابل تذکرہ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام باشندگان مدینہ کے درمیان جن میں یہود و مشرکین سب شامل تھے ایک عہد نامہ مرتب فرمایا جس پر سب نے اس پر خوشی خوشی دستخط کیے۔ اس عہد نامہ میں بہت سی شرطیں تھیں۔ منجملہ ان کی شرط تھی کہ مدینہ پر جب کوئی بیرونی دشمن حملہ کرے گا تو تمام مدینہ

والے اس کا مقابلہ کریں گے۔ مدینہ کے یہودی مکہ کے قریش کو یا ان کے حلیفوں کو مسلمانوں کے خلاف پناہ نہیں دیں گے۔ باشندگان مدینہ میں کوئی شخص کسی دوسرے کے دین و مذہب اور جان و مال سے تعرض نہیں کرے گا۔ ایک شرط یہ بھی تھی کہ جب دو فریق کسی بات پر جھگڑیں اور خود نہ سمجھ سکیں تو اس کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ کریں گے جس سے کسی کو انکار نہ ہوگا۔ ایک شرط یہ بھی تھی کہ جن قبیلوں یا قوموں سے یہودیوں کا معاہدہ ہے اور وہ یہود اُن مدینہ کے دوست ہیں تو مسلمانان مدینہ بھی ان کے ساتھ دوستوں کی طرح رعایت کریں گے اور اسی طرح جو قبیلے مسلمانوں کے دوست ہیں مدینہ کے یہودی بھی ان کے ساتھ دوستانہ سلوک کریں گے۔

اس معاہدے کی تکمیل کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ کے اردگرد کے قبائل کو اس میں شامل کرنے کی کوشش کی تاکہ بد امنی دور ہو جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مقام وُدّان تک جو مکہ و مدینہ کے درمیان ہے اسی غرض کے لیے سفر فرمایا اور قبیلۂ بنی حمزہ بن بکر بن عبد مناف کو اس معاہدہ میں شریک فرما کر ان کے سردار عمرو بن فخشی سے دستخط کرائے۔ اس کے بعد کوہ بواط کے لوگوں کو بھی اس معاہدہ میں آپ ﷺ نے شریک کیا پھر ینبوع کی طرف مقام ذی العشرۃ میں آپ ﷺ تشریف لے گئے اور بنو مدلج سے بھی اس معاہدہ پر دستخط کرائے۔ حاصل کلام یہ کہ مدینہ منورہ پہنچتے ہی رسول اللہ ﷺ نے ایسی کوششیں کیں کہ امن وامان بحال ہو جائے اور لوگوں کو دین اسلام اچھی طرح سمجھنے کا موقع ملے۔ آپ ﷺ ابھی مدینہ کے تمام نواحی قبائل کو شریک معاہدہ نہیں کر پائے تھے کہ مدینہ کے اندر خفیہ اور مدینہ کے باہر سے علانیہ دشمنوں نے اپنی کارروائیاں شروع کر دیں۔

مدینہ میں قوم یہود بھی تھی جو پورے عرب میں قریب قریب پائی جاتی تھی۔ یہ لوگ اشوری و رومی ظلم و جبر سے بھاگ کر حجاز میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ درحقیقت عبرانی تھے لیکن حجاز میں سکونت اختیار کرنے کے بعد عربی رنگ میں رنگ گئے تھے۔ لیکن ان کی نسلی عصبیت برقرار تھی اس لیے وہ عربوں سے اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے۔

اپنی اسرائیلی، یہودی قومیت پر فخر کرتے تھے اور عربوں کو بہت حقیر سمجھتے تھے اور انھیں امی کہتے تھے۔ جس کا مطلب ان کے نزدیک بدھو، وحشی، رذیل، پسماندہ اور اچھوت تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ عربوں کا مال ان کے لیے مباح ہے جیسے چاہیں کھائیں۔ یہودیوں کے پاس دین کی اشاعت نام کی کوئی چیز نہیں تھی بلکہ لے دے کر ان کے پاس فال گیری، جادو اور جھاڑ پھونک رہ گئی تھی۔ لیکن انھیں دولت کمانے کا ہنر معلوم تھا اور غلے، کھجور، شراب اور کپڑے کی تجارت انہی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ لوگ سازشوں اور جنگ و فساد کی آگ بھڑکانے میں بڑے ماہر تھے۔ قبیلوں قبیلوں میں لڑائی بھڑکاتے رہتے تھے اور جب جنگ کچھ سرد پڑتی تھی تو پھر خفیہ دسیسہ کاریوں کے تحت آگ کے شعلے بھڑکایا کرتے تھے۔ قبیلوں کو سود پر پیسہ دیتے تھے کہ جنگ میں ہتھیار کی کمی نہ ہونے پائے۔ اس طرح یہ دوہرا نفع کماتے تھے، ایک عربوں کو آپس میں لڑا کر دوسرے سود کے ذریعہ پیسے کما کر۔

یثرب میں یہودیوں کے تین قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے۔ ایک مدت سے اوس و خزرج کے درمیان یہ یہودی قبائل جنگ کے شعلے بھڑکائے ہوئے تھے۔ یہ اسلام کو بغض و عداوت کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ پیغمبر محمد ﷺ ان کی نسل سے نہیں تھے۔ اس کے علاوہ اسلام کی دعوت دلوں کو جوڑنے والی دعوت تھی اور یہودیوں کو اس بات کا ڈر تھا کہ اگر اوس و خزرج آپس میں مل گئے اور ان کی جنگ بند ہوگئی تو ان کی تجارت پھیکی پڑ جائے گی پھر وہ سودی دولت سے محروم پڑ جائیں گے۔ اس لیے مدینہ میں آپ ﷺ کی آمد کے وقت سے ہی انھیں اسلام اور مسلمانوں سے سخت عداوت ہوگئی حالاں کہ انھوں نے اس کا اظہار کافی دنوں کے بعد کیا۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ بھی ایک معاہدہ کیا۔ جس میں مندرجہ ذیل دفعات تھے:

1۔ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔

2۔ کوئی آدمی اپنے حلیف کی وجہ سے مجرم نہ ٹھہرے گا۔

3۔ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

4۔ قریش اور اس کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

5۔ جو کوئی مدینہ پر دھاوا بول دے اس سے لڑنے کے لیے سب باہم تعاون کریں گے اور ہر فریق اپنے اپنے اطراف کا دفاع کرے گا۔

6۔ جب تک جنگ جاری رہے گی یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔

7۔ اس معاہدے کے فریقوں میں کوئی نئی بات پیدا ہوجائے تو اس کا فیصلہ اللہ اور اللہ کے رسول محمد ﷺ فرمائیں گے۔

اس معاہدے کے طے ہوجانے سے مدینہ اور اس کے اطراف میں امن وسلامتی کی ایک حکومت وجود میں آئی جس کا دارالحکومت مدینہ تھا اور جس کے سربراہ رسول اللہ ﷺ تھے۔

مدینہ میں ایک شخص عبداللہ بن ابی ابن سلول بہت عقل مند، تجربہ گار اور ہوشیار آدمی تھا۔ اوس وخزرج کے تمام قبائل پر اس کا اثر تھا اور وہ کھلم کھلا مشرک تھا۔ لوگ اس کی سرداری کو متفقہ طور پر تسلیم کرتے تھے۔ اوس وخزرج قبائل جنگ بُعاث میں اپنے بہت سے بہادروں کو قتل کرا کر کمزور پڑ گئے تھے۔ عبداللہ بن ابی نے اس حالت کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ مدینہ والے اس بات پر متفق ہوگئے تھے کہ عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنالیں بلکہ اس کی تاجپوشی کے لیے مونگوں کا تاج بھی بنوالیا تھا کہ اسی دوران مدینہ کے اندر اسلام اور بانی اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا داخلہ ہوا۔ آپ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی فوقیت کو مذکورہ بالا عہد نامہ پر دستخط کر کے سب نے تسلیم بھی کرلیا جس سے عبداللہ بن ابی کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ چونکہ وہ سمجھتا تھا کہ آپ ﷺ نے ہی اس کی بادشاہت اس سے چھین لی ہے اس لیے وہ آپ ﷺ کو اپنا بڑا دشمن سمجھتا تھا۔ لیکن چونکہ وہ ایک ہوشیار آدمی تھا اس

لیے آپ ﷺ کی دشمنی کو غیر مفید سمجھ کر دل میں چھپائے ہوئے تھا۔ قبائل اوس وخزرج کے جو لوگ بھی بت پرست تھے وہ سب کے سب عبداللہ بن ابی کے زیر اثر تھے۔

ادھر بیرون مدینہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن کفار قریش تھے جو تیرہ سال تک مسلمانوں پر ظلم وستم کرتے رہے۔ پھر جب مسلمان صرف اپنی جان لے کر مدینہ کے لیے گئے تو کفار قریش نے ان کی زمینیں، مکانات اور مال و دولت سب کچھ ضبط کرلیا۔ مسلمانوں اور ان کے اہل وعیال کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑے ہوگئے اور تمام اہل عرب کے مشرکوں کو بھڑکا کر قریش نے مدینہ کا تقریباً بائیکاٹ کرادیا۔ جس کی وجہ سے مدینہ کی معیشت خراب ہوگئی۔ جب کہ وہاں مہاجرین کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔ ادھر قریش مکہ کا جوش غضب اور بھڑکتا جارہا تھا کہ مسلمان ان کی گرفت سے چھوٹ نکلے ہیں اور انھیں مدینے میں ایک پرامن جائے قرار مل گئی ہے۔ چنانچہ قریش مکہ نے عبداللہ بن ابی کو اس کی حیثیت کے بنا پر اُسے اور اس کے رفقا کو مخاطب کرتے ہوئے ایک دھمکی آمیز خط لکھا جس کے دوٹوک الفاظ یوں تھے:

> ''آپ لوگوں نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے اس لیے ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو آپ لوگ اس سے لڑائی کیجیے یا اسے نکال دیجیے یا پھر ہم اپنی پوری جمعیت کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کریں گے اور آپ کی عورتوں کی حرمت پامال کرڈالیں گے۔''

اس خط کے پہنچتے ہی عبداللہ بن ابی نے تمام مشرکوں کو اکٹھا کیا اور مکہ والوں کے اس پیغام سے مطلع کر کے مسلمانوں کے خلاف تمام مشرکوں کو لڑائی پر آمادہ کرلیا۔ اتفاقاً آپ ﷺ کو اس مجلس اور اس سازش کا حال معلوم ہوا تو آپ ﷺ فوراً اس مجلس میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

> ''قریش مکہ نے تم کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔ اگر تم ان کی دھمکی اور دھوکے میں آگئے تو بہت نقصان اٹھاؤ گے۔ تمھارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم ان کو صاف

جواب دے دو اور اپنے عہد و قرار پر جو ہمارے ساتھ ہو چکا ہے قائم رہو۔ اگر قریش نے مدینہ پر حملہ کیا تو ہم کو ان کا مقابلہ کرنا اور ان سے لڑنا بہت آسان ہوگا۔ کیونکہ ہم سب متفقہ طور پر ان کے سامنے آئیں گے۔ لیکن اگر تم مسلمانوں سے لڑے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے بیٹوں، بھائیوں اور رشتہ داروں کو قتل کرو گے اور برباد ہو جاؤ گے۔"

آپ ﷺ کی یہ بات سن کر تمام مجمع نے تائید کی اور اسی وقت مشرکوں کا تمام مجمع منتشر ہو گیا اور عبداللہ بن ابی دیکھتا رہ گیا۔

ہجرت کے پہلے ہی سال مسجد میں نمازیوں کو بلانے کے لیے اذان کی ابتدا ہوئی اور یہودیوں کے ایک بہت بڑے عالم عبداللہ بن سلام مسلمان ہوئے۔ اسی سال حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو اول مجوسی تھے پھر عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور یہود و نصاریٰ کی کتابیں پڑھ کر نبی آخر الزماں کی آمد کے منتظر تھے، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی سال زکوٰۃ فرض ہوئی۔

ادھر پھر قریش نے مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ:

"تم مغرور نہ ہونا کہ مکہ سے صاف بچ کر نکل آئے۔ ہم یثرب ہی پہنچ کر تمہارا ستیاناس کر دیتے ہیں۔"

لیکن رسول اللہ ﷺ کو کفار قریش کے برے چالوں اور برے ارادوں کا اس قدر علم تھا کہ یا تو آپ ﷺ رات کو جاگ کر گزارتے یا پھر کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے پہرے میں سوتے تھے۔ پہرے کا یہ سلسلہ صرف چند رات ہی نہیں بلکہ مسلسل رہا یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

واللہ یعصمک من الناس.

ترجمہ: اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! واپس جاؤ اللہ نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔

اس طرح کا خطرہ صرف آپ ﷺ کی ذات مبارک تک ہی محدود نہ تھا بلکہ سارے مسلمانوں کو کفار قریش کی طرف سے تھا۔ اس لیے سارے مسلمان نہ تو ہتھیار کے بغیر رات گزارتے تھے اور نہ ہتھیار کے بغیر صبح کرتے تھے۔ اِن پر خطر حالات میں جو مدینہ میں مسلمانوں کے وجود کے لیے ہی چیلنج بنے ہوئے تھے اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دے دی:

اُذن للذین یقٰتلون بانھم ظلموا. و ان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر.

(سورۃ الحج. پارہ 17)

ترجمہ: جن لوگوں سے جنگ جاری ہے انھیں بھی جنگ کی اجازت دی گئی۔ کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

اللہ رب العزت کی طرف سے جنگ کی اجازت ملنے کے بعد رسول اللہ ﷺ حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے قریش کی تجارتی شاہراہ جو مکہ سے شام تک چلی جاتی تھی اس پر اپنا تسلط قائم کرلیا اور تسلط کے اس پھیلاؤ کے لیے دو پروگرام اختیار فرمائے:

1۔ جو قبائل مکہ سے شام تک کے تجارتی سفر کی شاہراہ کے اردگرد یا اس شاہراہ سے مدینے تک کے درمیانی علاقے میں آباد تھے ان کے ساتھ حلف (دوستی تعاون) اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا۔

2۔ اس شاہراہ پر گشتی دستے بھیجے۔

رسول اللہ ﷺ کو مذکورہ بالا پروگرام سے مقصد یہ تھا کہ قریش مدینہ میں گھس کر مسلمانوں کے خاتمہ کا جو عزم کیے ہوئے ہیں اس سے وہ باز آجائیں اور یثرب کے مشرکین و یہود اور آس پاس کے بدوؤں کو یہ احساس ہوجائے کہ مسلمان کمزور نہیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ قریش کا ایک قافلہ مکہ سے شام کے لیے چل چکا ہے جس میں قریش کے کافی مال تجارت تھے۔ آپ ﷺ اس کی طلب میں ڈیڑھ دو سو صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ جمادی الاولیٰ و جمادی الاخریٰ 2ھ مطابق نومبر، دسمبر 623ء میں ذوالعشیرہ تک پہنچے لیکن قافلہ جاچکا تھا اور یہ وہی قافلہ تھا جس کو شام سے

واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے گرفتار کرنا چاہا تو یہ قافلہ تو بچ نکلا لیکن جنگ بدر پیش آ گئی۔

اس کے بعد رجب 2ھ مطابق جنوری 624ء میں نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بارہ مہاجرین کا ایک دستہ روانہ فرمایا۔ دستے کے امیر کو رسول اللہ ﷺ نے ایک تحریر لکھ کر دی تھی اور یہ ہدایت فرمائی تھی کہ دو دن سفر کر لینے کے بعد ہی اسے دیکھیں گے۔ چنانچہ امیر کارواں نے دو دن بعد جب تحریر دیکھے تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ ''جب تم میری یہ تحریر دیکھو تو آگے بڑھتے جاؤ یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیاں نخلہ میں اترو اور وہاں قریش کے ایک قافلے کے گھات میں لگ جاؤ اور ہمارے لیے اس کی خبروں کا پتہ لگاؤ۔'' اس پر تمام صحابہ رضی اللہ عنھم چل پڑے اور نخلہ پہنچے۔ وہاں قریش کا ایک قافلہ گزرا جو کشمش، چمڑے اور سامان تجارت لیے ہوئے تھا۔ اس قافلے میں عبد اللہ بن مغیرہ کے دو بیٹے عثمان اور نوفل اور عمرو بن حضرمی اور حکیم بن کیسان مولیٰ وغیرہ تھے۔ مسلمانوں نے مشورہ کیا کہ آخر کیا کریں کہ آج حرام مہینہ رجب کا آخری دن ہے اور اگر کل تک رک جاتے ہیں تو یہ لوگ حدود حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ بالآخر مسلمانوں نے حملہ کر دیا اور مسلمانوں میں سے ایک نے عمرو بن حضرمی کو تیر مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ باقی لوگوں نے عثمان اور حکیم کو گرفتار کر لیا اور نوفل بھاگ نکلا۔ اس کے بعد مسلمان دونوں قیدی اور سامان قافلہ لیے مدینہ پہنچے۔ انھوں نے اس مال غنیمت سے خمس بھی نکالا تھا اور یہ اسلامی تاریخ کا پہلا خمس، پہلا مقتول اور پہلے قیدی تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے پوچھا کہ میں نے تمھیں حرام مہینے میں جنگ کرنے کا حکم تو نہیں دیا تھا پھر آپ ﷺ نے سامان قافلہ اور قیدیوں کے سلسلے میں کوئی فیصلہ کرنے سے اپنے آپ کو روک لیا۔ ادھر مشرکین پروپگنڈہ پھیلا رہے تھے کہ مسلمانوں نے اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کو حلال کیا ہے۔ کفار مکہ نے کافی شور مچایا تو اللہ پاک نے وحی کے ذریعہ مشرکین کے پروپگنڈے کا پردہ چاک کیا اور بتلایا کہ مشرکین جو کچھ کر رہے ہیں وہ مسلمانوں کی حرکت سے بڑا جرم ہے۔ رب

کریم کا ارشاد ہوا:

یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فیه. قل قتال فیه کبیر. و صد عن سبیل الله و کفر به والمسجد الحرام. و اخراج اهله منه اکبر عند الله. والفتنة اکبر من القتل. (سورۃ البقرہ. پارہ2)

ترجمہ: لوگ تم سے حرام مہینے میں قتال کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے۔ اللہ کی راہ سے روکنا، اللہ کے ساتھ کفر کرنا، مسجد حرام سے روکنا اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا یہ سب اللہ کے نزدیک اور زیادہ بڑا جرم ہے اور فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔

رب کریم کا حکم آجانے کے بعد آپ ﷺ نے دونوں قیدیوں کو آزاد کردیا اور مقتول کے اولیا کو خون بہا ادا کردیا۔

اس وحی نے واضح کر دیا کہ مشرکین جو مسلمانوں کے خلاف پروپگنڈہ کر رہے ہیں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ کفار مکہ نے اسلام کے خلاف لڑائی میں ساری حرمتوں کو پامال کردیا ہے۔ کیا ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا مال چھینا جانا اور رسول ﷺ کو قتل کرنے کا فیصلہ کرنا شہر حرام (مکہ) سے کہیں باہر ہوا تھا؟

قریش مکہ اب پورے طور پر اس بات کو سمجھ گئے کہ مدینہ کی قیادت انتہائی بیدار مغز ہے اور ان کی تمام تجارتی نقل و حرکت پر نظر رکھتی ہے۔ شام کی تجارت اب خطرے میں پڑگئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی حماقت سے باز نہیں آئے اور مسلمانوں کی دشمنی میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ پھر اللہ رب العزت نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سریہ رجب 2ھ جو نخلہ میں ہوئی تھی اس کے بعد شعبان 2ھ میں مسلمانوں پر جنگ فرض کردی اور اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں:

رب کریم کا ارشاد ہوا:

و قاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا. ان الله لا یحب المعتدین. واقتلوهم حیث ثقفتموهم و اخرجوهم من

حیث اخرجوکم و الفتنة اشد من القتل. ولا تقٰتلوهم عند المسجد الحرام حتٰی یقٰتلوکم فیه. فان قٰتلوکم فاقتلوهم. کذالک جزاء الکٰفرین. فان انتهوا فان الله غفور رحیم. وقٰتلوهم حتٰی لاتکون فتنة و یکون الدین لله. فان انتهوا فلا عدوان الا علی الظٰلمین. (سورة البقره. (پاره 2)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے آگے نہ بڑھو۔ یقیناً اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ انھیں جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا ہے وہاں سے تم بھی انھیں نکال دو۔ اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔ ان سے مسجد حرام کے پاس قتال نہ کرو یہاں تک کہ وہ مسجد میں تم سے قتال کریں۔ پس اگر وہ (وہاں) قتال کریں تو تم بھی وہاں انھیں قتل کرو۔ کافروں کی جزا ایسی ہی ہے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔ ان سے لڑائی کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو کوئی تعدی نہیں ہے مگر ظالموں ہی پر۔

اللہ رب العزت کے ارشاد سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خونریز معرکہ کا وقت قریب ہے اور اس میں مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہوگا۔ کیونکہ رب کریم کا کلام ہے کہ جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا تھا تم بھی وہاں سے انھیں نکال دو۔ پھر ان ہی دنوں شعبان 2ھ مطابق فروری 624ء میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ قبلہ کعبہ کو کرلو اور اب بیت المقدس کے بجائے کعبہ تمھارا قبلہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کے دل میں یہ خیال رہتا تھا کہ کاش! ہمارا قبلہ کعبہ ہوتا۔ اللہ پاک نے اپنے حبیب کے دل کی آرزو پوری کردی اور قبلہ مسجد اقصیٰ کے بجائے کعبہ کردیا۔ اس کا اثر منافقوں اور یہودیوں پر بہت برا پڑا۔ وہ جو مسلمانوں کے صفوں میں محض اضطراب و انتشار پیدا کرنے کے لیے گھس گئے تھے، اب کھل کر الگ ہوگئے۔ یہ مسلمانوں کے حق میں اچھا ہوا کہ مسلمانوں کی صفیں غداروں سے پاک ہوئیں۔

تحویل قبلہ میں رب کریم کی طرف سے یہ واضح اشارہ بھی ملتا ہے کہ اب ایک نئے دور کی شروعات ہونے والی ہے جو مسلمانوں کے قبلے (کعبہ) پر مسلمانوں کے قبضہ سے پہلے ختم نہ ہوگا۔ مذکورہ بالا احکام نازل ہونے کے بعد مسلمانوں میں جہاد فی سبیل اللہ کے جذبات اور دشمن سے فیصلہ کن ٹکر لینے کی آرزو بڑھ گئی۔

غزوۂ بدر، رمضان 2ھ

جمادی الاولیٰ و جمادی الاخریٰ 2ھ میں قریش مکہ کا ایک قافلہ تجارت کی غرض سے مکہ سے شام کے لیے جا رہا تھا۔ جب اس کی خبر رسول اکرم نور مجسم رحمت عالم ﷺ کو ملی تو اس کے تعاقب میں آپ ڈیڑھ یا دو سو مہاجر صحابہ رضی اللہ عنھم کو ہمراہ لے کر چل پڑے۔ لیکن جب آپ ﷺ ذوالعشیرہ تک پہنچے تو معلوم ہوا کہ مکے کا قافلہ کئی دن پہلے جا چکا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ مدینہ واپس چلے آئے۔ پھر جب یہ قافلہ شام سے واپس مکہ کو جا رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنھما کو اس کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا۔ یہ دونوں حضرات مقام حوراء تک گئے اور وہیں پر مکے کے قافلہ کا انتظار کرنے لگے۔ جب مکے کے قافلے کو لے کر ابوسفیان گزرا تو بہت تیزی سے آ کر دونوں صحابی رسول ﷺ نے اللہ کے رسول محمد ﷺ کو اس کی خبر دی۔ مکے کے قافلے کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے اور کافی دولت تھی۔ ان کے پاس ایک ہزار اونٹ تھے جس پر کم سے کم پچاس ہزار دینار کی ملکیت کا سامان تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کے لیے عمدہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دینے کا خیال کرتے ہوئے مسلمانوں کے اندر اعلان فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ مال و دولت لیے چلا آ رہا ہے اس کے لیے نکل پڑو۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بطور غنیمت تمھارے حوالے کر دے۔ لیکن آپ ﷺ نے سب کو روانگی پر مجبور نہ کیا۔ کیونکہ یہ توقع نہ تھی کہ ابوسفیان کے اس قافلہ کے بجائے لشکر قریش سے ٹکر ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم

مدینہ ہی میں رہ گئے۔ آپ ﷺ روانگی کے لیے تیار ہوئے تو آپ ﷺ کے ہمراہ 312 یا 313 افراد تھے جن میں 82 یا 83 مہاجر تھے اور بقیہ انصار تھے۔ پھر انصار میں 61 قبیلۂ اوس سے تھے اور 170 قبیلۂ خزرج سے۔ ان میں کم سن بچے بھی جنگ کی اجازت لے کر شریک تھے۔ اس اسلامی لشکر کے بے سروسامانی کا یہ حال تھا کہ ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور دوسرے پر حضرت مقداد بن اسود کندی رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ چھ زرہیں تھیں اور آٹھ شمشیریں تھیں اور ستر اونٹ تھے۔ ہر اونٹ پر دو یا تین آدمی باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ ایک اونٹ پر رسول اللہ ﷺ، حضرت علی اور حضرت مرشد بن ابی مرشد غنوی رضی اللہ عنھم باری باری سے سوار ہوتے تھے۔

آپ ﷺ نے مدینہ میں پہلے پہل ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا لیکن جب آپ ﷺ اسلامی لشکر لے کر مقام روحاء تک پہنچے تو حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا منتظم بنا کر بھیج دیا۔ اسلامی لشکر میں ایک جیش مہاجر کا بنایا گیا اور اس کا علم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیا گیا جب کہ دوسرا جیش انصار کا بنایا گیا جس کا علم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دیا گیا اور جنرل کمان کا پرچم جس کا رنگ سفید تھا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا گیا۔ میمنہ کے افسر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور میسرہ کے افسر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے۔ اور سپہ سالار اعلیٰ کی حیثیت سے جنرل کمان رسول خدا ﷺ نے خود سنبھالی۔

دوسری طرف مکے کے قافلہ کی صورت یہ تھی کہ ابوسفیان جو اس کا نگہبان تھا اسے معلوم تھا کہ مکہ کا راستہ خطروں سے خالی نہیں ہے۔ اس لیے وہ مسلسل پتہ لگاتے رہتا تھا اور راستے میں جو بھی قافلہ اسے ملتا اس سے حالات کا پتہ لگاتے رہتا تھا۔ چنانچہ اسے معلوم ہو گیا کہ محمد ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کے ساتھ اس کے قافلے پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اس لیے وہ جلدی ہی ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکہ روانہ کیا کہ وہاں جا کر اعلان کرو کہ محمد ﷺ نے اپنی جماعت کے ساتھ اہل مکہ

کے قافلہ پر دھاوا بول دیا ہے۔ اس لیے اپنے مال و اسباب اور اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے مکہ سے نکل پڑو۔

یہ آواز سن کر معززین مکہ سے کوئی نہیں بچا، یا تو خود مسلمانوں سے ٹکر لینے کے لیے نکلا یا اپنی جگہ پر کسی دوسرے کو بھیجا۔ معززین مکہ میں ابولہب نے اپنی جگہ اپنے ایک قرض دار کو بھیجا۔ کفارِ قریش مکہ کے لشکر کی مقدار تیرہ سو تھی جن کے پاس سات سو اونٹ، تین سو گھوڑے اور چھ سو زِرہیں تھیں اور لشکر کا سپہ سالار ابوجہل بن ہشام تھا۔ اس لشکر جرار کو لے کر ابوجہل اور اس کے رفقاء اپنے گھروں سے نکلے اور جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے اپنی شان دیکھاتے ہوئے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہوئے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنی دھار اور ہتھیار لے کر، اللہ سے خار کھاتے ہوئے اور اس کے رسول ﷺ سے خار کھاتے ہوئے جوش انتقام سے چور اور جذبۂ حمیت و غضب سے مخمور۔ اس پر کچکچائے ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنھم نے اہل مکہ کے قافلوں پر آنکھ اٹھانے کی جرأت کیسے کی؟

اہل مکہ کا قافلہ تیز رفتاری سے شمال کی جانب بدر کی طرف چلا جارہا تھا کہ ابوسفیان کا ایک نیا پیغام انھیں ملا جس میں کہا گیا تھا کہ آپ لوگ واپس مکہ چلے جایئے کیونکہ ہمارے قافلے کو اللہ نے بچالیا ہے۔ ہوا یہ کہ جب ابوسفیان کو اسلامی لشکر کے متعلق معلوم ہوا تو وہ راستہ کاٹ کر مکہ تیزی سے بھاگ گیا اور اپنے بچ نکلنے کی خبر مکی لشکر کو بھیج دی۔

مکی لشکر کو جب ابوسفیان کا پیغام ملا کہ مکہ واپس چلے جاؤ تو اس کا سپہ سالار ابوجہل بولا کہ ہم واپس نہیں جائیں گے۔ خدا کی قسم! ہم بدر جائیں گے وہاں تین دن قیام کریں گے، لوگوں کو کھانا کھلائیں گے، شراب پلائیں گے اور لونڈیاں ہمارے لیے گانا گائیں گی۔ اس طرح سارا عرب ہمارے اجتماع کا حال سنے گا اور ان پر ہمیشہ کے لیے ہمارا رعب بیٹھ جائے گا۔ لیکن ابوجہل کو اخنس بن شریق نے یہی مشورہ دیا کہ واپس چلے چلو۔ لیکن اس کی بات اہل مکہ نے نہ مانی جس سے وہ بنو زہرہ کے لوگوں کو

جن کی مقدار تین سو تھی لے کر مکہ واپس چلا گیا کیونکہ اخنس، بنو زھرہ کا حلیف اور اس لشکر میں ان کا سردار تھا۔ بنو ہاشم نے بھی واپس ہونا چاہا لیکن ابو جہل نے واپس نہ ہونے دیا۔ ابو جہل اپنے لشکر کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا اور اب اس کی مقدار ایک ہزار تھی اور اس کا رخ بدر تھا۔ مکی لشکر نے بدر کے قریب پہنچ کر ایک ٹیلے کے پیچھے پڑاؤ ڈالا اور یہ ٹیلہ وادی بدر کے حدود پر جنوبی دِھانے کے پاس واقع ہے۔

ادھر آپ ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ راستہ ہی میں تھے کہ آپ ﷺ کو مدینے کے ذرائع اطلاعات نے ابو جہل کی مکی لشکر اور اس کے بدر میں پڑاؤ ڈالنے کے متعلق خبر دی۔ آپ ﷺ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ ابو جہل، عتبہ، شیبہ، ولید، حنظلہ، عبیدہ، عاصی، حرث، طعیمہ، زمعہ، عقیل ابو البختری، مسعود، بینہ، نوفل، سائب، رفاعہ وغیرہ تمام بڑے بڑے سردار قریش اس لشکر میں موجود ہیں۔ آپ ﷺ حالات اور اطلاعات کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب ایک خونریز ٹکراؤ کا وقت آ گیا ہے۔ اگر اسلامی لشکر اپنا قدم پیچھے ہٹاتا ہے تو لشکر کفار کے حوصلے بلند ہوں گے اور اس کا اسلامی دعوت و تبلیغ پر بہت برا اثر پڑے گا اور دشمنوں کو سیاسی بالا دستی قائم ہو جائے گی۔ لہٰذا حالات کے پیش نظر رسول خدا نور مجسم ﷺ نے ایک اعلیٰ فوجی مجلس شوریٰ منعقد کی جس میں صورت حال کا تذکرہ فرمایا اور کمانڈروں اور عام فوجیوں سے فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو تمھاری طرف بھیج دیا ہے، ان کے مقابلہ کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟

قائدین لشکر میں سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور نہایت عمدہ بات کہی پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ اٹھے، انھوں نے بھی بہت اچھی بات کہی پھر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! اس موقع پر ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ

فاذهب انت و ربک فقاتلا انا ههنا قعدون.

(سورۃ المائدہ. پارہ 6)

ترجمہ: تم اور تمھارا رب جاؤ، لڑو۔ ہم یہیں بیٹھے ہیں۔

بلکہ ہم تو آپ ﷺ کے آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے غرض ہر جانب سے لڑیں گے۔

صحیح بخاری شریف میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہم نے ایسا دیکھا تھا کہ مجھ کو یہ فوراً آرزو تھی کہ دنیا میں کوئی چیز مجھ کو نہ ملے لیکن یہ مرتبہ حاصل ہو جائے۔ جس وقت مقداد رضی اللہ عنہ رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت حضور انور ﷺ کفار کے واسطے بد دعا فرما رہے تھے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا کہ ہم یہیں بیٹھے ہیں تم اور تمھارا رب جا کر جہاد کرو۔ بلکہ ہم لوگ تو آپ ﷺ کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں ہر طرف سے لڑنے کو تیار ہیں۔ جس وقت حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے یہ عرض کیا، اس وقت پیغمبر اسلام ﷺ کا مبارک چہرہ روشن ہو گیا تھا اور آپ ﷺ کو انتہائی مسرت ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔

یہ تینوں کمانڈر مہاجرین سے تھے اور رسول اللہ ﷺ انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ بیعت عقبۂ ثانیہ کے رو سے ان پر لازم نہ تھا کہ مدینے سے باہر نکل کر جنگ کریں گے۔ اس لیے آپ ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا: لوگو! مشورہ دو۔ مقصود انصار تھے اور اس بات کو انصار کے کمانڈر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بھانپ لیا۔ چنانچہ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ آپ ﷺ نے کہا: ہاں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں۔ آپ ﷺ کو خدا کا رسول یقین کرتے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کا رسول کفار کے مقابلہ کو جائے اور ہم گھروں میں بیٹھے رہیں؟ یہ کفار تو ہم جیسے آدمی ہیں ان سے ہم کیا ڈریں گے! اگر آپ ﷺ ہم کو حکم دیں گے کہ سمندر میں کود پڑو، تو ہم بلا دریغ آپ ﷺ کے حکم کی

تعمیل کریں گے۔ ہم جنگ میں پامرد اور لڑنے میں جواں مرد ہیں۔ ممکن ہے اللہ آپ ﷺ کو ہمارا وہ جوہر دکھلائے جس سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

اس کے بعد آپ ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ حنان نامی پہاڑنما تودے کو دائیں ہاتھ چھوڑتے ہوئے جب بدر کے مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ لشکر کفار پہلے سے قطعۂ زمین پر قابض ہے اس لیے اسلامی لشکر کو ریتلی جگہ پر ٹھہرانا پڑا مگر بدر کے چشموں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

اللہ پاک نے اسی رات ایک بارش نازل فرمائی جو مشرکوں پر موسلا دھار برسی اور ان کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن گئی۔ لیکن مسلمانوں پر پھوار بن کر برسی اور انھیں پاک کردیا، ان کی بزدلی دور کردی اور زمین کو ہموار کردیا اور ریت میں سختی آگئی جس کی وجہ سے قدم ٹکنے کے لائق ہوگئے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم جب بدر کے چشمے پر پڑاؤ ڈال چکے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے عرض پرداز ہوئے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیوں نہ ہم آپ ﷺ کے لیے ایک چھپر تعمیر کردیں جس میں آپ ﷺ تشریف رکھیں اور آپ ﷺ کے پاس سواریاں مہیا کردیں، تب ہم دشمن سے ٹکرائیں۔ کیونکہ اگر ہماری فتح ہوئی تو یہ ہمیں پسند ہے اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت پیش آگئی تو آپ ﷺ سواری پر سوار ہوکر ہماری قوم کے ان لوگوں کے پاس چلے جائیں گے جو ہم سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ اگر انھیں معلوم ہوتا کہ ہمیں جنگ سے دوچار ہونا پڑے گا تو وہ ہرگز پیچھے نہ رہتے۔ اللہ ان کے ذریعے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائے گا۔

سعد ابن معاذ کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر کی اور مسلمانوں نے میدان جنگ کے شمال مشرق میں ایک اونچے ٹیلے پر چھپر بنایا جہاں سے میدان جنگ صاف نظر آتا تھا۔ پھر آپ ﷺ کی اس مرکزی قیادت کی نگرانی کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کمان میں انصاری نوجوانوں کا ایک دستہ منتخب

کر دیا گیا۔

اس کے بعد رسول خدا ﷺ نے اسلامی لشکر کی ترتیب فرمائی اور رات ہی کے وقت میدان جنگ میں تشریف لے گئے۔ وہاں پر آپ ﷺ اپنے دست مبارک سے اشارہ فرماتے جارہے تھے کہ یہ جگہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے ان شاء اللہ، یہ جگہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے ان شاء اللہ... یہ جگہ کل ابو جہل کی قتل گاہ ہے ان شاء اللہ۔ آپ ﷺ نے وہیں ایک درخت کی جڑ کے پاس رات گزاری اور اللہ سے دعا کرتے رہے۔ یہ رات 17 رمضان بروز جمعہ 2ھ کی رات تھی۔

دوسری طرف لشکر کفار جب بدر میں اترا تو انھوں نے اسلامی لشکر کا اندازہ لگانے کے لیے عمیر بن وہب جمحی کو بھیجا۔ اس نے قریش سے آکر بتایا کہ اسلامی لشکر کی مقدار قریب تین سو ہے لیکن یہ ایسے لوگ ہیں جن کا اوڑھنا بچھونا ان کی تلواریں ہیں۔ خدا کی قسم! میں سمجھتا ہوں ان کا کوئی بھی آدمی تمھارے آدمی کو قتل کیے بغیر قتل نہ ہوگا۔ اس لیے ذرا اچھی طرح سوچ لو پھر جنگ کرو۔ ادھر ابو جہل دو دو ہاتھ کرنے میں تلا ہوا تھا اس سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا کہ جنگ کیے بغیر واپس مکہ چلو۔ اس معاملے میں حکیم بن حزرم نے کوشش تیز کر دی اور عتبہ بن ربیعہ کے پاس گیا اور کہا، آپ ایک اچھا کام کرلیں جس سے آپ کا نام بھلائی کے ساتھ دنیا میں لیا جائے اور وہ یہ ہے کہ آپ مسلمانوں سے لڑائی کیے بغیر واپس لوٹ جائیں اور اپنے حلیف عمرو بن حضرمی کا معاملہ جسے سریہ نخلہ میں مسلمانوں نے مارا، اپنے ذمہ لے لو۔ عتبہ راضی ہوگیا اور حکیم بن حزام سے کہا کہ تم ابو جہل کو سمجھاؤ۔ جب حکیم بن حزام ابو جہل کے پاس پہنچا تو ابو جہل اس وقت اپنا زِرہ درست کر رہا تھا۔ حکیم نے کہا ابو جہل! مجھے عتبہ نے تمھارے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ مسلمانوں سے جنگ نہ کیا جائے۔ اس پر ابو جہل اکڑ گیا اور کہا کہ عتبہ کا بیٹا ابو حذیفہ خود مسلمانوں کے لشکر میں ہے اس لیے اس کا سینہ سوج گیا ہے۔ ابو جہل نے بات کا رخ پلٹتے ہوئے عامر بن حضرمی جو عمر بن حضرمی کا بھائی تھا سے کہا کہ اٹھو اور اپنے بھائی کے قتل کی دوہائی دو۔ اس پر عامر اٹھا اور ہائے

عمرو، ہائے عمرو کرنے لگا۔ اس پر قوم قریش جوش میں آ گئی اور پھر ان کا ارادہ جنگ کرنے کا ہو گیا۔

اس کے بعد دونوں فوجیں آمنے سامنے آ گئیں۔ رسول خداﷺ نے مشرکین کے لشکر کو جب دیکھا تو فرمایا: اے اللہ! یہ قریش ہیں جو اپنے پورے غرور کے ساتھ تیری مخالفت کرتے ہوئے اور تیرے رسولﷺ کو جھٹلاتے ہوئے آ گئے ہیں۔ اے اللہ! آج انھیں اینٹھ کر رکھ دے۔

اس کے بعد رسول اللہﷺ نے اپنے اسلامی لشکر کی صفیں درست فرمائیں اور لشکر کو ہدایت فرمائی کہ جب تک اسے آپﷺ کا آخری حکم موصول نہ ہو جائے جنگ نہ شروع کرے۔ جنگ کے طور طریق کے متعلق آپﷺ نے یہ رہنمائی فرمائی کہ جب مشرکین جمگھٹ کر کے تمھارے قریب آ جائیں تب تیر چلانا، اپنا تیر نقصان نہ کرنا اور جب تک تم پر چھا نہ جائیں تلوار نہ کھینچنا۔ اس کے بعد آپﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مرکز قیادت کی طرف واپس لوٹے۔ ادھر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنا نگراں دستہ لے کر چھپر کے پاس تعینات ہو گئے۔ رسول خداﷺ مرکز قیادت پر پہنچتے ہی رب قدیر سے نصرت و مدد کا وعدہ پورا کرنے کے لیے دعا کرنے لگے۔ آپﷺ کی دعا تھی:

اللھم اجزلی ما وعدتنی، اللھم انشدک عھدک ووعدک.

اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما دے۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے عہد اور وعدے کا سوال کر رہا ہوں۔

دوسری طرف ابو جہل نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! ہم میں سے جو فریق قربت کو زیادہ کاٹنے والا ہے اسے تو آج توڑ دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جو فریق تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے آج اس کی مدد فرما۔ بعد میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رب قدیر نے یہ آیت نازل فرمائی:

ان تستفتحوا فقد جائکم الفتح. و ان تنتھوا فھو خیر لکم. و ان تعودوا نعد. و لن تغنی عنکم فئتکم شیئا و لو کثرت. و ان اللہ مع المومنین. (سورۃ الانفال. پارہ 9)

ترجمہ: اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو تمھارے پاس فیصلہ آ گیا اور اگر تم باز آ جاؤ تو یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔ لیکن اگر تم (اپنی اس حرکت کی طرف) پلٹو گے تو ہم بھی (تمھاری سزا کی طرف) پلٹیں گے اور تمھاری جماعت اگرچہ زیادہ کیوں نہ ہو، تمھارے کچھ کام نہ آ سکے گی۔ (اور یاد رکھو) اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔

جب دونوں فوج آمنے سامنے ہوگئی تو لشکر کفار سے اسود بن عبد الاسد مخزومی میدان میں یہ کہتے ہوئے نکلا کہ میں مسلمانوں کے حوض کا پانی پی کر رہوں گا ورنہ اسے ڈھا دوں گا۔ ادھر اسلامی فوج سے حضرت حمزہ بن عبد المطلب سامنے آئے اور انھوں نے اسود بن عبد الاسد مخزومی کا کام حوض کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی تمام کر دیا۔ اس کے بعد قریش سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نے عرب دستورِ جنگ کے مطابق مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ مقابلے کے لیے انصار کے تین نوجوان عوف بن حارث، معوذ بن حارث اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنھم میدان میں اترے۔ اس پر عتبہ نے کہا تم لوگ کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم انصار ہیں۔ اس پر عتبہ نے نہایت تکبرانہ انداز میں کہا کہ اے محمد ﷺ! ہمارے مقابلے کے لیے ہماری ذات برادری کے لوگوں میں سے بھیجو۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے عتبہ کے مقابلے کے لیے حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، شیبہ کے مقابلے کے لیے عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور ولید کے مقابلہ کے لیے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ عتبہ نے ان تینوں کے نام دریافت کیا حالاں کہ وہ ان کو خوب پہچانتا تھا پھر کہا ہاں! تم سے لڑیں گے۔ اس کے بعد معرکہ آرائی ہوئی۔ اب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کا اور علی رضی اللہ عنہ نے ولید کا کام فوراً تمام کر دیا۔ لیکن شیبہ کے مقابلے میں حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ جو معمر تھے زخمی ہوگئے، یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے شیبہ کو تہہ تیغ کر دیا اور عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا لائے۔ ان کا پاؤں کٹ گیا تھا اور جنگ کے چوتھے یا پانچویں دن جب مسلمان مدینہ واپس آ رہے تھے وادی صفراء میں ان کی روح پرواز کر گئی۔

اس مقابلہ کا انجام مشرکین مکہ کے لیے بہت برا آغاز تھا اس لیے انھوں نے غصے سے بے قابو ہو کر مسلمانوں پر یک بارگی حملہ کر دیا۔ پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جوابی حملے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

چڑھ دوڑو۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے ان سے جو آدمی ڈٹ کر، ثواب سمجھ کر، آگے بڑھ کر لڑے گا اور مارا جائے گا اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل کرے گا۔ پھر جب جنگ شباب پر آ گئی تو آپ ﷺ نے اللہ سے دعا فرمائی:

اے اللہ! اگر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔

آپ ﷺ نے خوب تضرع کے ساتھ دعا کی یہاں تک کہ کندھوں سے چادر گر گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چادر درست کی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بس فرمایئے! آپ ﷺ نے اپنے رب سے بڑے الحاح کے ساتھ دعا کر لی۔

ادھر اللہ پاک نے فرشتوں کو وحی کی:

انی معکم فثبتوا الذین آمنوا. سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب. (سورۃ الانفال. پارہ 9)

ترجمہ: میں تمھارے ساتھ ہوں۔ تم اہل ایمان کے قدم جماؤ! میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔

اور رسول اللہ ﷺ کے پاس وحی بھیجی:

انی ممدکم بالف من الملئکۃ مردِفین. (سورۃ الانفال. پارہ 9)

ترجمہ: میں ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا جو آگے پیچھے آئیں گے۔

نیز اللہ نے ارشاد فرمایا:

وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین. (سورۂ آل عمران)

ترجمہ: اگر تم اپنے اقوال و افعال میں سچے مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔

پھر آپ ﷺ نے اپنے مرکز قیادت میں دو رکعت نماز پڑھی پھر آپ ﷺ پر تھوڑی دیر کے لیے غنودگی طاری ہو گئی اس کے بعد آپ ﷺ باہر مسکراتے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا: عنقریب یہ جتھہ شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک مٹھی کنکریلی مٹی لی اور قریش کی طرف رخ کر کے فرمایا: شاھت الوجوہ (چہرے بگڑ جائیں) اور ساتھ ہی مٹی ان کے چہروں کی طرف پھینک دی۔ پھر مشرکین میں کوئی بھی نہ بچا جس کی دونوں آنکھوں، نتھنے اور منہ میں اس ایک مٹھی مٹی میں سے کچھ نہ کچھ گیا نہ ہو۔ اسی کے متعلق رب کریم کا ارشاد ہے:

ومارمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمیٰ. (سورۃ الانفال. پارہ 9)

ترجمہ: جب آپ ﷺ نے پھینکا تو درحقیقت آپ ﷺ نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔

رسول خدا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے جس وقت مسلمانوں کو جوابی حملے کا حکم دیا اس وقت دشمن کے حملوں کی تیزی جا چکی تھی۔ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ رسول خدا ﷺ زرہ پہنے خود میدان جنگ کی طرف تیزی سے چلے آ رہے ہیں تو ان کے جوش وخروش میں مزید تیزی آ گئی۔ اب انھوں نے نہایت سخت حملہ کر دیے اور مشرکوں کی گردنیں کاٹنے لگے۔ ادھر فرشتوں نے بھی ان کی مدد فرمائی۔ حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن آدمی کا سر کٹ کر آتا اور یہ پتہ نہ چلتا کہ اسے کس نے مارا ہے جب کہ آدمی کا ہاتھ کٹ کر آتا اور پتا نہ چلتا کہ اس کا ہاتھ کس نے کاٹا ہے۔ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو قید کر کے لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: واللہ! اس نے مجھے قید

نہیں کیا ہے، مجھے تو ایک بغیر بال کے سر والے نے قید کیا ہے، وہ چتکبرے گھوڑے پر سوار تھا۔ اب میں اسے دیکھ نہیں رہا ہوں۔ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! انھیں میں نے قید کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خاموش رہو۔ اللہ نے ایک بزرگ فرشتے سے تمھاری مدد فرمائی ہے۔

اس جنگ میں ابلیس لعین، سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کی شکل میں مشرکین کے لشکر کے ساتھ تھا۔ لیکن جب اس نے فرشتوں کی کارروائیاں دیکھیں تو فرار ہو گیا۔ مشرکین اسے سراقہ ہی سمجھ رہے تھے اور انھوں نے کہا سراقہ! تم کیوں بھاگ رہے ہو؟ کیا تم نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم تمھارے مددگار ہیں۔ اس پر ابلیس لعین جو سراقہ کی شکل میں تھا مشرکوں سے کہا: میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جسے تم نہیں دیکھ رہے ہو۔ اور راہ فرار اختیار کر لی۔

تھوڑی ہی دیر بعد مشرکین کے لشکر میں اضطراب پیدا ہونے لگا اور ان کی صفیں درہم برہم ہونے لگیں۔ ابو جہل اپنی لشکر کو جوش دلا رہا تھا اور مشرکین کے لشکر کا ایک باڑھ جیسا اس کے اردگرد تھا۔ لیکن مسلمانوں کے سخت حملے کے سبب اس کی حفاظتی فوج تتر بتر ہو گئی۔

جنگ بدر کے دن مسلمانوں کے صف میں دو نوعمر نوجوان عبد الرحمٰن بن عوف کے دائیں بائیں تھے کہ ان میں سے ایک نے عبد الرحمٰن بن عوف سے پوچھا کہ مجھے آپ ذرا ابو جہل کی پہچان کرا دیجیے۔ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا بھتیجے! تم ابو جہل کو کیا کرو گے؟ نوعمر نے کہا: مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ کو گالیاں بکتا ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے اسے دیکھ لیا تو اس کا وجود میرے وجود سے الگ نہ ہوگا یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت پہلے لکھی ہو وہ مر جائے۔ اس کے بعد دوسرے جانب کے نوعمر جوان نے عبد الرحمٰن بن عوف سے یہی سوال کیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ ابو جہل گھوڑے پر سوار چکر کاٹ رہا ہے۔ پھر میں نے (عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ) ان دونوں سے کہا، یہ

رہا تمھارا شکار جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔ یہ سن کر دونوں نوعمر جوان جن کا نام معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفراء رضی اللہ عنھما ہے ابوجہل کی طرف دوڑ پڑے۔ حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے گنجائش دیکھتے ہی ابوجہل کے پاؤں پر ایسی تلوار ماری کہ اس کا پاؤں ہی اڑ گیا۔ ادھر عکرمہ بن ابی جہل نے یہ دیکھ کر معاذ بن عمرو پر ایسی ضرب لگائی کہ ان کا ہاتھ کٹ گیا اور بازو کے چمڑے سے لٹک گیا۔ پھر بھی معاذ رضی اللہ عنہ لڑتے رہے اور جب زیادہ پریشانی ہوئی تو اس کٹے ہوئے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے رکھ کر کھینچ دیا جس سے ہاتھ الگ ہوگیا۔ اس کے بعد ابوجہل کے قریب معاذ (معوذ) بن عفراء رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے ایسی ضرب لگائی کہ ابوجہل کا دوسرا پاؤں بھی کٹ گیا پھر وہ وہیں ڈھیر ہوگیا لیکن اس کی سانس آتی جاتی رہی۔ جب کہ معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اس کے بعد مشرکین کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور لشکر اسلام نے انھیں مارتے، کاٹتے اور پکڑتے ہوئے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ مشرکین مکہ کی پوری طرح شکست ہوگئی۔

جب جنگ ختم ہوگئی تو رسول خدا ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا کہ کون ہے جو ابوجہل کا انجام دیکھے؟ اس پر صحابہ رضی اللہ عنھم نے اس کی تلاش شروع کی۔ حضرت عبداللہ بن معوذ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو اس حالت میں پایا کہ اس کی سانس آجارہی تھی اور وہ ادھ مرا زمین پر ڈھیر پڑا تھا۔ حضرت عبداللہ بن معوذ رضی اللہ عنہ ابوجہل کے سینے پر چڑھ بیٹھے اور کہا کہ دشمن خدا دیکھ! تجھے خدا نے کیسا ذلیل کیا۔ ابوجہل نے پوچھا کہ لڑائی کا نتیجہ کیا ہوا۔ عبد اللہ بن معوذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی ہے۔ اور یہ کہہ کر عبد اللہ بن معوذ رضی اللہ عنہ اس کا سر کاٹنے لگے تو اس نے کہا، میرا سر مونڈھوں سے ملا کر کاٹنا تاکہ میرا سر دوسروں کے کٹے ہوئے سروں سے بڑا معلوم ہو اور یہ سمجھا جائے کہ کسی سردار کا سر ہے۔ عبد اللہ بن معوذ رضی اللہ عنہ جو ابوجہل کی گردن پر اپنا پاؤں رکھ چکے تھے، ابوجہل کہنے لگا، او بکری کے چرواہے! تو بڑی اونچی جگہ چڑھ گیا۔ معلوم رہے کہ عبد اللہ بن معوذ رضی اللہ عنہ مکے میں بکریاں

چرایا کرتے تھے۔ اس گفتگو کے بعد حضرت عبداللہ بن معوذ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کا سر کاٹ لیا اور رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے ابوجہل کا سر دیکھ کر تین مرتبہ فرمایا:

''واقعی! اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے کہا:

''اللہ اکبر! تمام حمد اللہ کے لیے ہے۔ جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا سارے گروہوں کو شکست دی۔''

اس کے بعد ابوجہل کی لاش دیکھنے کے لیے میدان جنگ میں آپ ﷺ تشریف لائے اور اس کی لاش دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اس امت کا فرعون ہے۔''

یہ جنگ مشرکین مکہ کی بھاری شکست اور مسلمانوں کی فتح پر ختم ہوئی۔ اس میں چودہ صحابہ رضی اللہ عنھم شہید ہوئے جن میں چھ مہاجر سے تھے اور آٹھ انصار سے۔ جنگ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے صحابہ کو دفن کیا۔ اس جنگ میں مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے تھے اور ستر ہی کے قریب قید کیے گئے تھے جو عموماً قائد اور سردار تھے۔ آپ ﷺ کے حکم سے مشرکین کے لاشوں کو ایک بڑے گڈھے میں ڈال کر مٹی ڈال دی گئی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کے حکم سے بدر کے روز قریش کے چوبیس بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں بدر کے ایک گندے خبیث کنویں میں پھینک دی گئیں۔

اہل مکہ کو جب جنگ بدر کی بدترین شکست کی خبر ملی تو ان کی طبیعت پر اس کا بہت برا اثر پڑا۔ مشرکین مکہ جنگ بدر کے میدان سے اس طرح غیر منظم شکل میں بھگے کہ انھیں اپنے سپہ سالار ابوجہل کی بھی کوئی پرواہ نہیں تھی جو میدان بدر میں ادھ مرا پڑا ہوا تھا۔ مکے میں جو شخص شکست کی خبر سب سے پہلے لے کر پہنچا اس کا نام حیسمان بن عبداللہ خزاعی تھا۔ اہل مکہ کے دریافت کرنے پر جب اس نے بتایا کہ عتبہ، شیبہ، ولید،

ابوجہل وغیرہ سب کے سب سردار قتل کر دیے گئے تو قریش مکہ کے ہوش اڑ گئے۔ اس کے بعد ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب آیا اور اس سے ابولہب نے حالات پوچھا تو اس نے بتایا کہ بس ہم نے اپنے کندھے مسلمانوں کے حوالے کر دیے اور انھوں نے جس طرح چاہا قتل کیا اور جس طرح چاہا قید کیا۔ لیکن اس کے باوجود ہم لوگوں کو ملامت نہیں کر سکتے کیونکہ ہم نے کچھ ایسے گورے چٹے لوگوں کو چتکبرے گھوڑے پر سوار آسمان و زمین کے درمیان دیکھا جو کسی چیز کو نہیں چھوڑتے اور نہ کوئی چیز ان کے سامنے ٹک پاتی۔ اس پر ابو رافع رضی اللہ عنہ جو اس وقت مکہ میں موجود تھے نے کہا کہ خدا کی قسم! وہ فرشتے تھے۔ یہ سن کر ابولہب نے ابو رافع رضی اللہ عنہ کو زور دار تھپڑ مارا۔ اس کے ٹھیک سات دن بعد اللہ نے اسے عدسہ (ایک قسم کی طاعون) میں مبتلا کر دیا۔ عدسہ کی گلٹی کو عرب بہت منحوس سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس بیماری میں ابولہب مر گیا اور تین دن تک مرا ہوا پڑا رہا۔ آخر کار اس کے بیٹوں کو لوگوں سے شرم آئی تو ایک گڈھا کھود کر اسی میں لکڑی سے اس کی لاش کو دھکیل کر ڈالدی اور دور سے ہی پتھر پھینک پھینک کر چھپا دیا۔

ادھر مشرکین مکہ نے اپنے مقتولین پر نوحہ کرنے پر بھی مکہ میں پابندی لگادی۔ اس سلسلے کا ایک مزیدار واقعہ یہ ہے کہ جنگ بدر میں اسود بن عبد المطلب کے تین بیٹے مارے گئے تھے اور وہ ان پر رونا چاہتا تھا وہ خود اندھا تھا۔ ایک رات اس نے نوحہ کرنے والی عورت کی آواز سنی تو اس نے فوراً اپنے غلام کو یہ پتہ لگانے کے لیے بھیجا کہ دیکھو کیا نوحہ کرنے کی اجازت مل گئی ہے تاکہ میں اپنے بیٹوں پر روؤں۔ غلام نے واپس آکر بتایا کہ نوحہ کرنے کی اجازت تو نہیں ملی ہے بلکہ یہ عورت اپنے گم شدہ اونٹ پر رو رہی ہے۔ اس بات کو جب اسود نے سنا تو اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا اور کہنے لگا:

> ''کیا وہ اس بات پر روتی ہے کہ اس کا اونٹ غائب ہوگیا اور اس کی نیند اس کے لیے حرام ہوگئی ہے۔ تو اونٹ پر نہ رو بلکہ بدر پر رو جہاں قسمتیں پھوٹ گئیں۔ ہاں! ہاں! بدر پر رو جہاں بنی ہصیص، بنی مخزوم اور ابو الولید کے قبیلے

کے سر برآوردہ افراد ہیں۔ اگر رونا ہی ہے تو عقیل پر رو اور حارث پر رو جو شیروں کا شیر تھا۔ تو ان لوگوں پر رو۔ اور ابوحکیم کا تو کوئی ہمسر ہی نہ تھا۔ دیکھو! ان کے بعد ایسے ایسے لوگ سردار ہو گئے ہیں کہ اگر بدر کا دن نہ ہوتا تو وہ سردار نہ ہو سکتے تھے۔"

ادھر جب میدان بدر میں مسلمانوں کی فتح مل چکی تو رسول خدا ﷺ نے اہل مدینہ کو فوراً خوش خبری پہنچانے کے لیے دو قاصد بھیجے۔ ایک حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جنھیں عوالی (بالائی مدینہ) کے باشندوں کے پاس روانہ فرمائے دوسرے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زیریں مدینہ کے باشندوں کے پاس روانہ فرمائے، جب یہ خبر مدینہ میں پہنچی اس وقت بقول اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ... رسول خدا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر حضرت رقیہ رضی اللہ عنھا کو جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں دفن کر کے مٹی برابر کر رہے تھے جن کی تیمار داری کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ہی چھوڑ دیا تھا۔

دوسری طرف مدینے میں یہود و منافقین یہ افواہ پھیلائے ہوئے تھے کہ مسلمان جنگ میں شکست کھا چکے ہیں اور رسول اللہ ﷺ قتل کیے جا چکے ہیں۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ کے قاصدوں کے ذریعہ جب مسلمانوں کی فتح کی خبر مدینہ پہنچی تو ہر طرف تکبیر وتہلیل کی صدائیں گونجیں اور جو سر برآوردہ مسلمان مدینہ میں رہ گئے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کو فتح کی مبارک باد پیش کرنے کے لیے بدر کے راستے کی طرف نکل پڑے۔

نبی محترم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ دستور تھا کہ جب آپ ﷺ کسی قوم پر فتح پاتے تو تین دن میدان جنگ میں ہی قیام فرماتے۔ لہٰذا جب جنگ بدر کا تیسرا دن آیا تو آپ ﷺ کے حکم سے آپ ﷺ کی سواری پر کجاوہ کسا گیا پھر آپ ﷺ بدر کے اس کنویں پر تشریف لائے جس میں مشرکین کی لاشیں پھینک دی گئی تھیں۔ آپ ﷺ نے اس کنویں کے کنارے کھڑے ہو کر مقتولین مشرکین کے نام لے لے کر آواز لگائی کہ اے فلاں ابن فلاں! کیا تمھیں یہ بات خوش آتی ہے کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول

ﷺ کی اطاعت کی ہوتی؟ کیونکہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے ہم نے برحق پایا۔ کیا تم سے تمھارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے تم نے برحق پایا؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ ﷺ ایسے جسموں سے کلام کررہے ہیں جن میں روح نہیں ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو، فرق یہ ہے کہ یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔

اس جنگ میں کافی مقدار میں مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ لیکن اس کے بٹوارے میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ جنگ میں مشرکین جب شکست کھا کر بھاگے تو مسلمانون کا ایک گروہ ان کا تعاقب کرکے ان کو گرفتار کرنے میں لگ گیا۔ دوسرا گروہ رسول اللہ کی نگرانی کرنے لگا کہ کہیں دھوکے سے مشرکین آپ ﷺ پر حملہ نہ کردیں اور تیسرے گروہ نے مال غنیمت اکٹھا کرنا شروع کیا۔ جب جنگ ختم ہوئی تو جس گروہ نے مال غنیمت اکٹھا کیا تھا اس نے دوسرے لوگوں کو دینے سے انکار کردیا کہ ہم نے اسے اکٹھا کیا ہے۔ جو گروہ مشرکوں کا تعاقب کرکے قیدی بنانے میں لگا تھا اس نے کہا کہ چونکہ مال سے دشمن کو ہم نے ہی دور رکھا اس لیے اس پر میرا حق زیادہ ہے۔ اور جو گروہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت فرما رہا تھا اس نے اپنا حق ثابت کیا۔ اس پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی:

یسئلونک عن الانفال. قل الانفال لله و الرسول. فاتقوا الله و اصلحوا ذات بینکم و اطیعوا الله ورسوله ان کنتم مؤمنین.

(سورۃ الانفال. پارہ 9)

ترجمہ: لوگ آپ ﷺ سے مال غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ پس اللہ سے ڈرو، اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرلو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اگر واقعی تم لوگ مومن ہو۔

جب رسول اللہ ﷺ جنگ بدر میں فتح یاب ہوکر اور وہاں پر تین دن قیام کرکے

مدینے کی طرف چلے تو راستے میں وادی صفراء کے درے سے باہر نکلے تو ایک ٹیلے پر پڑاؤ ڈالا جہاں مال غنیمت سے خمس (پانچواں حصہ) نکال کر باقی مال مسلمانوں میں برابر برابر تقسیم فرمادی۔ یہیں پر آپ ﷺ کے حکم سے نضر بن حارث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ پھر آپ ﷺ جب عرق الظبیہ پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کی گردن مارنے کا حکم دیا اور عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن ماردی۔ یہ دونوں اسلام دشمنی میں ابوجہل کے ہمسر تھے۔ عقبہ بن ابی معیط وہی شخص ہے جس نے آپ ﷺ کی گردن اور پیٹھ پر نماز کی حالت میں اوجھ ڈالی تھی اور اسی نے آپ ﷺ کی گردن میں چادر لپیٹ کر قتل کرنا چاہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ جب مقام روحاء پہنچے تو مدینہ کے ان مسلمانوں سے ملاقات ہوئی جو قاصدوں کے ذریعہ فتح کی خوش خبری سن کر آپ ﷺ کو مبارک باد دینے کے لیے مدینے سے نکل پڑے تھے۔ جب آپ ﷺ شہر مدینہ میں داخل ہوئے تو اس فتح کے اثر سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اسی موقع پر عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے بھی دکھاوے کے لیے اسلام قبول کر لیا۔

جنگ بدر کے مشرکین قیدی جب مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے ان کو اصحاب کرام میں تقسیم فرما کر حکم دیا کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ اس وصیت کا یہ نتیجہ ہوا کہ صحابہ کھجور کھا کر گزارہ کرتے اور قیدیوں کو روٹیاں کھلاتے۔

اس کے بعد اسیران جنگ کے متعلق مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ ان قیدیوں کے اندر جو جس کا قریبی ہے وہ اس کی گردن ماردے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ جزیہ لے کر انھیں چھوڑ دیا جائے، اس سے مسلمانوں کی معیشت میں کچھ سدھار ہو جائے گی اور ہوسکتا ہے کہ اللہ انھیں ہدایت دے اور یہ اسلام قبول کر لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند فرمائی۔ فدیہ کی مقدار چار ہزار درہم سے ایک ہزار درہم تک کی تھی، اس کے علاوہ اسیران جنگ میں جو فدیہ نہیں دے سکتے تھے ان سے

کہا گیا کہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سیکھا دو اور آزاد ہو جاؤ۔ چنانچہ کچھ قیدی اس طرح بھی آزاد ہوئے۔ کچھ قیدیوں پر احسان فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے فدیہ لیے بغیر ہی چھوڑ دیا۔ اس فہرست میں مطلب بن حنطب، صیفی بن ابی رفاعہ اور ابو عزہ جمحی کا نام آتا ہے۔

قیدیوں میں آپ ﷺ کے داماد حضرت ابو العاص بھی تھے جن کو چھڑانے کے لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے گلے کا ہار بھیجا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا کا ہار دیکھا تو انھیں اپنی غمگسار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد آ گئی اور آپ ﷺ پر رقت طاری ہوگئی۔ کیونکہ یہ ہار درحقیقت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور انھوں نے جب زینب رضی اللہ عنہا کو ابو العاص کے پاس رخصت کیا تھا تو یہ ہار دیا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم سے اجازت چاہی کہ اگر تم اجازت دو تو میں اس ہار کو زینب رضی اللہ عنہا کے پاس واپس بھیج دوں کیونکہ یہ ہار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نشانی ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم نے قبول فرمالیا اور آپ ﷺ نے ہار کو زینب رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا اور ابو العاص کو چھوڑ دیا اور وہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئیں۔ ان کی ہجرت کا واقعہ بہت المناک ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور ایک اور صحابی انصار کو بھیجا کہ تم دونوں بطن یاجج میں رہنا اور جب زینب رضی اللہ عنہا تمھارے پاس سے گزریں تو ساتھ ہو لینا۔ لہٰذا یہ حضرات حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر مدینہ آئے۔ اس واقعے کے چھ برس بعد ابوالعاص نے اسلام قبول کیا۔

اس جنگ میں باپ بیٹے اور بھائی بھائی ایک دوسرے کے مخالف آمنے سامنے تھے۔ اصولوں کے اختلاف پر تلواریں بے نیام ہوئیں اور مظلوم و مقہور، ظالم و قاہر سے ٹکرائے۔ اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا کہ:

> ''مجھے معلوم ہے کہ بنو ہاشم وغیرہ کے کچھ لوگ اس جنگ میں زبردستی چلے آئے ہیں اور انھیں ہماری جنگ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ لہٰذا بنو ہاشم کا

کوئی آدمی کسی کی زد میں آجائے، حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کسی کی زد میں آجائیں، ابو البختری بن ہشام کسی کی زد میں آجائے تو انھیں قتل نہ کرے۔"

اس پر عتبہ کے صاحبزادے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم اپنے باپ، بیٹوں، بھائیوں اور کنبے قبیلے کو قتل کریں گے اور عباس کو چھوڑ دیں گے۔ خدا کی قسم! اگر میری مڈبھیڑ عباس سے ہوگئی تو میں انھیں تلوار کی لگام پہنا دوں گا۔ یہ خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا، کیا رسول اللہ کے چچا کے چہرے پر تلوار ماری جائے گی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے چھوڑ یئے میں تلوار سے اس کی گردن اڑادوں کیونکہ بخدا یہ منافق ہوگیا ہے۔ بعد میں ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اس دن جو میں نے بات کہہ دی اس کی وجہ سے میں مطمئن نہیں ہوں، میری شہادت ہی اس کا کفارہ بن سکتی ہے اور وہ بالآخر یمامہ کی جنگ میں شہید ہوگئے۔ اس جنگ میں عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا تھا۔

اس غزوے کے تعلق سے سورۂ انفال نازل ہوئی جو درحقیقت اس غزوے پر خدائی تبصرہ ہے۔ 2ھ میں رمضان المبارک کا روزہ فرض ہوا۔ اسی سال آپ ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اور اپنی چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا۔ اسی سال شوال 2ھ میں مسلمانوں نے پہلی عید منائی۔ کتنی خوشگوار تھی یہ عید جس کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سر پر فتح کا تاج رکھنے کے بعد عطا فرمائی۔ اللہ پاک نے اس نعمت کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے:

واذکروا اذا انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاویکم و ایدکم بنصرہ و رزقکم من الطیبٰت لعلکم تشکرون. (سورۃ الانفال. پارہ 9)

ترجمہ: اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، زمین میں کمزور بنا کر رکھے گئے تھے کہ لوگ تمھیں اچک لے جائیں گے۔ پس اس نے تمھیں ٹھکانہ مرحمت فرمایا اور اپنی مدد کے ذریعے تمھاری تائید کی اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے روزی دی تا کہ تم لوگ اس کا شکر ادا کرو۔

غزوۂ بدر کے بعد کفار مکہ کا جوش انتقام

غزوۂ بدر میں شکست کھانے کے بعد کفار مکہ کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور پورے مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہانڈی کے پانی کی طرح کھولنے لگے۔ کفار مکہ کا سردار ابوسفیان بنے اور یہ قسم کھائی کہ جب تک بدر کا بدلہ نہ لے لوں گا اس وقت تک سر میں تیل نہ ڈالوں گا اور نہ ہی غسل کروں گا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک بدر کا بدلہ نہ لوں گی تب تک زینت نہیں اختیار کروں گی۔ غزوۂ بدر کے دو مہینہ کے بعد ابوسفیان نے دوسو سواروں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کر دیا۔ جب رسول اللہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ مقابلے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ نکل پڑے۔ اسلامی فوج کی آمد کی خبر سنتے ہی ابوسفیان اپنے لشکر کے ساتھ بھاگ نکلا اور بدحواسی میں اپنے ستو کی تھیلیاں راستے میں پھینکتا گیا۔

مشرکین کے علاوہ مسلمانوں کے دشمن یہود مسلمانوں کا غزوۂ بدر میں فتح دیکھ کر بدحواس ہو گئے تھے اور مسلمانوں کو ملی فتح سے جل بھن رہے تھے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

لتجدن اشد الناس عداوة للذين آمنوا اليهود والذين اشركوا.

(سورة المائده. پاره 6)

ترجمہ: تم اہل ایمان کا سب سے زبردست دشمن یہود کو پاؤ گے اور مشرکین کو۔

اس کے علاوہ مدینے کے گرد ونواح کے بدو جو لٹیرے قسم کے تھے اور جنھیں اسلام و کفر سے کوئی سروکار نہیں تھا، مسلمانوں کے دشمن بن بیٹھے۔ کیونکہ انھیں خطرہ ہوگیا کہ مدینہ بھی اگر ایک مضبوط حکومت بن گئی تو ان کی رہزنی کا کام بند ہوجائے گا۔ کچھ ایسے لوگ تھے جو اپنی عزت بچانے کی خاطر کوئی دوسرا راستہ نظر نہ آتا دیکھ کر اسلام قبول کر لیے تھے۔ اس گروہ میں عبد اللہ بن ابی اور اس کے رفقا بھی تھے۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں، دسیسہ کاریوں اور لڑانے بھڑانے کے کام میں لگے رہتے تھے۔

اس طرح مسلمانان مدینہ غزوۂ بدر کے بعد چاروں طرف سے خطرے میں گھر گئے اور ہر فریق نے اپنے اپنے طور پر مسلمانوں سے دشمنی شروع کردی۔ ان خطرات سے نمٹنے کے لیے مسلمانوں نے اہم اقدامات کیے جس سے رسول اللہ ﷺ کی قائدانہ عبقریت کا پتہ چلتا ہے۔ جنگ بدر کے بعد مدینے کے شعبۂ اطلاعات نے رسول اللہ کو یہ خبر دی کہ قبیلۂ غطفان کی شاخ بنوسلیم کے لوگ مدینے پر چڑھائی کرنے والے ہیں۔ یہ خبر سن کر رسول خدا ﷺ دوسو سواروں کے ساتھ ان کے منازل کدہ پر اچانک پہنچ گئے۔ اس اچانک حملے سے بنوسلیم میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ اپنے پانچ سو اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے جس پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا خمس نکال کر بقیہ مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کردیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد صفوان بن امیہ نے جس کا باپ امیہ اور بھائی علی دونوں جنگ بدر میں مارے گئے تھے، عمیر بن وہب جمحی کو خفیہ طور پر آمادہ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرے اور وہ بھی مدینہ میں جا کر۔ معاملہ یوں طے ہوا کہ صفوان اس کا قرض ادا کرے گا جو قرض عمیر بن وہب جمحی کا پہلے سے تھا اور اس کے اہل وعیال کی دیکھ بھال کرے گا۔ پھر عمیر بن وہب زہر آلود تلوار لے مکہ سے مدینہ پہنچا۔ لیکن ابھی وہ مسجد نبوی کے دروازے پر اپنی اونٹنی بیٹھا ہی رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر اس پر پڑی اور انھیں شبہ گزرا۔ وہ عمیر بن وہب کی تلوار کا

قبضہ پکڑ کر آپ ﷺ کے پاس اسے لے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمر! تم عمیر بن وہب کو چھوڑ دو۔ پھر آپ ﷺ نے اسے قریب بلا کر پوچھا کہ کیوں آئے ہو؟ عمیر نے جواب دیا کہ میرا بیٹا وہب بن عمیر قیدیوں میں شامل ہے اسے چھڑانے کے لیے آیا ہوں۔ آپ ﷺ مجھ پر رحم کریں اور میرے بیٹے کو آزاد کردیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا، تم کو صفوان نے میرے قتل کے لیے بھیجا ہے۔ تم اور صفوان بن امیہ حطیم میں بیٹھے قریش کے جو مقتولین بدر کے کنویں میں پھینکے گئے ان کا تذکرہ کر رہے تھے۔ پھر تم نے کہا اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور میرے اہل وعیال نہ ہوتے تو میں یہاں سے مدینہ جا کر محمد ﷺ کو قتل کردیتا۔ اس پر صفوان نے تمھارا قرض اور تمھارے اہل وعیال کی ذمہ داری لی بشرطیکہ تم مجھے قتل کردو۔ لیکن یاد رکھو کہ اللہ میرے اور تمھارے درمیان حائل ہے۔ عمیر بن وہب نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور میں مسلمان ہوتا ہوں کیونکہ اس بات کو میرے اور صفوان اور خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ لہٰذا مجھے یقین ہے کہ یہ بات اللہ کے سوا آپ ﷺ تک کسی نے نہیں پہنچائی۔ پھر عمیر بن وہب نے اسلام قبول کرلیا۔

ادھر مکہ میں صفوان بن امیہ کہتا پھرتا تھا کہ تم لوگ جلدی ہی ایک ایسی خوش خبری سنو گے کہ بدر کا غم بھول جاؤ گے اور عمیر کے متعلق مدینہ آنے جانے والوں سے پوچھتا رہتا تھا۔ بالآخر ایک سوار نے اسے بتایا کہ عمیر بن وہب مسلمان ہوگیا ہے۔ یہ سن کر صفوان نے قسم کھائی کہ اب وہ کبھی اس سے بات نہ کرے گا اور نہ اس کے ساتھ بھلائی کرے گا۔ ادھر عمیر بن وہب اسلام قبول کر کے پھر دین سیکھ کر کے مکہ پہنچے اور تبلیغ اسلام شروع کردی۔ ان کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

مدینے کے یہودی غزوۂ بدر کی مسلمانوں کی فتح سے کافی حسد میں مبتلا تھے۔ وہ اب مسلمانوں سے کھلم کھلا دشمنی کر رہے تھے اور مسلمانوں سے جو عہد ہوا تھا اس کی کوئی پرواہ نہیں کر رہے تھے۔ تینوں یہودی قبائل میں سب سے زیادہ بدمعاش عہد کو سب سے پہلے توڑنے والا بنو قینقاع تھے۔ جن کی بدتمیزی کی حد یہ ہوئی کہ انھوں نے ایک

مسلم عورت جو ایک یہودی سونار کے پاس کسی ضرورت سے آئی تو سونار نے اس کا چہرا کھولنے کو کہا، جب عورت نے انکار کیا تو اس پر سونار نے چپکے سے عورت کے کپڑے کا نچلا کنارا اس کی پچھلی طرف باندھ دیا۔ جب عورت کھڑی ہوئی تو بے پردہ ہوگئی اور یہودی ہنسنے لگے۔ اس عورت کی چیخ سن کر ایک مسلمان نے یہودی پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا اور یہودیوں نے بھی اس مسلمان کو مار ڈالا۔ اس کے بعد مسلمان کے گھر والوں نے یہودیوں کے خلاف مسلمانوں سے فریاد کی۔

اس واقعے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ اس لیے مدینے کا انتظام ابو لبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو سونپ کر حضرت حمزہ بن عبد المطلب کے ہاتھوں میں اسلام کا جھنڈا دے کر 15 شوال بروز جمعہ 2ھ بنو قینقاع کا رخ کیا اور ان کا محاصرہ کرلیا۔ بنو قینقاع لشکر اسلام کو دیکھ کر گڑھیوں میں قلعہ بند ہوگئے اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ پندرہ دن کے بعد انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیا کہ آپ ﷺ جو فیصلہ کریں گے انھیں منظور ہوگا۔ لیکن اس موقع پر منافق عبد اللہ بن ابی نے آپ ﷺ کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا اور آپ ﷺ سے احسان کرنے پر اڑا رہا۔ بالآخر آپ ﷺ نے اس منافق کی بات کی رعایت کرتے ہوئے بنو قینقاع کو مدینے سے نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ شام کی طرف چلے گئے جہاں اکثر کی موت ہوگئی۔ آپ ﷺ نے ان کے اموال ضبط کرلیے۔ کعب بن اشرف یہودیوں میں وہ شخص تھا جو مکہ جا کر قریش مکہ کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے بھڑکایا تھا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے اس کو قتل کرنے کو فرمایا۔ اس حکم کی تعمیل محمد بن مسلمہ، عبادہ بن بشر، ابو نائلہ، حارث بن اوس اور ابو عبس بن جبر رضی اللہ عنھم نے کی۔ یہودیوں نے آپ ﷺ کے اس قدم پر چوں نہ کیا۔ اب انھیں سمجھ میں آگیا کہ نصیحت نہ ماننے پر رسول اللہ طاقت کا استعمال کرسکتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ اس کے بعد مسلمان مدینہ کے اندر کی بہت سی مشکلات کے بار گراں سے سبکدوش ہوگئے۔

غزوۂ احد، شوال 3ھ

قریش مکہ غزوۂ بدر میں شکست کھانے کے بعد مسلمانوں کے خلاف غیض وغضب سے کھول رہے تھے لہٰذا وہ مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، ابوسفیان بن حرب اور عبد اللہ بن ربیعہ اس مقابلے میں سب سے آگے آگے تھے۔ انھوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ ابوسفیان کا وہ قافلہ جو غزوۂ بدر کا سبب بنا، بچ بچا کر مکہ پہنچ گیا تھا اس کا سارا مال مسلمانوں کے خلاف جنگی اخراجات کے لیے روک لیا جائے۔ جن لوگوں کا یہ مال تھا انھوں نے بھی سرداران قریش کی بات مان لی۔ چنانچہ یہ سارا مال جن کی مقدار ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار تھی جنگ کی تیاری کے لیے بیچ ڈالا گیا۔

کفار مکہ نے ملک عرب کے دوسرے قبیلوں کے لیے شعرا روانہ کیے کہ وہ ان کے جذبات کو مسلمانوں کے خلاف ابھاریں۔ چنانچہ انھوں نے قریش کی حمایت و تعاون پر لوگوں کو آمادہ کیا۔ یہاں تک کہ ابوعزہ جو ایک شاعر تھا اور وہ غزوۂ بدر میں قیدی بھی ہوا تھا، آپ ﷺ نے اس پر احسان فرماتے ہوئے اس وعدے پر بلا فدیہ چھوڑ دیا تھا کہ اب وہ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف نہیں بھڑکائے گا۔ اس نے بھی رسول اللہ ﷺ سے کیے گئے عہد و پیمان کو توڑ دیا اور صفوان بن امیہ کے ابھارنے پر قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے لگا۔ چنانچہ تمام بنو کنانہ اور اہل تہامہ قریش کے ساتھ شریک ہوگئے۔ مکہ کے حبشی غلاموں کو بھی شریک جنگ کرلیا اور بہادری کا جوش دلانے والی عورتوں کو بھی قریش مکہ نے ساتھ لے لیا جس کی لیڈر ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی۔ ہندہ کے ساتھ پندرہ عورتوں کا ایک جھنڈ بھی تھا۔

غزوۂ احد کے اسباب میں ایک خاص وجہ سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہے جس نے قریش مکہ کے رنج والم پر آگ میں تیل کا کام کیا۔ ہوا یہ کہ شام کے لیے اہل مکہ کی تجارت مسلمانوں کے حملے کے سبب دشوار گزار ہوگئی تو اہل مکہ نے عراق ہوتے

ہوئے اپنی تجارت کا سامان صفوان بن امیہ کی قیادت میں شام روانہ کیا۔ ادھر نعیم بن مسعود نے نشے کی حالت میں بادہ نوشی کی مجلس میں سلیط بن نعمان سے اہل مکہ کے تجارتی قافلہ کی تفصیل کہہ سنائی۔ اس وقت ابھی شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔ سلیط بن نعمان رضی اللہ عنہ نے برق رفتاری سے مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ رسول اللہ ﷺ نے سو سواروں کا ایک لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں روانہ کیا۔ چنانچہ قریش کا قافلہ بے خبری کے عالم میں قردہ نامی ایک چشمہ پر پڑاؤ ڈالنے کے لیے اتر رہا تھا کہ مسلمانوں نے اچانک حملہ کر دیا، صفوان بن امیہ کو بھاگنے کے سوا کوئی چارہ دکھائی نہ دیا۔ چاندی کے برتن اور چاندی کی بہت بڑی مقدار کے علاوہ قریش کے دو سو آدمی بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ تقریباً ایک لاکھ درہم کا مال غنیمت مسلمانوں نے حاصل کیا۔ آپ ﷺ نے مال غنیمت سے خمس نکال کر بقیہ مال لشکر اسلام میں تقسیم کر دیا۔ قیدیوں میں فرات بن حیان نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول کر لیا۔

جنگ بدر کے بعد قریش مکہ کے لیے یہ سب سے الم انگیز واقعہ تھا جس سے وہ بوکھلا اٹھے اور مسلمانوں کے دیار میں گھس کر ان پر حملہ کرنے کی بڑی زور و شور سے تیاری شروع کر دی۔ ایک سال ہوتے ہوتے ان کی تیاری مکمل ہوگئی۔ پھر تین ہزار جنگ جو بہادروں کا لشکر ماہ شوال کی ابتدائی تاریخوں میں مدینہ کے لیے روانہ ہوا۔ اس لشکر کے سپہ سالار ابوسفیان تھے اور رسالے کی کمان خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھی اور عکرمہ بن ابی جہل ان کا معاون بنایا گیا۔ اس لشکر کفار کے پاس تین ہزار اونٹ، دو سو گھوڑے اور سات سو زِرہیں تھیں۔ ان کا پرچم قبیلۂ بنی عبد الدار کے ہاتھ میں تھا۔

لشکر قریش کی مدینہ روانگی کی اطلاع حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک خط کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو دی۔ جب آپ ﷺ کو خط ملا اس وقت آپ ﷺ قباء میں تھے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر آپ ﷺ کو سنایا تو پہلے آپ ﷺ نے انھیں راز داری کی تاکید فرمائی اور فوراً مدینہ پہنچ کر انصار و مہاجرین کے

قائدین سے صلاح ومشورہ کیا۔ مسلمانان مدینہ اچانک صورت حال سے نمٹنے کے لیے ہر وقت ہتھیار بند رہنے لگے۔ یہاں تک کہ نماز میں بھی ہتھیار کو الگ نہیں رکھا جاتا تھا۔ انصار مدینہ کا ایک مختصر سا دستہ جس میں سعد بن معاذ، رسید بن حجر اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنھم تھے، رسول اللہ ﷺ کی نگرانی کے لیے تیار ہوگیا۔

ادھر لشکر کفار جب مدینہ کو جاتے ہوئے مقام ابواء پہنچا تو ہندہ نے یہ تجویز پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ کی قبر کو اکھیڑ دی جائے۔ لیکن قائدین لشکر نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا کیونکہ وہ قبر کے دروازے کو کھولنے کے بعد کے سنگین نتائج سے خوفزدہ تھے۔ اس کے بعد یہ لشکر کفار کوہ احد کے قریب عینین نامی ایک مقام پر جو مدینہ کے شمال میں وادیٔ قناۃ کے کنارے ایک بنجر زمین ہے پڑاؤ ڈال دیا۔ اس دن شوال کی چھ تاریخ تھی، جمعہ کا دن تھا اور ہجرت کا تیسرا سال۔

ادھر مدینے کے ذرائع اطلاعات نے لشکر کفار کے آخری پڑاؤ کی خبر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچائی تو اس وقت آپ ﷺ نے فوجی ہائی کمان کی مجلس شوریٰ منعقد فرمائی۔ آپ ﷺ نے انھیں اپنا دیکھا ہوا ایک خواب کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ واللہ میں نے ایک بھلی چیز دیکھی ہے۔ میں نے دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح کی جارہی ہیں، میری تلوار کے سر پر کچھ شکستگی ہے، اور میں نے اپنا ہاتھ ایک محفوظ زرہ میں داخل کیا۔ پھر آپ ﷺ نے گائے ذبح کرنے کی یہ تعبیر بتلائی کہ کچھ صحابہ قتل کیے جائیں گے۔ تلوار میں شکستگی کی یہ تعبیر بتلائی کہ آپ ﷺ کے گھر کا کوئی آدمی شہید ہوگا اور محفوظ زرہ کی مراد شہر مدینہ ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دشمن سے دفاعی حکمت عملی کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنھم سے اپنی رائے پیش کیا کہ مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ اگر دشمن اپنے پڑاؤ میں رہتے ہیں تو ان کا یہ قیام بے کار ہوگا اور اگر مدینہ میں آگھستے ہیں تو ہم گلی کوچوں میں ان سے جنگ کریں گے اور عورتیں چھتوں سے سنگ باری کریں گی۔ یہی صحیح رائے تھی اور اس پر منافق عبد اللہ بن ابی بھی راضی تھا۔ لیکن مسلمانوں کا وہ گروہ جو جنگ بدر میں شامل نہیں ہو پایا تھا وہ شہر سے باہر نکل کر جنگ

کرنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی نوجوان جو بدر میں شامل تھے اور اپنا جوہر دکھلا چکے تھے وہ بھی شہر سے باہر مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ اسلامی سپاہی کہہ رہے تھے کہ شہر بند ہو کر مقابلہ کرنے سے کمزوری ثابت ہوگی جب کہ فوج میں ان کی مقدار زیادہ تھی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے جمعہ کی نماز ادا کی اور نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے، وہاں سے زرہ پہن کر اور مسلح ہو کر باہر تشریف لائے۔ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ جنگی لباس پہن کر باہر تشریف لائے ہیں تو انھیں اس بات کا احساس ہوا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے رائے کی تائید کرنی چاہیے تھی۔ چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم رسول اللہ ﷺ سے عرض پرداز ہوئے کہ ہمیں آپ ﷺ کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ آپ ﷺ کو جو پسند ہو وہی کریں۔ اگر آپ ﷺ کو پسند ہے کہ مدینہ میں رہیں تو ایسا ہی کیجیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نبی کے لیے یہ زیب نہیں دیتا کہ جب اپنا جنگی لباس پہن لے تو پھر اتار دے یہاں تک کہ اللہ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرما دے۔

لہٰذا آپ ﷺ نماز عصر کے بعد ایک ہزار اسلامی فوج کے ساتھ مشرکین مکہ سے مقابلہ کے لیے نکل پڑے اور مدینہ میں اپنا قائم مقام حضرت ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بنا دیا۔ اس اسلامی لشکر کے پاس ایک سو زرہ پوش اور پچاس شہسوار تھے۔ آپ ﷺ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا:

1۔ **مہاجرین کا دستہ:** اس کا پرچم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا۔

2۔ **قبیلۂ اوس (انصار) کا دستہ:** اس کا پرچم حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

3۔ **قبیلۂ خزرج (انصار) کا دستہ:** اس کا پرچم حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

جب آپ ﷺ مدینہ سے شمال کی طرف کچھ آگے بڑھے تو یہود کا ایک دستہ مشرکین کے خلاف آپ ﷺ کی مدد کے لیے پہنچا، یہ خزرج کا حلیف تھا۔ آپ ﷺ

نے دریافت فرمایا کہ کیا یہ مسلمان ہو چکے ہیں؟ اس پر لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اہل شرک کے خلاف یہود سے مدد لینے سے انکار کر دیا۔ پھر جب آپ ﷺ شیخان نام کی ایک جگہ پر پہنچے تو لشکر اسلام کا معائنہ فرمایا اور جو لوگ کم سن اور نا قابل جنگ نظر آئے انھیں واپس مدینہ بھیج دیا۔

البتہ لم عمری کے باوجود حضرت رافع بن خدیج اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما کو جنگ میں شرکت کی اجازت اس لیے مل گئی کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بڑے ماہر تیر انداز تھے۔ پھر جب سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے کہا کہ میں رافع سے زیادہ طاقت ور ہوں اور اسے پچھاڑ سکتا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے سامنے دونوں کی کشتی کرائی تو واقعی سمرہ رضی اللہ عنہ نے رافع رضی اللہ عنہ کو پچھاڑ دیا۔ لہٰذا سمرہ رضی اللہ عنہ کو اجازت مل گئی۔ اب چونکہ شام ہوگئی تھی لہٰذا اسی مقام پر آپ ﷺ نے مغرب وعشا کی نماز پڑھی اور رات بھی گزاری۔ پچاس صحابی رسول ﷺ پہرے کے لیے تعینات کیے گئے۔

عبداللہ بن ابی اور منافقین کی شرارت: رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز سے کچھ پہلے شیخان سے چل پڑے اور مقام شوط پہنچ کر صبح کی نماز ادا کی۔ اب آپ ﷺ دشمن کے بالکل قریب تھے اور دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ یہی وہ نازک مقام تھا جس وقت رئیس منافق ابن ابی نے اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور کہا کہ چونکہ اس کی رائے مدینہ میں رہ کر ہی دفاع کرنے کی نہ مانی گئی اس لیے خواہ مخواہ جان گنوانے کی کیا ضرورت ہے۔ حالاں کہ عبداللہ بن ابی کا منشا اسلامی فوج کے حوصلے توڑنے اور ان میں اضطراب بپا کرنے کا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ اپنے سات سو سپاہی لے کر دشمن کی طرف بڑھے اور احد پہاڑ کی گھاٹی میں پہنچے اور اپنے لشکر کا کیمپ لگوایا۔ سامنے مدینہ تھا اور پیچھے احد کا بلند و بالا پہاڑ۔ اس طرح مشرکین کا لشکر مسلمانوں اور مدینے کے درمیان حد فاصل بن گیا۔

احد پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کا دفاعی منصوبہ: اسلامی لشکر کے کیمپ لگوانے کے بعد

رسول خدا محمد ﷺ نے اپنے فوج کی ترتیب فرمائی۔ ماہر تیر اندازوں کا پچاس نفری ایک جنگی دستہ منتخب فرما کر وادی قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی پر جو اَب جبل رماۃ کے نام سے جانا جاتا ہے تعینات کیا۔ یہ پہاڑی اسلامی کیمپ سے تقریباً ڈیڑھ سو میٹر جنوب و مشرق میں واقع تھی۔ اس پہاڑی کے پیچھے سے دشمن کے پہنچ جانے کا خطرہ تھا اس لیے آپ ﷺ نے تیر اندازوں کے کمانڈر حضرت عبد اللہ بن جبیر بن نعمان انصاری رضی اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: شہسواروں کو تیر مار کر ہم سے دور رکھو۔ وہ پیچھے سے ہم پر چڑھ نہ آئیں۔ ہم جیتیں یا ہاریں تم اپنی جگہ رہنا۔ تمھاری طرف سے ہم پر حملہ نہ ہونے پائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے تیر اندازوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ہماری پشت کی حفاظت کرنا۔ اگر دیکھو کہ ہم پر حملے کیے جا رہے ہیں تو ہماری مدد کو نہ آنا اور اگر دیکھو کہ ہم مال غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ تم شریک نہ ہونا اور اگر دیکھو کہ ہمیں شہید کر دیا گیا ہے اور ہمارے لاش کو گدھ اور کوے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی خبردار خبردار! تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا جب تک کہ میں بلاوا نہ بھیجوں۔ اس کے بعد میمنہ پر حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو، میسرہ پر زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو تعینات کیا اور صف کے اگلے حصے میں ممتاز بہادر مسلمانوں کو رکھا جن میں ایک ایک کو ہزاروں کے برابر مانا جاتا تھا۔

باریک حکمت پر مبنی آپ ﷺ کی اس دفاعی منصوبہ بندی سے آپ ﷺ کی فوجی قیادت کی عبقریت کا پتہ چلتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی کمانڈر چاہے کتنا بھی باصلاحیت ہو آپ ﷺ سے زیادہ باریک اور باحکمت منصوبہ تیار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ ﷺ میدان میں دشمن کے بعد میں پہنچے اور اپنے کیمپ کے لیے ایسی جگہ کا چناؤ کیا جو جنگی نقطۂ نظر سے بہت اہم مقام تھی۔ آپ ﷺ نے احد پہاڑ کی بلندیوں کی اوٹ لے کر اپنی پشت اور دایاں بازو محفوظ فرمایا اور بائیں بازو سے جو خطرہ تھا اس پر پچاس تیر اندازوں کو منتخب کیا۔ اور دشمن کو اپنے کیمپ کے لیے ایک ایسا نشیبی مقام قبول کرنے پر مجبور کیا کہ اگر فتح بھی ان کی ہوتی ہے تو کوئی خاص فائدہ نہ اٹھا سکیں اور شکست

ہوتی ہے تو مسلمانوں کی گرفت سے بچ نہ سکیں۔ اس کے برعکس آپ ﷺ نے اپنا پڑاؤ اونچی جگہ پر منتخب فرمایا کہ اگر خدانخواستہ شکست سے دو چار ہونا پڑے تو ادھر بھاگنے کے بجائے کیمپ میں پناہ لی جاسکے اور اگر دشمن کیمپ پر دھاوا بولے تو اسے سخت نقصان اٹھانا پڑے۔

اس کے بعد رسول خدا جناب محمد ﷺ نے صحابۂ کرام کو مخاطب کر کے ایک شاندار خطبہ دیا۔ منجملہ یہ ارشاد فرمایا کہ صبر اور ثابت قدمی سے ہی فتح یابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا جب دشمن سے ٹکراؤ تو ثابت قدمی اور صبر و تحمل سے کام لو۔ اور جب تک میں نہ حکم دوں تب تک جنگ شروع نہ کرنا۔ آپ ﷺ نے نیچے اور اوپر دو زرہیں پہنیں۔ سر پر لوہے کی بنی ٹوپی پہنی جس کی کڑیاں چہرے پر لٹک رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اسلامی فوجوں کی یہ ترتیب 7 شوال 3ھ بروز سنیچر کی صبح کو ہوئی تھی۔

دوسری طرف مشرکین مکہ نے بھی اپنے فوجوں کی ترتیب یوں کی تھی کہ ان کے لشکر کا سپہ سالار ابوسفیان تھا جو لشکر کے بیچ میں تھا۔ میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ پیدل فوج کی کمانڈری صفوان بن امیہ کر رہا تھا اور جھنڈا بنو عبد الدار کے ہاتھ میں تھا۔

جنگ کی ابتدا اور قریش کی چال بازی: جنگ سے تھوڑی دیر پہلے ابوسفیان نے انصار مدینہ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے۔ آپ لوگ ہمارے چچیرے بھائی محمد سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اس پر انصار مدینہ نے ابوسفیان کو بہت ہی تلخ جواب دیا۔ اس کے بعد قریش نے دوسری مکاری کی چال یہ چلی کہ سب سے پہلے قبیلۂ اوس کا ایک شخص ابو عامر فاسق مسلمانوں کے سامنے میدان میں آیا اور اپنی قوم کو بھڑکانے کی کوشش میں کہا کہ قبیلۂ اوس کے لوگو! میں ابو عامر ہوں۔ تم ہم سے جنگ کروگے؟ میں تمھارے قبیلہ کا ہوں۔ لہٰذا تم لوگ محمد کا ساتھ چھوڑ دو۔ اس پر قبیلۂ اوس کے مسلمانوں نے کہا او فاسق! اللہ کی تجھ پر مار پڑے۔ اللہ تیری آنکھ کو خوشی نصیب نہ کرے۔ اس پر فاسق ابو عامر نے افسوس کا اظہار کیا اور جب جنگ شروع ہوئی تو

مسلمانوں پر بہت سخت پتھروں کی بارش کی۔ لہٰذا قریش اپنی دوسری مکاری میں بھی ناکام رہے۔ قریش کی عورتیں جس کی کمانڈری ابوسفیان کی بیوی ہندہ کر رہی تھی لشکر کفار کو جوش و جذبہ دلاتی تھیں اور جوش دلاتے ہوئے کہا کرتی تھیں:

''ہم آسمانوں کے تاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں۔ اگر تم آگے بڑھ کر لڑو گے تو ہم تمھیں گلے لگائیں گے اور اگر پیچھے ہٹو گے تو ہم تم سے روٹھ جائیں گے۔''

اس کے بعد دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں۔ مشرکین کے لشکر کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ عبدری اونٹ پر چڑھ کر میدان میں آیا اور دعوت مبارزت دی۔ تو آپ ﷺ کے حکم سے زبیر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور ایک شیر کی طرح پھلانگ لگا کر اونٹ پر چڑھ بیٹھے اور طلحہ بن ابی طلحہ عبدری کو لے کر زمین پر کود گئے پھر تلوار سے اسے ذبح کر ڈالا۔ آپ ﷺ نے فرط حسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ان کی شان میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری حضرت زبیر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

اس کے بعد جنگ کے شعلے ہر جانب سے بھڑک اٹھے۔ حضرت حمزہ، حضرت علی، ابو دجانہ، وغیرہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم نے اپنے ایسے جوہر دکھلائے کہ لشکر کفار کے حوصلے پست ہوگئے۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ تو کفار مکہ کو قتل کرتے کرتے اس مقام تک پہنچے جہاں ابوسفیان کی بیوی ہندہ لیڈری کر رہی تھی۔ قریب تھا کہ ھندہ کو قتل کر دیتے لیکن ہندہ زور سے چلائی پھر حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوچ کر ہندہ کو چھوڑ دیا کہ نبی ﷺ کی تلوار کسی عورت کے خون سے رنگین نہ ہونے پائے۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آغاز جنگ سے پہلے اپنی تلوار لے کر صحابۂ کرام سے فرمایا تھا کہ کون ہے جو اس کا حق ادا کرے؟ اس پر کئی صحابہ رضی اللہ عنھم آگے بڑھے لیکن ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے دشمن کے چہرے کو مارو یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔ انھوں نے کہا! یا رسول اللہ ﷺ میں اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرنا چاہتا

ہوں پھر آپ ﷺ نے تلوار انھیں دے دی۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بڑے جاں باز سپاہی تھے۔ ان کے پاس ایک سرخ پٹی تھی، آپ جب لڑائی میں وہ سرخ پٹی باندھ لیتے تھے تو لوگ سمجھتے کہ اب یہ موت تک لڑتے رہیں گے۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کی تلوار لی تو پھر سر پر پٹی باندھ لی اور دشمن کی طرف اکڑ کر چلنے لگے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''یہ چال اللہ کو ناپسند ہے لیکن اس جیسے موقع پر نہیں۔''

طلحہ بن ابی طلحہ کے قتل کے بعد مشرکین کا جھنڈا عثمان بن ابی طلحہ نے سنبھالا جس کو حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد مشرکین کا جھنڈا ایک ہی گھر کے چھ افراد یکے بعد دیگرے نے اٹھایا اور سب کے سب قتل کیے گئے۔ پھر قبیلۂ عبد الدار کے دس افراد نے یکے بعد دیگرے مشرکین کا جھنڈا سنبھالا لیکن سب کے سب قتل کیے گئے۔ اب اس خاندان کا کوئی نہ بچا تو ان کا ایک حبشی غلام جس کا نام صواب تھا اس نے مشرکین کا جھنڈا اٹھا لیا پھر جب وہ قتل کیا گیا تو مشرکین کا جھنڈا اٹھانے والا کوئی نہ رہا اور وہ زمین پر گرا تو گرا ہی رہا۔ مشرکین کے آٹھ علمبرداروں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قتل کیا تھا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کفار کو کاٹتے مارتے بالکل ابوسفیان تک پہنچ گئے اور اسے قتل کرنے ہی والے تھے کہ شداد بن اسود لیثی نے ان پر وار کر دیا اور وہ شہید ہو گئے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی یہ شان ہے کہ ان کے جسم کو ملائکہ نے غسل دیا تھا۔ حنظلہ رضی اللہ عنہ ابو عامر فاسق کے بیٹے ہیں اور انھوں نے ابھی نئی نئی شادی کی تھی۔ جب جنگ کی صدا بلند ہوئی تو اس وقت بیوی سے ہم آغوش تھے اور آواز سن کر جہاد کے لیے نکل پڑے۔ وہ غسل نہیں کر سکے تھے، حالت جنابت میں ہی تھے اور شہید ہو گئے۔ ان کی یہ نرالی شان ہے کہ ان کو ملائکہ نے غسل دیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح کفار سے لڑ رہے تھے اور دو دستی تلوار چلاتے اور مشرکین کی صفوں کو چیرتے ہوئے قلب لشکر کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔ انھوں نے مشرکین کے بڑے بڑے

بہادروں کا کام تمام کردیا تھا، کوئی مشرک ان کے سامنے ٹک نہیں پاتا تھا۔ جیسے آندھیوں میں پتے اڑتے ہیں اسی طرح مشرکین حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بکھرتے اور بھاگتے تھے کہ افسوس صد افسوس اسی دوران ان کی شہادت ہوگئی۔ لیکن بہادروں کی طرح کسی مشرک نے ان کو لڑ کر شہید نہیں کیا بلکہ بزدلوں کی طرح چھپ چھپا کر ان کو شہید کیا گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کا نام وحشی بن حرب ہے۔ اس کا بیان ہے کہ میں (وحشی بن حرب) جبیر بن مطعم کا غلام تھا جس کا چچا طعیمہ بن عدی جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ جب قریش جنگ احد پر روانہ ہوئے تو ابن مطعم نے مجھ سے کہا کہ اگر تم محمد کے چچا حمزہ کو میرے چچا کے بدلے قتل کردو تو تم آزاد ہو۔ وحشی کا بیان ہے کہ میں حبشی آدمی تھا اور حبشیوں کی طرح نیزہ پھینکنے میں ماہر تھا، نشانہ کم ہی چوکتا تھا۔ جب لوگوں میں جنگ چھڑ گئی تو میں حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھنے لگا اور ہجوم میں انھیں دیکھ لیا پھر ایک درخت کے یا پتھر کے اوٹ میں چھپ کر ان کا نشانہ لینے لگا کہ سباع بن عبد العزیٰ ان کے پاس جا پہنچا اور انھوں نے ایسی تلوار ماری کہ سباع کا سر اڑ گیا۔ اسی کے ساتھ ہی میں نے اپنے نیزے کو قابو میں کیا اور مرضی کے مطابق آتے ہی اچھال دیا۔ نیزہ ناف کے نیچے لگا اور دونوں پاؤں کے بیچ سے پار ہوگیا۔ وہ میری طرف اٹھنا چاہے لیکن ان کی موت واقع ہوگئی پھر وہ اٹھ نہ سکے۔ اس کے بعد میں نے اپنا نیزہ جا کر نکال لیا اور مکہ آ کر آزاد ہوگیا۔

وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ہندہ زوجۂ ابوسفیان کو دیا۔ کیونکہ ہندہ نے بھی وحشی سے حمزہ رضی اللہ عنہ کی قتل پر بہت مال و اسباب دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وحشی طائف کی جنگ کے بعد مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اپنے اسی نیزے سے دور صدیقی میں جنگ یمامہ کے اندر مسلیمہ کذاب کو قتل کیا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت سے مسلمانوں میں نا قابل تلافی نقصان پہنچا لیکن اس کے باوجود جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ حضرت ابو بکر و عمر، زبیر، مصعب بن عمیر، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ وغیرہ رضی اللہ عنھم نے ایسی جانبازی سے جنگ کی کہ مشرکین

کے چھکے چھوٹ گئے چنانچہ وہ دوپہر ہوتے ہوتے پشت پھیر کر فرار ہونے لگے۔ عورتوں کی جھنڈ جن کی کمانڈری ہندہ کر رہی تھی اور اپنے لشکر کو جوش دلا رہی تھی سب کے سب اپنا اپنا سامان میدان میں چھوڑ کر بدحواسی کے عالم میں میدان جنگ سے بھاگ رہی تھیں۔

جبل رماۃ پر تعینات تیر اندازوں نے بھی اپنا کمال دکھایا اور مکی فوج نے خالد بن ولید کی قیادت میں تین بار مسلمانوں کا بایاں بازو توڑ کر پشت تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن مسلم تیر اندازوں نے انھیں تیروں سے چھلنی کردیا اور ہر بار وہ ناکام واپس ہوئے۔ لہٰذا اللہ نے مسلمانوں پر اپنی مدد نازل فرمائی اور اپنا وعدہ پورا فرمایا اور مشرکین کی شکست ہوئی۔ مسلمانوں نے ان کی ایسی کٹائی کی کہ ان میں بھگدڑ مچی، اب بھاگنے کے سوا انھیں کوئی چارہ دکھائی نہ دیا، ان کا غرور وتکبر ٹوٹ گیا۔ مسلمان ان کے تعاقب میں لگے ہوئے تھے اور مال غنیمت جمع کر رہے تھے۔ اس وقت دو پہر کا وقت تھا۔

تیر اندازوں کی غلطی اور جنگ کا پانسہ پلٹ جانا: ٹھیک اسی وقت جب قریش مکہ شکست کھا کر بھاگ رہے تھے، لشکر اسلام انھیں تعاقب کر رہا تھا، مال غنیمت سمیٹ رہا تھا اور مشرکین مکہ کے خلاف اسلامی لشکر اپنی فتح کا ایک اور شاندار تاریخ لکھ رہا تھا کہ جبل رماۃ پر تعینات پچاس تیر اندازوں نے ایک بہت بڑی غلطی کر بیٹھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ فتح وشکست کے بغیر یا ایک طرح سے شکست میں بدل گئی۔ خود رسول اللہ ﷺ شہادت سے بال بال بچے اور مسلمانوں کا وہ رعب و دبدبہ جو جنگ بدر کے بعد قائم ہوا تھا اس جنگ کے بعد کچھ عرصے کے لیے جاتا رہا۔ ہوا یہ کہ جب پہاڑی پر متعین تیر انداز صحابہ نے دیکھا کہ مسلمان مال غنیمت سمیٹ رہے ہیں اور مشرکین بھاگ کھڑے ہوئے ہیں تو ان پر حب دنیا غالب آگئی، اور مال غنیمت... مال غنیمت کی صدا لگاتے ہوئے میدان کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے کمانڈر حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے انھیں آپ ﷺ کے احکامات یاد دلائے لیکن کسی نے نہیں سنا۔ پچاس میں سے چالیس تیر انداز اپنے مورچے کو چھوڑ کر

مال غنیمت سمیٹنے کے لیے عام لشکر میں جا ملے اور اس طرح مسلمانوں کی پشت خالی ہوگئی۔ صرف ان کے کمانڈر حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اپنے نو ساتھیوں کو لے کر پہاڑی پر ڈٹے رہے کہ انھیں اجازت ملے گی تب میدان میں آئیں گے یا اپنی جان دے دیں گے۔

ادھر خالد بن ولید اپنے دستہ کو لے کر نہایت تیزی کے ساتھ اسلامی لشکر کے پشت پر جا پہنچے اور اپنے چوتھے مرتبہ کے حملے میں اسلامی تیر اندازوں کے کمانڈر حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے نو ساتھیوں کو یکے بعد دیگرے شہید کر دیا۔ پھر مسلمانوں پر پیچھے سے حملے شروع کر دیے۔ ساتھ ہی خالد بن ولید کے سپاہیوں نے نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ بھاگتے ہوئے مشرکین، جنگ کا نقشہ بدلا ہوا دیکھ کر پلٹ گئے۔ قبیلۂ بنو حارث کی ایک عورت عمرہ بنت علقمہ نے مشرکین کا گرا ہوا جھنڈا زمین سے اٹھالیا جس سے بکھرے ہوئے مشرکین اس کے گرد سمٹنے لگے۔ ادھر مسلمان مال غنیمت سمیٹ رہے تھے اور اپنے اپنے ہتھیار اپنے سے الگ رکھ دیا تھا اور ادھر ان کی پشت سے خالد بن ولید کی فوج ان پر تیروں کی بارش کر رہی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے گرد خونریز معرکہ: رسول خدا ﷺ اس وقت مشرکوں کی بھگدڑ اور مسلمان سپاہیوں کے تعاقب کا منظر دیکھ رہے تھے کہ آپ ﷺ کی یکا یک نظر خالد بن ولید کے دستہ پر گئی اور مختلف قسم کے منظر دیکھ کر آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کو آواز لگائی کہ اللہ کے بندو! ادھر دیکھو۔ خالد کے لشکر نے تم پر دھاوا بول دیا ہے۔ تم میرے پاس آؤ! میں محمد ابن عبداللہ ﷺ ادھر ہوں۔ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ صرف نو صحابی موجود تھے۔ آپ ﷺ کی یہ آواز خالد بن ولید کے لشکر کو پہلے سنائی پڑی اور بکھرے ہوئے مسلمانوں کو بعد میں۔ آپ ﷺ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ میری آواز کفار کے کانوں تک پہلے پہنچے گی کیونکہ وہ قریب تھے۔ لیکن اس نازک ترین موقع پر آپ ﷺ اپنی جان بچا کر اپنے رفقاء کے ساتھ کسی محفوظ جگہ پر بھاگنے

کے بجائے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کی جان بچانے کا فیصلہ کیا۔ اس سے آپ ﷺ کی عبقریت اور بے نظیر شجاعت کا پتہ چلتا ہے۔

ادھر خالد بن ولید نے اپنے لشکر کے ساتھ پوری طاقت رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک پر لگادی۔ اس وقت آپ ﷺ کے اردگرد نو صحابہ رضی اللہ عنھم تھے۔ جن میں سات انصار سے اور دو قریش سے۔ خالد بن ولید کی لشکر نے سخت معرکہ آرائی شروع کی اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے کرتے سات انصار صحابی یکے بعد دیگرے شہید ہوگئے۔ اب آپ ﷺ کے پاس صرف دو قریشی صحابی تھے۔ جن کے نام طلحہ بن عبداللہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنھما ہیں۔ یہ وقت رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے لیے نہایت نازک اور مشرکین مکہ کے لیے سنہرا موقع تھا، انھوں نے آپ ﷺ کی جان لینے کے لیے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔ اسی اثناء میں عتبہ بن ابی وقاص نے آپ ﷺ کو پتھر مارا جس سے آپ ﷺ کا ہونٹ مبارک پھٹ گیا اور داہنا نچلا رباعی دانت ٹوٹ گیا اور آپ ﷺ پہلو کے بل گر پڑے۔ واضح رہے کہ ایک بھائی سعد بن ابی وقاص اللہ کے رسول ﷺ کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگا رہے تھے تو دوسرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے پتھر مار کر آپ ﷺ کو زخمی کیا تھا۔ عبداللہ بن قیمہ نے آپ ﷺ کے کندھے پر زور دار تلوار ماری لیکن آپ ﷺ نے دو زرہیں پہن رکھی تھی اس لیے اس تلوار سے دوسری زرہ نہیں کٹ سکی۔ لیکن آپ ﷺ تقریباً ایک مہینہ تک کندھے کا درد محسوس کرتے رہے۔ پھر اسی مشرک نے یعنی عبداللہ بن قیمہ نے ہی دوسری تلوار بھی آپ ﷺ کے رخ انور پر چلائی لیکن چونکہ آپ ﷺ نے لوہے کی ٹوپی پہن رکھی تھی جس کی زنجیریں چہرۂ انور پر لٹک رہی تھیں اس لیے رخ انور تو زخمی نہ ہوا البتہ دو کڑیاں چہرے کے اندر دھنس گئیں۔ اس وقت آپ ﷺ اپنے چہرے سے خون پونچھ رہے تھے اور ارشاد فرما رہے تھے:

''وہ قوم کیسے کامیاب ہوسکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو زخمی کر دیا اور

اس کا دانت توڑ دیا۔ حالاں کہ وہ انھیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا تھا۔"

اس پر اللہ پاک کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

لیس لک من الامر شیءٌ او یتوب علیھم او یعذ بھم فانھم ظٰلمون. (سورۂ آل عمران. پارہ4)

ترجمہ: آپ کو کوئی اختیار نہیں اللہ چاہے تو انھیں توبہ کی توفیق دے اور چاہے تو عذاب دے کہ وہ ظالم ہیں۔

طبرانی کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اس روز فرمایا: اس قوم پر اللہ کا سخت عذاب ہو جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلودہ کر دیا پھر تھوڑی دیر رک کر فرمایا:

اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون.

ترجمہ: اے اللہ میری قوم کو بخش دے۔ وہ نہیں جانتی۔

مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو موت کے گھاٹ اتار دینے کے لیے اپنی ساری طاقت جھونک دی لیکن اللہ جسے بچانا چاہے اسے کون مار سکتا ہے۔ اس مشکل گھڑی میں آپ ﷺ کے پاس صرف دو صحابی حضرت سعد بن ابن وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ ہی تھے اور دونوں تیر چلا کر دشمنوں کو آپ ﷺ کے پاس ٹکنے نہیں دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص کے لیے اپنے ترکش کے سارے تیر بکھیر دیے تھے اور فرماتے جا رہے تھے: سعد! تیر چلاؤ! تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کا یہ مقام ہے کہ ان کے سوا آپ ﷺ نے کسی دوسرے کے لیے ماں باپ کے قربان ہونے کی بات نہیں کہی۔ جہاں تک طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی بات ہے تو ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں اس روز فرمایا: جو شخص کسی شہید کو روئے زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو انتالیس یا پینتیس زخم اس روز لگے تھے اور ان کی بچلی اور شہادت کی انگلی شل ہو گئی، اس درد کی وجہ سے ان کے منھ سے حس (سی) کی آواز نکلی تو رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا، اگر تم حس (سی) نہیں بسم اللہ کہتے تو فرشتے تمھیں اٹھا لیتے اور لوگ دیکھتے رہتے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب احد کا ذکر کرتے تو کہتے کہ یہ جنگ مکمل طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے تھی۔

اس نازک موقع پر اللہ رب العزت نے غیب سے اپنی مدد فرمائی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے احد کے روز دو آدمی کو سفید کپڑے پہنے ہوئے آپ ﷺ کے ساتھ بہت سخت لڑائی لڑتے ہوئے دیکھا اور میں نے اس سے پہلے یا اس کے بعد ان دونوں کو کبھی نہیں دیکھا۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ یہ دونوں حضرت جبریل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ حادثہ اچانک پیش آ گیا۔ اور جہاں تک صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کا سوال ہے تو وہ آپ ﷺ کی آواز سن کر آپ ﷺ کی طرف آندھی اور طوفان کی طرح دوڑتے ہوئے پہنچے۔ سب سے پہلے پہنچنے والوں میں آپ ﷺ کے غار ثور کے دوست حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور ابو دجانہ، حضرت عمر بن خطاب، حضرت علیم مصعب بن عمیر، مالک بن سفان، سہل بن حنیف، قتادہ بن نعمان، حاطب بن ابی بلتعہ، ابو طلحہ اور ابو سعید خدری کے والد ام عمارہ رضی اللہ عنھم اجمعین فوراً رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ ﷺ کے گرد ایک باڑھ بنادی اور دشمن کے پرزور حملے روکنے میں انتہائی جوانمردی سے کام لیا۔

ادھر مشرکین کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا تھا اور وہ بہت سخت حملے شروع کر دیے تھے لیکن مسلمانوں نے اس موقع پر اپنی بے مثال جاں نثاری کا ثبوت دیا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اپنا سینہ دشمنوں کی طرف کر کے رسول اللہ ﷺ کے سینے اور جسم اطہر کی حفاظت فرما رہے تھے۔ وہ بڑے ماہر تیر انداز تھے۔ تیر چلا کر دشمنوں کو مار رہے تھے اور آپ ﷺ سے انھیں دور کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس سے جب کوئی تیروں کا ترکش لیے گزرتا تو آپ ﷺ اس سے کہتے کہ ابو طلحہ کے لیے اپنے ترکش کے تیر بکھیر دو۔ جب آپ ﷺ اپنی قوم کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے: آپ

ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! آپ ﷺ سر اٹھا کر نہ جھانکیں۔ آپ ﷺ کو کوئی تیر نہ لگ جائے، میرا سینہ آپ ﷺ کے سینہ کے آگے ہے۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے آگے کھڑے ہوگئے تھے اور اپنی پیٹھ دشمنوں کی طرف کردی تھی تاکہ دشمن کا تیر آپ ﷺ کو نہ لگے بلکہ ان کے (ابو دجانہ رضی اللہ عنہ) پیٹھ پر لگے اور اپنی جگہ سے ہلتے نہیں تھے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسلامی جھنڈا لیے ہوئے بڑی سختی کے ساتھ دشمنوں سے لڑ رہے تھے اور آپ ﷺ سے دشمنوں کو دور کر رہے تھے کہ ایک مشرک نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے داہنے ہاتھ پر اس زور سے تلوار ماری کہ ہاتھ کٹ گیا۔ پھر انھوں نے بائیں ہاتھ میں جھنڈا لیا لیکن جب بایاں ہاتھ بھی دشمنوں نے کاٹ دیا تو اپنے گھٹنے سے جھنڈے کو ٹیک کر سینے اور گردن سے لہرائے رکھا اور اسی حالت میں ابن قیمہ نے انھیں شہید کردیا۔ چونکہ مصعب بن عمیر رسول اللہ کے ہم شکل تھے اس لیے ابن قیمہ نے شور کرنا شروع کردیا کہ محمد قتل کر دیے گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ اور جنگ پر اس کا اثر: ابن قیمہ کے اس اعلان سے کہ میں نے محمد کو شہید کردیا ہے، سن کر مسلمانوں کی ہمت پست ہوگئی اور ان کی صفوں میں بدنظمی پیدا ہوگئی۔ لیکن یہ افواہ مفید اس طرح ثابت ہوئی کہ مشرکین کے پر جوش حملے سرد پڑ گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ ﷺ نے جھنڈے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا۔ اب انھوں نے اپنے ساتھ موجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کے ساتھ بے جگری سے لڑائی کی۔ آپ ﷺ نرغے میں موجود صحابہ کی جانب مشرکین کی صفیں چیر کر راستہ بنائے پھر صحابہ رضی اللہ عنھم کے پاس تشریف لائے۔ سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک کی نظر آپ ﷺ پر پڑی اور انھوں نے آواز لگائی کہ مسلمانو! خوش ہوجاؤ! رسول اللہ ﷺ صحیح وسلامت ہیں۔ مسلمان اس آواز کو سن کر آپ ﷺ کے گرد جمع ہونے لگے اور جب تقریباً تیس صحابۂ کرام جمع ہوگئے تو آپ ﷺ نے پہاڑ کی کھائی یعنی اپنے کیمپ کی طرف ہٹنا شروع کیا

اور اپنے کیمپ تک پہنچ گئے۔

ادھر مسلمانوں کا ایک گروہ ایسا تھا جو رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر اپنا ہتھیار پھینک کر جنگ سے سرد پڑ چکا تھا۔ جب ان کے درمیان سے حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو انھوں نے پوچھا کیوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے کھڑے ہو؟ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی شہادت کے بعد اب جنگ کس بات کی؟ اس پر حضرت انس بن النضر نے کہا کہ اب آپ ﷺ کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ اٹھو اور جس چیز کے لیے رسول اللہ نے جان دی ہے اسی پر تم بھی اپنا جان دیدو۔ اس کلام سے سرد پڑے ہوئے مسلمانوں کو جوش آ گیا اور انھوں نے پر جوش ہوکر مشرکین سے جنگ شروع کر دی۔ مسلمانوں کا ایک دوسرا گروہ ایسا تھا کہ وہ اپنی جان بچا کر مدینہ کی طرف چل پڑا۔ اور جب ان کی عورتوں نے حال دریافت کیا اور انھیں پتہ چلا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی وجہ سے چلے آئے ہیں تو ان عورتوں نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ ہی شہید کر دیے گئے تو تم واپس کیوں آئے؟ تم جاؤ اور جس چیز پر رسول اللہ ﷺ نے جان دی ہے اس پر اپنی جان نچھاور کردو۔ ورنہ یہ چوڑیاں لو اور ہم جنگ کو چلتی ہیں۔ مسلمانوں کا ایک تیسرا گروہ بھی تھا جسے صرف رسول اللہ ﷺ کی فکر تھی جس میں سرفہرست ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ان حضرات نے جنگ کے بدلے ہوئے نقشے کو دیکھ کر سب سے پہلے آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے آپ ﷺ کے پاس پہنچنا شروع کر دیا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ اپنے کیمپ میں تشریف لا چکے تو ابی بن خلف گھوڑے پر سوار یہ کہتا ہوا پہنچا کہ محمد کہاں ہیں! یا تو میں رہوں گا یا وہ رہیں گے۔ اس پر آپ ﷺ نے حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے ایک چھوٹا سا نیزہ لیا اور اس کے سامنے پہنچ کر اس کی خود اور زرہ کے درمیان حلق کے پاس تھوڑی سی خالی جگہ دیکھ کر اس پر ایسا نیزہ مارا کہ وہ گھوڑے سے کئی بار لڑھک لڑھک گیا۔ اس کی گردن پر معمولی خراش آئی تھی جب وہ قریش کے پاس پہنچا تو کہنے لگا کہ واللہ مجھے محمد نے قتل کر دیا۔ اس پر قریش

نے کہا تم نے دل چھوڑ دیا ہے تمھیں تو معمولی خراش آئی ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے محمد کہا کرتے تھے کہ میں تمھیں قتل کروں گا ان شاء اللہ۔ اس لیے اگر محمد مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میری جان چلی جاتی۔ بالآخر یہ دشمن خدا اور دشمن رسول ﷺ مکے واپسی میں مقام سرف پہنچ کر مرگیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ احد پہاڑ پر ایک چھوٹے سے غار کی طرف چڑھے لیکن آپ ﷺ چڑھ نہیں پاتے تھے تو طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو اپنے کندھے پر اٹھا کر اس غار میں لائے اور وہیں پر آپ ﷺ کے زخم کی مرہم پٹی کی گئی۔ ادھر ابوسفیان اور خالد بن ولید کی قیادت میں مشرکین کا ایک گروہ پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھنے لگا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

''اے اللہ! یہ ہم سے اوپر نہ جانے پائیں۔''

پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے ایک دستے کے ساتھ ان سے لڑ کر انھیں نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔

مشرکین مکہ کی طرف سے یہ آخری حملہ تھا اور انھیں یقین ہو گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے کیمپ کی طرف پلٹ کر مکہ کی واپسی میں لگ گئے۔ کچھ مشرک مرد اور عورتیں مسلمان شہدا کے مثلہ میں لگ گئیں۔ یعنی شہیدوں کے ناک، کان، شرمگاہ کاٹ دیے اور پیٹ چیر دیے۔ ہندہ زوجۂ ابوسفیان نے جو عتبہ کی بیٹی تھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا سینہ چاک کر کے سینہ نکال کر دانت سے چبایا اور نگلنا چاہی لیکن نگل نہ سکی اس لیے تھوک دیا۔ لیکن کان، ناک کاٹ کر گلے کا ہار بنا لیا۔

مومن عورتیں یہ خبر سن کر کہ مسلمان شکست کھا چکے ہیں اور جنگ میں رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا گیا ہے میدان جہاد میں پانی کے مشکیزے کے ساتھ پہنچیں۔ ان عورتوں میں سرفہرست حضرت عائشہ، حضرت فاطمہ، ام سلیم، ام سلیط اور ام ایمن رضی اللہ عنھن وغیرہا تھیں۔ ام ایمن رضی اللہ عنھا نے جب مسلمانوں کو مدینہ میں گھستے دیکھا تو ان کے چہروں پر مٹی پھینکنے لگیں اور کہنے لگیں کہ یہ سوت کاتنے کا تکلا لو اور ہمیں تلوار دو پھر تیزی میں میدان جہاد پہنچ کر یہ مومن عورتیں زخمیوں کو پانی پلانے لگیں۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا پر حبان بن عرقہ نے تیر چلایا اور وہ آپڑیں جس سے ان کا پردہ کھل گیا تو وہ ہنسنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات نا گوار گزری اور آپ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایک بغیر انی کے تیر دے کر فرمایا کہ اسے چلاؤ۔ سعد رضی اللہ عنہ نے تیر چلایا اور یہ تیر حبان بن عرقہ کے حلق پر لگا اور وہ چت گر پڑا اور وہ بھی بے پردہ ہوگیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور ارشاد فرمایا کہ سعد نے ام ایمن کا بدلہ لے لیا۔ اللہ ان کی دعا قبول کرے۔

رسول خدا ﷺ احد کے روز جب گھاٹی کے اندر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی لخت جگر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے زخم کو پانی سے دھویا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی بہا رہے تھے۔ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ خون نہیں رک رہا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے جلا کر زخم پر چپکا دی جس سے خون بند ہوگیا۔ زخم کے سبب ظہر کی نماز آپ ﷺ نے بیٹھ کر ادا کیے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھ ہی کر نماز ادا کی۔

کفار مکہ نے جب واپسی کی تیاری پوری کرلی تو ابوسفیان پھر جبل احد پر چڑھا اور آواز لگانا شروع کیا کہ کیا تم میں محمد، ابوبکر، عمر رضی اللہ عنھما موجود ہیں؟ آپ ﷺ کے منع کرنے کی وجہ سے کسی نے جواب نہ دیا تو ابوسفیان نے کہا چلو! ان تینوں کا کام تمام ہوا۔ اس پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ برداشت نہ کر پائے اور بول پڑے کہ اے اللہ کے دشمن! تم نے جن جن کا نام لیا ہے وہ سب کے سب موجود ہیں اور زندہ ہیں۔ اس پر ابوسفیان نے خدا کا واسطہ دے کر پوچھا کہ کیا ہم نے محمد کو قتل کر دیا ہے؟ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا خدا کی قسم! نہیں۔ بلکہ اس وقت وہ تمھاری باتیں سن رہے ہیں۔ پھر ابوسفیان نے نعرہ لگانا شروع کیا کہ ھبل بلند ہو۔ آپ ﷺ کے کہنے پر مسلمانوں نے جواب میں نعرہ لگایا کہ اللہ اعلیٰ اور برتر ہے۔ پھر ابوسفیان نے نعرہ لگایا:

''ہمارے لیے عزی ہے اور تمھارے لیے کوئی عزی نہیں''۔ آپ ﷺ کے کہنے پر مسلمانوں نے جواب میں کہا ''اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمھارا کوئی مولیٰ نہیں''۔

اس کے بعد ابوسفیان کہنے لگا کہ آج کا دن کتنا اچھا دن ہے۔ آج ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا اور حساب برابر ہوا، مسلمانوں نے جواب دیا حساب برابر کا نہیں، کیونکہ تمہارے مقتولین جہنم میں ہیں، اس کے بعد ابوسفیان اور اس کے رفقا کہنے لگے، اگلے سال بدر میں پھر لڑنے کا وعدہ کر لو۔ اس پر رسول خدا ﷺ نے ایک صحابی کو فرمایا کہ کہہ دو ''ٹھیک ہے اور یہ بات ہمارے اور تمھارے درمیان طے پائی۔'' اس کے بعد ابوسفیان اپنے لشکر کے ساتھ مکے کے لیے روانہ ہو گیا۔

شہیدوں کا دفن: قریش مکہ کی واپسی کے بعد مسلمانوں نے اپنے شہیدوں کی تلاش شروع کی۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی لاش نہیں مل رہی تھی۔ تلاش کے بعد ایک جگہ پر پڑی ملی اور جسم سے پانی ٹپک رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا انھیں فرشتے غسل دے رہے تھے۔ ان کی بیوی سے پوچھو کیا معاملہ ہے۔ پھر ان کی بیوی نے واقعہ بتلایا کہ وہ جنبی حالت میں جہاد میں گئے تھے۔ اس لیے ان کا نام غسیل الملائکہ (فرشتوں کے غسل دیے ہوئے) پڑ گیا۔ کچھ شہیدوں کو صحابہ رضی اللہ عنھم مدینہ لے کر چلے آئے لیکن آپ ﷺ کے حکم سے انھیں پھر شہادت گاہ میں دفنایا گیا۔ تمام شہیدوں کو بغیر غسل دیے ہوئے ایک ایک قبر میں دو دو تین شہیدوں کو دفنایا گیا۔ آپ ﷺ دو دو شہیدوں کو ایک ہی کپڑے میں اکٹھا لپیٹ دیتے اور ان میں سے جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا تھا صحابہ سے پوچھ کر کہ کسے قرآن زیادہ یاد تھا اسے لحد میں آگے کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں ان لوگوں کے حق میں گواہ رہوں گا۔ درحقیقت اللہ قیامت کے دن شہیدوں کو جو اس کی راہ میں شہید کیے جاتے ہیں اس حالت میں اٹھائے گا کہ ان کے جسم سے خون بہہ رہے ہوں گے لیکن اس کی خوشبو مشک کی ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت کو سعد بن الربیع کی تلاش کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ اگر وہ مل جائیں تو انھیں میرا سلام کہنا اور کہنا کہ رسول اللہ ﷺ پوچھ رہے ہیں کہ تم اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہو؟ جب زید رضی اللہ عنہ کی ملاقات سعد رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو ان کی آخری سانسیں چل رہی تھیں۔ زید رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ

سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تمھیں سلام کہتے ہیں اور یہ دریافت کر رہے ہیں کہ بتاؤ تم اپنے آپ کو کیسا پا رہے ہو۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ کو سلام۔ آپ عرض کریں کہ یا رسول اللہ! جنت کی خوشبو پا رہا ہوں۔ اور اے زید رضی اللہ عنہ! میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر تمھاری ایک آنکھ بھی ہلتی رہی اور دشمن رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے تو قیامت کے دن اللہ کے نزدیک تمھارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔ اور اسی وقت ان کی روح جسم سے نکل گئی۔ اس جنگ میں 65 انصار اور 4 مہاجرین شہید ہوئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا حال دیکھ کر رونا: جنگ ختم ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے اپنے چچا جناب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک دیکھا تو بہت غمگین ہوئے اور اس طرح روئے کہ اس سے بڑھ کر روتے ہوئے آپ ﷺ کو کبھی نہ دیکھا گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا اپنے بھائی کو دیکھنا چاہتی تھیں لیکن آپ ﷺ نے ان کے لڑکے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے منع کر دیا۔ اور فرمایا کہ ان سے کہو کہ وہ واپس جائیں، کہیں وہ اپنے بھائی کا حال دیکھ نہ لیں۔ اس پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنھا نے کہا کہ میں جانتی ہوں کہ میرے بھائی کا مثلہ ہوا ہے اور یہ اللہ کی راہ میں ہے اس لیے میں صبر کروں گی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اجازت دی اور وہ حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھیں اور دعائے مغفرت کیں۔ حضرت خباب بن ارث رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے کفن کے لیے ایک سیاہ دھاریوں والی چادر جو چھوٹی تھی اس کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ اس سے جب سر ڈھکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھکا جاتا تو سر کھل جاتا تھا۔ آخر میں اس چادر سے حمزہ رضی اللہ عنہ کا سر ڈھکا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی۔ معلوم رہے کہ اذخر گھاس ایک خوشبو دار گھاس موج کی شکل میں عرب میں ہوتا ہے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لاش دفن کرتے وقت بھی چادر سے سر ڈھکا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈالی گئی کیونکہ ان کے لیے جو ملی وہ بھی چھوٹی چادر تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے چچا کے

جنازے پر کھڑے ہوئے تو اس قدر روئے کہ آواز بلند ہوگئی۔

خاتمۂ جنگ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی دعا: احد کے روز میدان جنگ سے جب مشرکین مکہ واپس چلے گئے تو آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا کہ میرے پیچھے صفیں باندھ لو! میں اپنے رب سے ذرا ثنا کروں۔ اس پر صحابہ رضی اللہ عنھم آپ ﷺ کے پیچھے برابر صف بستہ ہوگئے اور آپ ﷺ نے یوں اللہ سے حمد کی:

''اے اللہ! تیرے ہی لیے ساری حمد ہے۔ اے اللہ! جس چیز کو تو کشادہ کردے اسے کوئی تنگ نہیں کرسکتا، جس چیز کو تو تنگ کردے اسے کوئی کشادہ نہیں کرسکتا۔ جس شخص کو تو گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جس شخص کو تو ہدایت دیدے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، جس چیز کو تو دیدے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جس چیز کو تو دور کردے اسے کوئی قریب نہیں کرسکتا اور جس چیز کو تو قریب کردے اسے کوئی دور نہیں کرسکتا۔ اے اللہ! ہمارے اوپر اپنی برکتیں، رحمتیں اور فضل رزق پھیلا دے۔ اے اللہ! میں تجھ سے برقرار رہنے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں جو نہ ٹلے اور نہ ختم ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے فقر کے دن مدد کا اور خوف کے دن امن کا سوال کرتا ہوں۔

اے اللہ! جو کچھ تو نے ہمیں دیا ہے اس کے شر سے اور جو کچھ نہیں دیا ہے اس کے بھی شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! ہمارے نزدیک ایمان کو محبوب بنادے اور اسے ہمارے دلوں میں خوشنما بنادے اور کفر، فسق اور نافرمانی کو ناگوار بنادے اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں کردے۔ اے اللہ! ہمیں مسلمان رکھتے ہوئے وفات دے اور مسلمان رکھتے ہوئے زندہ رکھ اور رسوائی اور فتنے سے دوچار کیے بغیر صالحین میں شامل فرما۔ اے اللہ! تو ان کافروں کو مار اور ان پر سختی اور عذاب کر جو تیرے پیغمبروں کو جھٹلاتے اور تیری راہ سے روکتے ہیں۔ اے اللہ! ان کافروں کو بھی مار جنھیں کتاب دی گئی۔ یا الٰہ الحق (ماخوذ مسند احمد و بخاری)

رسول خداﷺ مدینے کی راہ میں: جنگ کے روز ہی آپﷺ نے شہدا کو دفن کرنے کے بعد مدینے کا رخ کیا۔ راستے میں آپﷺ کی ملاقات ایک انصار کی عورت سے ہوئی جس کے باپ، بھائی اور شوہر تینوں جنگ میں شہید ہو چکے تھے اور وہ عورت آپﷺ کی شہادت کی افواہ سن کر مدینہ سے چلی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ مسلمان واپس مدینہ کے لیے آرہے ہیں تو بڑھ کر ان سے پوچھا کہ رسول اللہﷺ کی خیریت بتاؤ۔ اس پر لوگوں نے اس کے باپ، بھائی اور شوہر کی شہادت کی بات بتائی اور یہ بھی بتایا کہ رسول اللہﷺ بخیریت ہیں۔ پھر رسول اللہ کی طرف لوگوں نے اشارہ کیا۔ اس عورت نے آپﷺ کو دیکھ کر فرمایا جب آپﷺ سلامت ہیں تو پھر تمام مصائب ہیچ ہیں۔

راستے ہی میں آپﷺ کی ملاقات حمنہ رضی اللہ عنہا زوجۂ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ان کو ان کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی گئی تو انھوں نے اِنّا للہ پڑھا پھر انھیں ان کے ماموں حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی گئی تو اِنا للہ پڑھیں اور پھر ان کے شوہر علمبردار اسلام حضرت مصعب بن عمیر کی شہادت کی خبر دی گئی تو وہ یہ سن کر چیخ پڑیں اور زار و قطار رونے لگیں۔ آپﷺ نے یہ کیفیت دیکھ کر فرمایا:

''عورت کو شوہر کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔''

اثنائے راہ ہی میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ سے آپﷺ کی ملاقات ہوئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آپﷺ سے کہا کہ یہ میری والدہ ہیں۔ اس پر رسول اللہﷺ نے انھیں مرحبا کہا اور انھیں ان کے صاحبزادے عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر انھیں صبر کرنے کی تلقین کی۔ کہنے لگیں کہ یا رسول اللہﷺ! میں نے آپﷺ کو سلامت دیکھ لیا اب میرے لیے ہر مصیبت ہیچ ہے۔ اس کے بعد آپﷺ نے شہدائے احد کے لیے دعا فرمائی اور فرمایا:

''اے ام سعد! تم خوش ہو جاؤ اور شہدا کے گھر والوں کو خوش خبری سنا دو کہ ان

کے شہداء سب کے سب ایک ساتھ جنت الفردوس میں ہیں اور اپنے گھر والوں کے بارے میں اب سب کی شفاعت قبول کر لی گئی ہے"۔

ام سعد نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ان کے پسماندگان کے لیے بھی دعا فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! ان کے دلوں کا غم دور کر، ان کی مصیبت کا بدل عطا فرما اور باقی ماندگان کی بہترین دیکھ بھال فرما"

رسول اللہ ﷺ اسی روز شام کے وقت مدینہ پہنچے۔ باوجود اس کے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم زخموں سے چور چور تھے مدینہ پہنچ کر مدینے کے سبھی راستے پر پہرہ دینے لگے اور رات پہرہ داری کرتے ہوئے ہی گزری۔ اس جنگ میں کفار قریش کے 37 آدمی قتل کیے گئے تھے اور مسلمان شہدا کی تعداد ستر تھی جس میں ایک یہودی بھی قتل ہوا تھا۔ جب اتوار کی صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کفار قریش کے تعاقب میں نکل پڑیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کو شک ہو رہا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ اہل مکہ اپنی فتح کو غیر مفید سمجھیں کیونکہ وہ جلدی بھاگ گئے تھے، ایسا نہ ہو کہ پلٹ کر مدینہ پر حملہ کر دیں۔ آپ ﷺ نے صرف ان مسلمانوں کو شریک لشکر ہونے کا حکم دیا جو احد کی جنگ میں موجود تھے۔ عبد اللہ بن ابی نے شرکت کی اجازت طلب کی لیکن آپ ﷺ نے منع کر دیا۔ اور جابر بن عبد اللہ کو اس وجہ سے شریک جنگ ہونے کی اجازت دی کہ ان کے والد نے انھیں لڑکیوں کی دیکھ بھال کے لیے گھر پر روک دیا تھا۔ آپ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کے اس عذر کو قبول کرتے ہوئے شرکت کی اجازت دی۔ مسلمانوں کا یہ قافلہ اتوار کے دن مدینہ سے نکلا اور آٹھ میل دور جا کر حمراء الاسد میں خیمہ زن ہوا۔

ادھر مشرکین نے مدینہ سے تقریباً 36 میل دور جا کر مقام روحاء میں پڑاؤ ڈالا اور ایک دوسرے پر ملامت کرنے لگے کہ ہم نے فتح سے کچھ حاصل نہ کیا۔ ابھی مسلمانوں کے کافی سر باقی ہیں جو ہمارے لیے دردسر بن سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کا گمان حق ثابت ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے حمراء الاسد کے قیام کے دوران کعب بن ابی معبد خزاعی نے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ نے ابو سفیان کی حوصلہ شکنی کرنے کے لیے مکی لشکر کی

طرف انھیں روانہ کیا۔ جب وہ مکی لشکر کے پاس پہنچا تو ابوسفیان نے آپ ﷺ کی خیریت پوچھی کیونکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ معبد مسلمان ہو چکا ہے۔ معبد نے کہا کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کی سپہ سالاری میں تمھارے تعاقب کو نکل چکے ہیں اور اس میں وہ مسلمان بھی شامل ہیں جو جنگ احد میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ اس بات کو سن کر لشکر کفار میں گھبراہٹ پیدا ہوگئی اور وہ مکہ کی جانب بھاگ پڑے۔

رسول اللہ ﷺ پیر، منگل، بدھ، یعنی 11,10,9 شوال 3ھ تک حمراء الاسد میں ہی تشریف فرما رہے اور اس کے بعد مدینہ کو واپس ہوئے۔ واپسی میں ابوعزہ جمحی آپ ﷺ کی گرفت میں آ گیا جسے آپ ﷺ نے بدر میں اس کی لڑکیوں کی کثرت کے سبب معاف کر دیا تھا اور بغیر فدیہ لیے اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ اپنی شاعری کے ذریعہ آپ ﷺ کے خلاف کسی کو نہیں بھڑکائے گا۔ لیکن اس نے وعدہ خلافی کی اور اپنی شاعری کے ذریعہ صحابہ رضی اللہ عنھم کے خلاف مشرکوں کو بھڑکایا۔ پھر احد میں مشرکین کی طرف سے شریک رہا۔ اس مرتبہ جب وہ گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو عرض کرنے لگا کہ مجھے معاف کر دو۔ میں کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا میری لڑکیوں پر ترس کھاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''اب یہ نہیں ہوسکتا کہ تم مکے جا کر اپنے رخسار پر ہاتھ پھیرو اور کہو کہ میں نے محمد کو دو مرتبہ دھوکہ دیا ہے۔ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جا سکتا۔''

اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ یا حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن ماردی۔

غزوۂ احد کا انجام: ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس غزوہ میں مسلمانوں کی شکست ہوئی اور کفار فتح یاب ہو کر لوٹے۔ کیونکہ اس زمانے کے دستور کے مطابق مشرکین نے تین دن تک میدان جنگ میں قیام نہیں کیا۔ بلکہ ابوسفیان نے شام بھی نہ ہونے دیا اور اپنے لشکر کو لے کر مکہ بھاگا۔ اگر مشرکین کی فتح ہوئی ہوتی تو وہ مسلمانوں کے کیمپ میں آ کر یا تعاقب کر کے انھیں قید کرتے لیکن ایک بھی مسلمان ان کی گرفت میں نہیں آسکا۔ دوسری

طرف مدینہ خالی چند قدم پر پڑا تھا لیکن مشرکین کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ مدینہ میں جا کر لوٹ کھسوٹ کریں اور مال غنیمت حاصل کریں۔ بلکہ جنگ کے تیسرے راؤنڈ کے بغیر وہ مکہ کے لیے چل پڑے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ لڑائی کے دوسرے راونڈ میں انھوں نے مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچایا تھا اور اس راونڈ میں برتری اپنی ہی طرف رہی۔ لیکن مشرکین نے تیسرے راونڈ کی لڑائی لڑے بغیر مسلمانوں کو ان کے کیمپ میں چھوڑ کر مکہ کا رخ کر لیا۔ اس لیے ہم جنگ احد کے انجام کو غیر فیصلہ کن انجام سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اللہ رب العزت کی طرف سے اس معرکہ کے متعلق سورۂ آل عمران کی ساٹھ آیتیں نازل ہوئیں اور جنگ کے ایک ایک مرحلے پر روشنی ڈالی گئی۔ منافقین کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی اور مسلمانوں کو صاف سمجھ میں آ گیا کہ ان کے اپنے گھروں میں ہی دشمن موجود ہیں۔ اس سے مسلمان اپنے دشمنوں سے نمٹنے کے لیے مستعد رہنے لگے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کے حکم کو نظر انداز کرنے کا انجام بہت برا ہوا۔ اگر پہاڑی پر تعینات تیر اندازوں نے نبی اکرم ﷺ کے حکم کی نافرمانی نہ کی ہوتی تو فتح کی ہوئی جنگ غیر فیصلہ کن انجام تک نہیں پہنچتی اور مسلمانوں کا اتنا زبردست خسارہ نہیں ہوتا۔ علماے کرام کا کہنا ہے کہ جنگ احد اور اس کے اندر مسلمانوں کو پیش آنے والے نقصان میں بڑی عظیم ربانی حکمتیں تھیں اور بہت سے فوائد بھی تھے۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ کبھی کبھی مدد پہنچنے میں تاخیر سے انسان میں خاکساری پیدا ہوتی ہے اور غرور و تکبر ختم ہوتا ہے۔ چنانچہ جنگ احد میں جب مسلمان غموں اور مصیبتوں سے دو چار ہوئے تو انھوں نے صبر سے کام لیا اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

نصف رمضان المبارک کے قریب 3ھ میں حضرت امام حسن بن علی کرم اللہ وجہہ پیدا ہوئے۔

مسلمانوں پر جنگ احد کا اثر: غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کی جو شہرت اور رعب و دبدبہ غیر مسلمانوں پر قائم ہوا تھا غزوۂ احد کی ناکامی کے بعد اس کا بہت برا اثر پڑا۔

مدینہ پر ہر چہار جانب سے خطرات منڈلانے لگے۔ یہود، منافقین اور بدوؤں نے کھل کر بغاوت مسلمانوں کے خلاف شروع کردی۔ غزوۂ احد کے ابھی دو مہینے بھی نہیں گزر پائے تھے کہ بنو اسد نے مدینہ پر چھاپہ مارنے کی تیاری شروع کردی۔ جب اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ڈیڑھ سو مسلمانوں کا ایک دستہ بھیجا جس نے اچانک بنو اسد پر حملہ کردیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کے اونٹ اور بکریوں پر قبضہ کرلیا اور مال غنیمت کے ساتھ مدینہ لوٹے۔ یہ محرم 4ھ کا واقعہ ہے۔ پھر محرم ہی میں آپ ﷺ کو خبر ملی کہ خالد بن سفیان ہذلی مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو اس کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے خالد کو قتل کر کے اس کا سر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔

صفر 4ھ میں آپ ﷺ کے پاس عضل اور قارہ کے کچھ لوگ آئے اور آپ ﷺ سے کہا کہ ان کے یہاں اسلام کا کچھ چرچہ ہے لہٰذا آپ ﷺ کچھ افراد کو دین سکھانے اور قرآن پڑھانے کے لیے ان کے ساتھ روانہ فرمادیں۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کو روانہ فرمایا اور حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا۔ جب یہ لوگ رابغ اور جدہ کے درمیان قبیلۂ ہذیل کے رجیع نامی ایک چشمے پر پہنچے تو ان پر عضل اور قارہ کے مذکورہ افراد نے قبیلۂ ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان کو چڑھادیا اور بنولحیان کے سیکڑوں تیر انداز ان کے پیچھے لگ گئے جس میں سات صحابہ شہید کر دیے گئے، صرف خبیب، زید بن ثابت دثنہ اور ایک اور صحابی، امان دینے کے عہد پر ٹیلے سے نیچے اترے تو بنولحیان نے بدعہدی کردی۔ اس پر تیسرے صحابی نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کردیا۔ اس پر بنولحیان نے انھیں قتل کردیا اور خبیب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنھما کو مکہ لے جا کر بیچ دیا۔ ان دونوں افراد نے بدر کے روز اہل مکہ کے سرداروں کو قتل کیا تھا۔

جب خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر حرم سے باہر تنعیم لے جا کر مشرکین نے چڑھانا

چاہا تو انھوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کے لیے وقت مانگا اور مشرکین کی اجازت سے جلدی جلدی دو رکعت نماز پڑھی اور سلام پھیر کر فرمایا کہ بخدا اگر تم لوگ یہ نہ سمجھتے کہ میں گھبراہٹ کی وجہ سے دیر کر رہا ہوں تو نماز کچھ اور لمبی پڑھتا۔ پھر فرمایا اے اللہ! انھیں ایک ایک کر کے گن لے پھر انھیں بکھیر کر مارنا اور ان میں سے کسی ایک کو باقی نہ چھوڑنا۔ اس کے بعد ابوسفیان نے خبیب رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا تمھیں یہ بات پسند آئے گی کہ تمھارے بدلے محمد ہمارے پاس ہوتے، ہم ان کی گردن مارتے اور تم اہل و عیال میں رہتے۔ اس پر خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا! نہیں واللہ! مجھے تو یہ بھی گوارہ نہیں ہے کہ میں اپنے اہل وعیال میں رہوں اور اس کے بدلے محمد ﷺ کو جہاں پر وہ ہیں وہیں پر ایک کانٹا بھی چبھ جائے اور وہ آپ ﷺ کو تکلیف دے۔ اس کے بعد عقبہ بن حارث نے خبیب رضی اللہ عنہ کو تکلیف دی اور سولی پر لٹکا دیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے عقبہ کے باپ حارث کو بدر میں قتل کیا تھا۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ جھانسہ دے کر زبردستی خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو اٹھالائے اور دفن کیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے ہی قتل کے موقع پر دو رکعت نماز پڑھنے کا طریقہ ایجاد فرمایا۔ انھیں قید میں دیکھا گیا تھا کہ انگور کھا رہے ہیں حالاں کہ وہ انگور کا موسم نہیں تھا۔ دوسرے صحابی زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے اپنے باپ کے بدلے میں قتل کیا۔

قریش نے اپنے آدمیوں کو عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش یا جسم کا کوئی حصہ حاصل کرنے کے لیے بھیجا لیکن اللہ نے مدھومکھیوں (بھیڑوں) کا جھنڈ بھیج دیا پھر وہ لوگ عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کے پاس نہیں پہنچ سکے۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے قریش کے کسی بڑے آدمی کو بدر کے روز قتل کیا تھا۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے اور نہ کوئی مشرک انھیں چھوئے گا۔ اس واقعے کی خبر جب عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ مومن بندے کی حفاظت اس کی وفات کے بعد بھی ویسے ہی کرتا ہے جیسے اس کی زندگی میں کرتا ہے۔

اسی مہینے یعنی صفر 4ھ میں ابو براء عامر بن مالک آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوا تو آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ لیکن نہ تو اس نے اسلام قبول کیا اور نہ ہی اسلام کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھا۔ کہنے لگا کہ مجھ کو اپنے قوم کا خیال ہے۔ آپ ﷺ کچھ لوگوں کو میرے ساتھ نجد میں چل کر اسلام کی دعوت دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اہل نجد سے اندیشہ ہے کہ وہ ان مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ ابو براء نے کہا میں اس کی ضمانت لیتا ہوں، آپ ﷺ ان کے بارے میں اندیشہ نہ کریں۔ اس پر آپ ﷺ نے منذر بن عمرو ساعدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ستر صحابہ رضی اللہ عنھم کو روانہ فرمایا۔ یہ ستر اصحاب سب کے سب قاری اور قرآن کے حفاظ تھے۔

جب یہ لوگ ارض بنو عامر اور مرہ بنو سلیم کے درمیان بیر معونہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کا خط حرم بن ملحان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ عامر بن الطفیل کے پاس پہنچا۔ یہ عامر بن الطفیل ابو براء عامر بن مالک مذکور کا بھتیجا تھا۔ اس نے اس خط کو پڑھا تک نہیں اور حرم بن ملحان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ پھر اپنی قوم بنو عامر سے کہا کہ ان تمام مسلمانوں کو قتل کر دو لیکن بنو عامر نے انکار کر دیا۔ تب اس نے بنو سلیم سے کہا۔ چنانچہ بنو سلیم کے تین قبیلے عصیہ، رعل اور ذکوان نے صحابہ کا محاصرہ کر لیا اور سب مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ ابو براء عامر بن مالک کو اس حادثہ کا بڑا رنج ہوا کہ اس کے امان میں اس کے بھتیجے نے فتور ڈالا اور اسی غم میں چند روز کے بعد وہ مر گیا۔ دو صحابی حضرت عمرو بن امیہ ضمری اور حضرت منذر بن عقبہ رضی اللہ عنھما جو کہ اونٹ چرا رہے تھے انھوں نے چڑیوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا تو جائے واردات پہنچے۔ منذر رضی اللہ عنہ تو لڑتے ہوئے شہید ہو گئے جب کہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ قید کر لیے گئے۔ لیکن جب بتایا گیا کہ ان کا تعلق قبیلۂ مضر سے ہے تو عامر بن الطفیل نے ان کی پیشانی کے بال کٹوا کر اپنی ماں کی طرف سے آزاد کر دیا کیوں کہ اس کی ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی ہوئی تھی۔

جب عمرو رضی اللہ عنہ مدینہ آ رہے تھے تو راستے میں انھیں دو شخص بنو عامر سے تعلق رکھنے والے ملے۔ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے موقع پا کر ان دونوں کو قتل

کر دیا۔ اِن دونوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کا عہد تھا مگر عمرو رضی اللہ عنہ نہیں جانتے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ ساتھیوں کا بدلہ لے رہے ہیں۔ جب عمرو رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کو ستر صحابہ رضی اللہ عنھم کی شہادت کی خبر دی تو اس المیہ نے جنگ احد کی یاد تازہ کر دی۔ اب رسول اللہ ﷺ ان قبیلوں کے لیے ایک مہینہ تک صبح کی نماز میں بد دعا کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے آپ ﷺ کے پاس وحی نازل کی جو بعد میں منسوخ ہوگئی۔ وہ وحی یہ تھی:

"ہماری قوم کو یہ بتلا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے تو وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اس سے راضی ہیں۔"

عامر بن طفیل ایک مہینہ کے بعد طاعون سے ہلاک ہوگیا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے جب عمرو رضی اللہ عنہ سے یہ سنا کہ انھوں نے بنو عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ایسے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے جن کی دیت مجھے لازماً ادا کرنی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ مسلمانوں اور ان کے حلفاء یہود سے دیت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے اور یہی غزوۂ بنو نضیر کا سبب بنا۔

غزوۂ بنو نضیر، ربیع الاول 4ھ

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے غلطی سے بنو عامر کے دو شخص کو قتل کر دیا تھا، اس کی دیت ادا کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے ہمراہ یہود کے پاس تشریف لے گئے اور یہود سے دیت ادا کرنے میں مدد کرنا مسلمانوں سے کیے گئے معاہدے کے مطابق تھا۔ قبیلۂ بنو نضیر عامر کا ہم عہد تھا اور مسلمانوں کا بھی۔ لہٰذا آپ ﷺ بنو نضیر کے محلّہ میں ابو بکر، عمر، علی رضی اللہ عنھم کے ساتھ تشریف لے گئے اور ان سے دیت ادا کرنے میں مدد کی بات کہی۔ انھوں نے کہا، ابو القاسم! ہم ایسا ہی کریں گے۔ آپ ﷺ یہاں بیٹھیں۔ آپ ﷺ ایک گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ادھر

یہود نے تنہائی میں مشورہ کیا کہ کیوں نہ محمد کو ہی قتل کر دیا جائے۔ اس کے لیے یہ چکی ایک آدمی اٹھا کر اوپر لے جائے اور محمد جہاں بیٹھے ہیں اوپر سے اس چکی کو وہیں پر گرا دے۔ اس پر یہود کا ایک بد بخت آدمی عمرو بن حجاش نے کہا کہ میں اس کام کو کر سکتا ہوں۔ حالاں کہ یہود سے سلام بن شکم نے منع کیا کہ ہو سکتا ہے کہ اس ارادے کی خبر رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف سے دے دی جائے۔ لیکن ان کی بات کسی نے بھی نہ سنی اور اپنے ارادے کی تکمیل میں عمرو بن حجاش چکی لے کر چھت پر چڑھا۔ ادھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس اللہ کی طرف سے تشریف لائے اور یہود کے ارادوں سے آپ ﷺ کو باخبر کیا۔ آپ ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ کر مدینہ چلے آئے۔ صحابہ رضی اللہ عنھم بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلے آئے۔ صحابہ رضی اللہ عنھم نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اچانک مدینہ چلے آئے حالاں کہ بنو نضیر نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرنے کی بات کہی تھی اور دیت ادا کرنے میں مدد کی پیش کش کو قبول کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے ارادوں کا ذکر صحابہ رضی اللہ عنھم سے کیا۔

آپ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بنی نضیر کے پاس روانہ فرمایا اور انھیں دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ بنو نضیر کو جلا وطنی کے سوا کوئی چارہ نہیں دکھائی دیا۔ لہٰذا وہ مدینہ سے نکل جانے کی تیاری کرنے لگے کہ رئیس منافق عبد اللہ بن ابی نے پیغام بھیجا کہ تم لوگ مدینہ مت چھوڑو، ہم تمھاری مدد کے لیے تیار ہیں اور بنو قریظہ اور بنو غطفان جو تمھارے حلیف ہیں تمھاری مدد کریں گے۔ لہٰذا بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم مدینہ سے نہیں نکل سکتے۔ تمھارا جو جی چاہے کر لو۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کو لے کر ان پر چڑھائی کر دی اور ان کا محاصرہ کر لیا۔

جب بنو نضیر اپنے قلعے میں محصور ہو گئے تو فصیل سے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسانے لگے اور کھجور کے درخت ان کے لیے سپر کا کام دینے لگے۔ اس لیے آپ

ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنھم کو حکم دیا کہ کھجور کے درخت کاٹ کر جلا دیے جائیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کے حکم سے کھجور کے درخت کاٹ کر جلا دیے گئے۔ اس کے متعلق اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

ماقطعتم من لينة او تر كتمو ها قائمة علىٰ اصولها فبا ذن الله وليخزى الفٰسِقين . (سورة الحشر. پارہ 28)

ترجمہ: تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے یا جنھیں اپنے تنوں پر کھڑا رہنے دیا وہ سب اللہ ہی کے اذن سے تھا اور ایسا اس لیے کیا گیا تا کہ اللہ ان فاسقوں کو رسوا کرے۔

مسلمانوں کا محاصرہ پندرہ دنوں تک جاری رہا۔ بنونضیر کے حلیف بنوقریظہ نے ان کی کوئی مدد نہیں کی اور عبداللہ بن ابی نے بھی خیانت ہی کی اور نہ ہی بنوغطفان ہی ان کی مدد کو پہنچے۔ اللہ نے بنونضیر کے دلوں میں رعب ڈال دیا اب رسول اللہ ﷺ کے سامنے انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور مدینے سے نکل جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کی پیش کش قبول فرمالی اور یہ بھی منظور فرمالیا کہ وہ اپنے ہتھیار کے سوا باقی جتنا ساز و سامان اونٹوں پر لاد سکتے ہیں لے کر اپنے بال بچوں سمیت چلے جائیں۔ لہٰذا بنونضیر تقریباً چھ سو اونٹوں پر اپنا سامان لاد کر کچھ شام کی طرف چلے گئے اور کچھ سردارانِ یہود مثلاً حی بن اخطب اور سلام بن ابی الحقیق نے خیبر کا رخ کیا۔ جاتے ہوئے اپنے مکانات مسمار کر دیے اور دروازے و کھڑکیاں و کھونٹیاں تک لاد کر لے گئے۔

آپ ﷺ نے ان کے جانے کے بعد ان کے ہتھیار، زمین اور باغات اپنے قبضے میں کر لیا۔ ہتھیار میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔ آپ ﷺ نے اس مال غنیمت سے خمس نہیں نکالا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے آپ ﷺ کو بطور فَے دیا تھا۔ مسلمانوں نے بزور شمشیر اسے حاصل نہیں کیا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے خاص اختیار کے تحت اسے مہاجرین اولین میں تقسیم فرمایا اور انصار کے دو آدمی ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اور سھل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو ان کی غربت کے باعث

اس میں سے کچھ عطا فرمایا۔ اور اپنے لیے اس میں سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا رکھا جس سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی فیملی کا سال بھر کا خرچہ چلتا تھا۔ پھر جو اس میں سے بچ جاتا تھا اسے جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کر دیتے تھے۔

بنونضیر کے دو آدمی یا سین بن عمرو اور ابوسعید بن وہب رضی اللہ عنھما نے اسلام قبول کرلیا تو ان کے مال و دولت کو مسلمانوں نے ہاتھ نہیں لگایا۔ بنونضیر کی جلا وطنی کا واقعہ جنگ احد کے چھ ماہ بعد پیش آیا۔ سورۂ حشر اسی غزوہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔

غزوۂ نجد، جمادی الاُولیٰ 4ھ

غزوۂ بنونضیر کے بعد مسلمانوں کا رعب مدینہ میں قائم ہوگیا اور منافقین و یہود کو اب کھل کر سامنے آنے کی ہمت نہیں رہ گئی تھی۔ ادھر بدو جنگ احد کے بعد ہی سے مسلمانوں کے ساتھ تباہی مچائے ہوئے تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے بدوؤں کی طرف رخ کیا۔ اسی دوران مدینہ کے ذرائع اطلاعات نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ بنوغطفان کے دو قبیلے بنو محارب اور بنو ثعلبہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے بدوؤں کو اکٹھا کر رہے ہیں۔ یہ خبر پاتے ہی آپ ﷺ نے نجد پر حملے کا فیصلہ فرمایا اور صحرائے نجد میں دور تک اسلامی لشکر کے ساتھ چلے جس کا مقصد بدوؤں پر خوف طاری کرنا تھا۔ ادھر بدو مسلمانوں کی اس اچانک حملے کی خبر سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں نے ان پر اپنا رعب قائم کر کے مدینہ کی راہ کی۔ غزوۂ نجد جمادی الاولیٰ 4ھ میں واقع ہوا۔ اس میں کوئی جانی یا مالی نقصان کسی فریق کو نہیں ہوا۔ اس غزوہ کا مقصد بدوؤں پر مسلمانوں کا رعب طاری کرنا تھا اور مسلمان اپنے اس مقصد میں کامیاب رہے۔

غزوۂ بدر دوم، شعبان 4ھ

طے شدہ قول و قرار کے مطابق بدر میں کفار سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے رسول اللہ

ﷺ شعبان 4ھ مطابق جنوری 626ء میں مدینہ کا انتظام عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو سونپ کر ڈیڑھ ہزار اسلامی لشکر کے ساتھ چل پڑے۔ اس اسلامی لشکر میں دس گھوڑے تھے اور فوج کا علم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا ہوا تھا۔ آپ ﷺ اپنی فوج کے ساتھ بدر پہنچ کر خیمہ زن ہوگئے اور ابوسفیان کا انتظار کرنے لگے۔

ادھر مکہ سے ابوسفیان اپنے دو ہزار لشکر کفار کے ساتھ بدر کے لیے روانہ ہوا۔ اللہ نے اس کے اور اس کے لشکر کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ مکہ سے کچھ دور وادی مَرُّ الظہران پہنچ کر مجنہ نام کے چشمے پر خیمہ زن ہوگیا۔ اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ موسم جنگ کا نہیں ہے کیونکہ ہریالی نہیں ہے جانور کیا چریں گے اور تم کیسے دودھ پیو گے؟ لہٰذا واپس مکہ چل چلو۔ ابوسفیان کی اس بات پر کسی نے اعتراض نہیں کیا اور سب نے مکہ واپسی کی راہ لی۔

رسول اللہ ﷺ نے بدر میں آٹھ روز ٹھہر کر ابوسفیان اور لشکر کفار کا انتظار کیا اور اس کے بعد اس شان سے مدینہ تشریف لائے کہ مشرکین کے دلوں پر ان کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور دشمن پر ان کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔

ماہ شعبان 4ھ میں حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے۔ اسی سال شراب حرام ہوئی۔ اسی سال عبد اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ یعنی رسول اللہ ﷺ کے نواسے نے چھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ فاطمہ بنت اسید رضی اللہ عنہا اسی سال انتقال کر گئیں۔ اسی سال عبد السلام مخزومی کی وفات کے بعد ان کی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ نے نکاح فرمایا۔

غزوۂ خندق، شوال 5ھ

بنو نضیر جو جلا وطن ہو کر خیبر چلے گئے تھے وہ اپنی خباثتوں اور سازشوں سے باز آنے والے نہیں تھے۔ چنانچہ خیبر سے بنو نضیر کے تقریباً بیس سردار جن میں حی بن اخطب،

سلام بن ابی الحقیق، سلام بن مشکم، کنانہ بن الربیع سرفہرست ہیں مکہ پہنچے اور قریش کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے آمادہ کیا اور اس میں ہر طرح سے قریش کا ساتھ دینے کے لیے قول وقرار کیے۔ اس کے بعد یہ وفد بنوغطفان کے پاس پہنچا اور اسے بھی آپ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ پھر کفر کے تمام گروہوں کے پاس جا جا کر رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک آخری فیصلہ کن جنگ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ بنوقریظہ جو مدینے کے یہود تھے جن سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا اس سے بھی خفیہ طور پر سازشوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ اپنے بنائے گئے پروگرام کے مطابق ابوسفیان مکہ سے چار ہزار لشکر کے ساتھ مدینہ پر دھاوا بولنے کے لیے چل پڑا۔ دیگر دشمن قبائل نے بھی ایک ساتھ پروگرام بنا کر مدینہ کا رخ کیا۔ ابوسفیان کا لشکر جب مرّ الظہران پہنچا تو بنوسلیم بھی آکر اس میں شامل ہوگئے۔ اس طرح تمام دشمنان اسلام ابوسفیان کے لشکر میں آ آ کر شامل ہوتے گئے اور اس لشکر کا سپہ سالار اعظم ابوسفیان تھا۔ لشکر کفار کی تعداد تقریباً چوبیس ہزار تھی اور اتنی آبادی مدینہ کے بال، بچے، مرد، عورت، بوڑھے اور جوان سب کو ملا کر بھی نہ تھی۔ اس لشکر میں ساڑھے چار ہزار اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے۔

لیکن مدینے کی قیادت نہایت بیدار مغز اور چوکس قیادت تھی۔ چنانچہ مدینے کے ذرائع اطلاعات نے جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی تو رسول اللہ ﷺ نے فوراً ہائی کمان کی مجلس شوریٰ منعقد کی اور دفاعی منصوبے پر صلاح ومشورہ کر کے کافی غور و خوض کے بعد سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تجویز متفقہ طور پر منظور کی۔ یہ تجویز سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان لفظوں میں پیش کی تھی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! فارس میں ہمارا جب محاصرہ کیا جاتا تھا تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیتے تھے۔

یہ تجویز بڑی حکمت پر مبنی تھی اور اہل عرب اس سے واقف نہ تھے۔ آپ ﷺ نے اس تجویز پر فوراً عمل شروع کرنے کے لیے ہر دس آدمی کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا کام سونپ دیا۔ مسلمانوں نے پوری محنت کے ساتھ خندق کھودنے کا کام

شروع کر دیا جس میں رسول اللہ ﷺ بہ نفس نفیس خود خندق کھودتے تھے۔ ایک طرف پہاڑیاں تھیں اور ایک طرف مدینہ منورہ کے مکانات کی دیواریں فصیل کی قائم مقامی کر رہی تھی۔ جو سمت کھلی ہوئی تھی اور جس طرف سے دشمن کا حملہ ہو سکتا تھا اس طرف خندق کی کھدائی کا کام شروع کر دیا گیا۔ سلسلۂ کوہ اور خندق کے درمیان ایک بیضوی شکل کا میدان بن گیا۔ گویا کہ یہی مسلمانوں کا قلعہ تھا اور اس کے وسط میں آپ ﷺ کا خیمہ تھا۔ خندق پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری کھودی گئی تھی۔ خندق کی کھدائی کے دوران ایک جگہ بڑا اور سخت پتھر آ گیا، کافی زور آزمائی کرنے کے بعد جب یہ پتھر نہ ٹوٹا تو صحابہ رضی اللہ عنھم نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ایک پتھر نہیں ٹوٹ رہا ہے۔ لہٰذا اس جگہ سے پھیر کر دوسری طرف موڑ کر کھودنے کی اجازت دی جائے۔ اس پر آپ ﷺ جس جگہ خندق کھودنے میں مصروف تھے وہاں سے اپنا پھاوڑا لے کر چلے اور اس پتھر والے حصہ میں پہنچے اور خندق میں اتر کر اپنا پھاوڑا یا کدال لے کر بسم اللہ پڑھا پھر اس زور سے مارا کہ پتھر میں شگاف پڑ گیا اور ساتھ ہی ایک روشنی نکلی۔ آپ ﷺ نے کہا: اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اس وقت وہاں کے سرخ محلوں کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر دوسری ضرب لگائی تو پتھر کا ایک دوسرا ٹکڑا کٹ گیا اور ساتھ ہی ایک روشنی نکلی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! مجھے فارس دیا گیا ہے۔ واللہ! میں اس وقت مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے تیسری ضرب لگائی تو پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا اور ساتھ ہی ایک روشنی نکلی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اس جگہ سے صنعاء کا پھاٹک دیکھ رہا ہوں۔

مسلمان دن بھر خندق کی کھدائی کرتے اور شام کو گھر پلٹتے۔ کفار کے لشکر جرار کے پہنچنے سے پہلے خندق تیار ہو گئی۔ خندق کی کھدائی کے دوران نبوت کے کئی معجزے بھی ظاہر ہوئے۔ بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے اندر سخت بھوک کے آثار دیکھے تو بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کی بیوی نے ایک صاع یعنی تقریباً ڈھائی کیلو جو پیسا اور کھانا تیار کیا۔ پھر آپ

ﷺ سے رازداری کے ساتھ گزارش کی کہ اپنے چند رفقاء کے ہمراہ تناول کے لیے تشریف لے چلیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ تمام اہل خندق کو جن کی تعداد ایک ہزار تھی ہمراہ لے کر چل پڑے۔ سب لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھایا پھر بھی گوشت کی ہانڈی اپنی حالت پر برقرار رہی اور بھری کی بھری جوش مارتی رہی اور گوندھا ہوا آٹا اپنی حالت پر برقرار رہا اور اس سے روٹی پکائی جاتی رہی۔

خندق کی کھدائی کے دوران مسلمان کافی شدت کی بھوک برداشت کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے بھوک کا شکوہ کیا اور اپنے شکم کھول کر ایک ایک پتھر دکھلائے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا شکم مبارک کھول کر دو دو پتھر دکھلائے۔ اس حالت کو دیکھ کر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا احساس بھوک جاتا رہا اور وہ گرم جوشی کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول ہو گئے۔

بہر حال خندق کھودنے کا کام جب مکمل ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے مدینے کا انتظام ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کے ذمہ سونپ کر اپنے تین ہزار مسلمان سپاہیوں کے ساتھ پہاڑی کی جانب پشت قلعہ بندی کی شکل اختیار فرما لی۔ عورتوں اور بچوں کو مدینے کے قلعوں اور گڈھیوں میں محفوظ کر دیا کیونکہ مدینہ میں موجود یہودیوں اور منافقین کی طرف سے حملے کا خطرہ تھا۔

کفار کا لشکر جرار جب مدینہ پہنچا اور خندق کے قریب آیا تو غیظ و غضب سے چکر کاٹنے لگا اور مجبوراً اس کو وہیں پر خیمہ زن ہونا پڑا۔ کیونکہ ان کے اور مدینے کے درمیان خندق حائل تھا اور مسلمانوں کی طرف سے دفاع کا یہ منصوبہ ایک ایسی چال تھی جس سے اہل عرب واقف ہی نہیں تھے۔ لہٰذا کفار چکرا کر رہ گئے کہ آخر کریں تو کیا کریں۔ قریش مکہ کے شہسواروں کی شان کے خلاف یہ بات تھی کہ وہ بے فائدہ خندق کے باہر خیمہ زن رہیں۔ اس لیے ایک روز عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابی جہل اور ضرار بن خطاب وغیرہ ایک تنگ مقام سے خندق پار کر کے اپنے اپنے گھوڑے پر خندق کا چکر کاٹنے لگے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ چند مسلمانوں کے ساتھ نکلے اور جس مقام

سے وہ اندر داخل ہوئے تھے اسے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس پر عمرو بن عبدود نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مبارزت کے لیے دعوت دی۔ علی رضی اللہ عنہ مقابلے کے لیے آئے اور عمرو کو قتل کر دیے جب کہ باقی مشرکین بھاگ پڑے یہاں تک کہ عکرمہ بن ابی جہل بھاگتے وقت اپنا نیزہ بھی چھوڑ کر بھاگا۔ اس کے بعد مشرکین نے کئی دن خندق کو پاٹنے کی کوشش کی جس سے راستہ بن سکے لیکن مسلمانوں نے ان پر تیروں کی بارش کر کے انھیں خندق کے دور ہی رکھا جس سے رسول اللہ اور صحابہ رضی اللہ عنھم کی کئی نمازیں فوت ہو گئیں۔

کفار اور مسلمانوں کے درمیان تیر اندازی میں چند افراد جن میں چھ مسلمان اور دس مشرک مارے گئے۔ ان میں ایک دو آدمی کو تلوار سے قتل کیا گیا۔ تیر اندازی کے ہی دوران حبان بن عرقہ نامی قریشی مشرک کا تیر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو لگا جس سے ان کی بازو کی بڑی رگ کٹ گئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے زخمی ہونے کے بعد اللہ پاک سے دعا کی کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ جس قوم نے تیرے رسول ﷺ کو جھٹلایا اور انھیں نکال باہر کیا ان سے جہاد کرنا مجھے جس قدر محبوب ہے اتنا کسی اور قوم سے نہیں ہے۔ اے اللہ! میں سمجھتا ہوں کہ تو نے ان کی اور ہماری جنگ کو آخری مرحلے میں پہنچا دیا ہے۔ پس اگر قریش کی جنگ کچھ باقی رہ گئی ہو تو مجھے ان کے لیے باقی رکھ تا کہ میں ان سے تیری راہ میں جہاد کروں اور اگر تو نے لڑائی ختم کر دی ہے تو اسی زخم کو جاری کر کے اسے میری موت کا سبب بنا دے۔ (ماخوذ صحیح بخاری شریف)

اور دعا کا آخری جملہ یہ تھا:

> ''لیکن مجھے موت نہ دے یہاں تک کہ بنو قریظہ کے معاملے میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو جائے۔'' (ماخوذ ابن ہشام)

ایک طرف تو مسلمان جنگ خندق میں مصروف تھے دوسری طرف بنو نضیر کا سردار حی بن اخطب مدینہ کے یہودی قبائل بنو قریظہ کے پاس پہنچا اور مسلمانوں کے خلاف

مشرکین کے ساتھ مل کر جنگ کرنے کے لیے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد قرظی کو آمادہ کرلیا۔ بنو قریظہ مسلمانوں سے کیے گئے عہد و پیمان توڑ کر مشرکین کے ساتھ شامل ہوگئے۔ یہ گھڑی مسلمانوں کے لیے بہت کٹھن تھی کیونکہ مسلمانوں کی عورتیں اور بچے بغیر حفاظت کے مدینہ میں تھے اور بنو قریظہ کے بہت قریب تھے جس سے حالات خطرناک ہوگئے۔ وہ وقت بھی پہنچا کہ بنو قریظہ کا ایک یہودی اس قلعہ کا چکر کاٹنے لگا جس میں رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جب صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس یہودی کو دیکھا تو ستون کی ایک لکڑی سے اسے مار مار کر ہلاک کردیا۔ اس کا اثر یہودیوں پر یہ پڑا کہ وہ سمجھنے لگے کہ مسلمانوں کے قلعوں اور گڈھیوں میں مسلمانوں کی حفاظتی لشکر موجود ہے۔ ان کے دلوں میں اللہ نے خوف اور ہیبت ڈال دیا حالاں کہ مسلمانوں کے قلعوں اور گڈھیوں میں کوئی حفاظتی لشکر موجود نہ تھا۔

جب آپ ﷺ کو بنو قریظہ کی مسلمانوں سے کیے گئے عہد و پیمان توڑنے کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے اس کی تحقیق کے لیے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، عبد اللہ بن رواحہ اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنھم کو روانہ کیا اور انھوں نے بنو قریظہ کی اس غداری کی رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر تصدیق کر دی۔ حالاں کہ مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کے مدنظر اس خبر کو راز داری میں ہی رکھی گئی لیکن دھیرے دھیرے صورت حال کا علم عام لوگوں تک پہنچ گیا۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہ وقت بڑا سخت ہوگیا۔ سامنے کفار کا لشکر جرار اور پیچھے بنو قریظہ کا حملہ روکنے کے لیے کوئی نہیں تھا۔ مسلمان عورتیں اور بچے بدعہد یہودیوں کے قریب تھے اس سے مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوگئی۔ اس کیفیت کا نقشہ اللہ نے یوں کھینچا ہے:

واذ زاغت الابصار و بلغت القلوب الجناجر و تظنون بالله الظنونا○ هنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالا شديداً○

(سورۃ الاحزاب. پارہ 21)

ترجمہ: اور جب نگاھیں کج ہوگئیں، دل حلق میں آگئے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت مومنوں کی آزمائش کی گئی اور انھیں شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا۔

ادھر منافقین یہ بکنے لگے کہ محمد تو ہم سے وعدے کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے پائیں گے اور یہاں حالت یہ ہے کہ پیشاب پاخانے کیلئے نکلنے میں بھی جان کی خیر نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب یہ حالات آئے اور آپ ﷺ جب بنو قریظہ کی بدعہدی کی خبر سنی تو اپنا چہرہ اور سر ڈھک کر چت لیٹ گئے اس کیفیت کو دیکھ کر مسلمان حیران ہوگئے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد آپ ﷺ اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ مسلمانو! اللہ کی مدد اور فتح کی خوش خبری سن لو۔ اس کے بعد آگے آنے والے حالات سے نپٹنے کا پروگرام آپ ﷺ نے بنایا اور مدینے کی حفاظت کے لیے کچھ مسلمانوں کے دستے بھیجے۔ آپ ﷺ نے ایک تجویز مسلمانوں کے سامنے رکھا کہ قریش مکہ کی طاقت کمزور کرنے کے لیے مدینہ کی ایک تہائی پیداوار قبیلۂ بنو غطفان کے دونوں سرداروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کو دے کر صلح کرلی جائے لیکن مسلمانوں نے دب کر صلح کرنے سے صاف انکار کردیا اور سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنھما نے ایک زبان ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر اللہ نے آپ ﷺ کو اس کا حکم دیا ہے تو بلا تردد تسلیم ہے لیکن اگر آپ ﷺ ہماری خاطر ایسا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم مسلمان ہیں۔ اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔ ہم کفار سے نہیں ڈرتے۔ آپ ﷺ نے کہا کہ چونکہ سارا عرب تمھاری دشمنی پر آگیا ہے اس لیے محض تمھارے خاطر میں نے یہ تجویز رکھی تھی۔

اللہ کی رحمت، بنو غطفان کا ایک آدمی جن کا نام نعیم بن مسعود بن عامر اشجعی تھا، آپ ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں مسلمان ہوگیا ہوں اور میرے اسلام لانے کا علم کسی کو نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ میرے لیے کوئی حکم کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ایک آدمی ہو اور تم سے جس قدر ممکن ہو دشمنوں کی حوصلہ شکنی

کرو، کیونکہ جنگ حکمت عملی کا نام ہے۔ اس بات کو سن کر حضرت نعیم رضی اللہ عنہ فوراً بنو قریظہ پہنچے اور ان کو قریش کے خلاف بھڑکایا۔ اب دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ اسی دوران جمعہ اور سنیچر کی درمیانی رات کو قریش نے یہود کو پیغام بھیجا کہ آپ لوگ کل اچانک ہمارے ساتھ محمد پر دھاوا بول دیں۔ اس پر یہود نے کہا کہ سنیچر کے دن ہم جنگ نہیں کرتے اور آپ لوگ اس کے علاوہ ہمارے پاس اپنا کچھ آدمی بطور یرغمال رکھ دیں ورنہ ہم جنگ نہیں کریں گے۔ اس پر قریش نے کہا نعیم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہود کو پیغام بھیجا کہ ہم اپنا کوئی آدمی آپ کے پاس بطور یرغمال نہیں دے سکتے۔ اس طرح کی بات نعیم نے ہی بنو قریظہ اور قریش کو سکھلائی تھی اور اس سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ مسلمان اس وقت اللہ سے یہ دعا کر رہے تھے:

اللھم استر عوراتنا و اٰمین روعاتنا.

ترجمہ: اے اللہ ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے مامون کر دے۔

اور رسول اللہ ﷺ یوں دعا کر رہے تھے:

اللھم منزل الکتاب سریع الحساب اھزم الاحزاب اللھم اھزمھم و زلزلھم.

ترجمہ: اے اللہ! کتاب اتارنے والے اور جلد حساب لینے والے، ان لشکروں کو شکست دے۔ اے اللہ! انھیں شکست دے اور جھنجھوڑ کر رکھ دے۔

بالآخر محاصرہ کے ستائیسویں دن اللہ نے کفار پر تند ہواؤں کا طوفان بھیج دیا جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور فرشتوں کو بھیج کر انھیں ہلا ڈالا۔ کافی سخت سردی کی کڑکڑاتی رات میں یہ طوفان آیا۔ کفار بھاگ پڑے، کفار کے فرار ہونے کی خبر آپ ﷺ کو اللہ نے دی اور آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو کفار کی خبر لانے کے لیے اسی کڑکڑاتی سرد رات میں بھیجا۔ انھوں نے آکر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ کفار کا لشکر گاہ خالی پڑا ہے اور وہ بھاگ گئے ہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے۔ اب ہمارا لشکر ان کی طرف جائے گا۔

غزوۂ بنو قریظہ، ذیقعدہ 5ھ

جنگ خندق سے بفضل خداوندی فتح یاب ہو کر رسول اللہ ﷺ جب مدینہ پہنچے تو بوقت ظہر بحکم خداوندی جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور بنو قریظہ پر حملہ کرنے کی خبر دی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ اعلان کرایا کہ جو شخص سمع وطاعت پر قائم ہے وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھے۔ آپ ﷺ نے مدینے کا انتظام ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے ذمہ کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جنگ کا پھریرا دے کر بنو قریظہ کے لیے روانہ فرمایا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ بنو قریظہ کے قلعوں کے قریب پہنچے تو بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینا شروع کر دیا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ مہاجر و انصار کے ساتھ بنو قریظہ پہنچ کر ''انا'' نامی ایک کنویں پر نزول فرمائے۔ عام مسلمان بھی جنگ کی خبر سن کر بنو قریظہ کی طرف چل دیے اور عصر کا وقت جب راستے میں ہوا تو راستہ میں نماز نہ پڑھ کر عشا کے بعد بنو قریظہ پہنچ کر عصر کی نماز ادا کی۔ بعض مسلمانوں نے وقت ہونے پر عصر کی نماز راستے ہی میں پڑھ لی کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا منشا بنو قریظہ پہنچنا تھا اس لیے انھوں نے بنو قریظہ میں عصر کی نماز پڑھنے کا اعلان فرمایا تھا۔ اب تو ہم بنو قریظہ کے لیے چل چکے ہیں اور راستے میں عصر کا وقت ہو گیا ہے۔ لہٰذا نماز پڑھ لی جائے اور ان لوگوں نے نماز پڑھ لیا۔ بعد میں اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو دی گئی تو آپ ﷺ نے جو لوگ عصر کی نماز راستے میں پڑھ لی تھی یا جن لوگوں نے عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچ کر عشا کے بعد پڑھی تھی کسی بھی فریق کو سخت سست نہیں کہا۔

لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ اپنے تین ہزار مسلح سپاہیوں

کے ساتھ کرلیا اور یہ محاصرہ پچیس دن تک جاری رہا۔ بنونضیر کا سردار حی بن اخطب بھی قلعہ میں محصور ہوگیا کیونکہ وہ جنگ خندق کے بعد بنوقریظہ سے ملنے آیا تھا۔ جب محاصرہ تنگ ہوگیا اور بنوقریظہ کا سردار کعب بن اسد نے دیکھا کہ مسلمانوں سے ٹکر لینا میری قوم کے بس کی بات نہیں ہے، تو اس نے اپنی قوم کو جمع کر کے ان کے سامنے تین تجویزیں رکھیں۔ اس میں کعب بن اسد کی پہلی تجویز یہ تھی کہ اسلام قبول کر لیا جائے کیونکہ محمد واللہ! اللہ کے رسول ہیں۔ یہ وہی ہیں جن کی نشانیاں توریت میں موجود ہیں۔ اس کی دوسری تجویز یہ تھی کہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیا جائے پھر مسلمانوں سے آخری دم تک جنگ کی جائے۔ اگر شکست ہوگئی تو بال بچوں سے بے فکر ہوں گے اور اگر فتح ہوئی تو بیوی بچے پھر مل جائیں گے۔ اور اس کی تیسری تجویز یہ تھی کہ سنیچر کے روز یک بارگی مسلمانوں پر حملہ کردیا جائے، کیونکہ مسلمان سمجھیں گے کہ آج سنیچر ہے اور یہودی آج کے دن جنگ نہیں کریں گے۔ لیکن بنوقریظہ نے اپنے سردار کی کوئی تجویز منظور نہ کی۔

کعب بن اسد کے تینوں تجویزوں کو ٹھکرا دینے کے بعد بنوقریظہ کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ لہٰذا انھوں نے مناسب سمجھا کہ اپنے حلیف مسلمانوں سے اس کے متعلق مشورہ کرلیں کہ ہتھیار ڈالنے کا انجام کیا ہوگا۔ لہٰذا بنوقریظہ نے آپ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیں کیونکہ وہ ہمارے حلیف ہیں۔ ان کے آل و اولاد و باغات بھی ہمارے یہاں ہیں ہم ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بنوقریظہ کے پاس بھیج دیا۔ جب ابولبابہ رضی اللہ عنہ بنوقریظہ کے قلعے میں پہنچے تو انھیں دیکھ کر مرد، عورتیں، بچے دوڑ پڑے اور ان کے سامنے زار و قطار رونے لگے۔ اس کیفیت سے ابولبابہ رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہوگئی۔ پھر بنوقریظہ نے کہا: اے ابولبابہ رضی اللہ عنہ! کیا آپ ٹھیک سمجھتے ہیں کہ ہم اپنا ہتھیار رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈال دیں؟ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن ساتھ ہی انھوں نے حلق

کی طرف اشارہ بھی کر دیا جس کا مطلب تھا کہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ اپنی اس غلطی کی ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو فوراً احساس ہوا لہٰذا انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جا کر اپنے کو ایک ستون سے باندھ لیا اور یہ قسم کھا لی کہ انھیں رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے کھولیں گے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے اور جب بہت دیر ہوگئی تو آپ ﷺ کو حقیقت حال معلوم ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لیے دعائے مغفرت کر دیتا لیکن جب انھوں نے ایسا ہی کرلیا ہے تو میں بھی جب تک ان کی توبہ اللہ قبول نہ کرلے تب تک انھیں ستون سے نہیں کھولوں گا۔

ادھر بنو قریظہ کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا تھا۔ ان کے پاس کھانے پینے کی ساری چیزیں موجود تھیں جب کہ صحابہ رضی اللہ عنھم کڑاکے کی سردی میں محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ پھر بھی ان کے دل ہل گئے اور جب انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ اعلان سنا کہ خدا کی قسم! اب میں بھی یا تو وہی چکھوں گا جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے چکھ لیا ہے یا ان کا قلعہ فتح کروں گا۔ تو بنو قریظہ دھل گئے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ آپ ﷺ کے حکم سے بنو قریظہ کے مردوں کو محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں باندھ دیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو ان سے الگ کر دیا گیا۔ بنو قریظہ کے تین اشخاص ثعلبہ بن سعید، اسد بن عبید اور اسید بن سعید نے اسلام قبول کرلیا۔

بنو قریظہ کے ہتھیار ڈالنے کے بعد قبیلۂ اوس کے لوگوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ان پر احسان فرمائیں۔ اس پر آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ کیا آپ لوگ اس پر راضی ہیں، کہ ان کے متعلق آپ ہی کا ایک آدمی فیصلہ کرے؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ پھر آپ ﷺ نے کہا کہ یہ معاملہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے ہے، تو اوس کے لوگوں نے کہا کہ ہم اس پر راضی ہیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے بلا

بھیجا۔ کیونکہ سعد رضی اللہ عنہ کو جنگ خندق کے موقع پر دشمن کے ایک تیر سے ان کے بازو کی بڑی رگ کٹ گئی تھی اور وہ مدینہ میں زیر علاج تھے۔ انھیں گدھے پر سوار کر کے بنو قریظہ میں لشکر اسلام کے پاس لایا گیا۔ جب قریب پہنچے تو ان کے قبیلے کے لوگوں نے انھیں گھیر لیا اور کہنے لگے کہ سعد! اپنے حلیفوں کے بارے میں احسان کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو حسن سلوک کرنے کے لیے حکم بنایا ہے۔ جب گزارش کافی ہونے لگی تو سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

''اب وقت آ گیا ہے کہ سعد کو اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی پرواہ نہ ہو''۔

یہ سن کر بعض لوگوں نے مدینہ آ کر اسی وقت بنو قریظہ کے قتل کے فیصلے کی خبر پھیلا دی۔

جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنھم سے کہا کہ اپنے سردار کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ صحابہ رضی اللہ عنھم کھڑے ہو گئے۔ جب سعد رضی اللہ عنہ کو سواری سے اتار لیا گیا تو آپ ﷺ نے کہا: سعد! یہ لوگ تمھارے فیصلے پر راضی ہیں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میرا فیصلہ ان پر نافذ ہوگا؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ سعد نے کہا کیا مسلمانوں پر بھی؟ لوگوں نے کہا ہاں! پھر سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کیا جو یہاں ہیں اشارہ رسول اللہ ﷺ پر تھا ان پر بھی؟ رسول اللہ ﷺ نے کہا ہاں مجھ پر بھی۔ پھر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا بنو قریظہ کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور اموال مسلمانوں میں تقسیم کیے جائیں۔ آپ ﷺ نے سعد بن معاذ کا فیصلہ سن کر فرمایا:

''تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔''

چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے بعد بنو قریظہ کے مردوں کی جن کی تعداد تقریباً سات سو تھی گردنیں اڑادی گئیں۔ ساتھ ہی بنو نضیر کا سردار حی بن اخطب جو اُن دنوں بنی قریظہ ہی کے قلعوں میں غزوۂ خندق کے بعد سے تھا اس کی بھی گردن ماردی گئی۔ عورتوں اور بچوں کو آپ ﷺ نے سعد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں نجد بھیج کر ان کے عوض گھوڑے اور ہتھیار خرید لیے۔ اور بنو قریظہ کی عورتوں میں حضرت ریحانہ بنت عمرو بن حنافہ کو آپ ﷺ نے اپنے لیے منتخب فرمایا اور 6ھ میں آزاد کر کے ان سے شادی کرلی۔ مال غنیمت میں سے خمس نکال کر بقیہ مال مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا۔

بنو قریظہ جب اپنے انجام کو پہنچ گئے تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا زخم پھٹ گیا اور خون جاری ہوگیا۔ آپ ﷺ نے ان کا خیمہ مسجد نبوی میں ہی لگوادیا تھا تاکہ قریب سے عیادت کرسکیں۔ زخم پھٹنے کے بعد سعد رضی اللہ عنہ کی موت ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت سے رحمٰن کا عرش ہل گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ترمذی میں روایت ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین نے کہا ان کا جنازہ کس قدر ہلکا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔

ادھر ابولبابہ رضی اللہ عنہ چھ دنوں تک مسلسل ستون میں بندھے رہے۔ صرف نماز کے وقت ان کی بیوی انھیں ستون سے کھول دیتی تھیں، اور نماز پڑھ کر وہ پھر بندھ جاتے تھے۔ چھ دنوں کے بعد صبح کی نماز سے کچھ پہلے جب کہ آپ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف فرما تھے ان کی توبہ کی قبولیت نازل ہوئی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہوکر فرمایا کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ! خوش ہوجاؤ کہ تمھاری توبہ اللہ نے قبول فرمالی۔ یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنھم اچھل پڑے اور ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو کھولنا چاہے تو ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے انھیں منع کردیا اور کہا کہ انھیں رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے کھولیں گے۔ لہٰذا جب

آپ ﷺ صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے تو انھیں ستون سے کھول دیا۔

بنو قریظہ کے محاصرے کے دوران ایک مسلمان جن کا نام خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ ہے شہید ہو گئے۔ غزوۂ خندق اور غزوۂ بنو قریظہ کے متعلق سورۂ احزاب کی بہت سی آیتیں نازل ہوئیں۔

غزوۂ بنی المصطلق یا غزوۂ مریسیع، شعبان 6ھ

مدینے کے ذرائع اطلاعات نے رسول خدا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ بنو المصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار عرب کے کچھ قبیلوں کے ہمراہ آپ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے آرہا ہے۔ اس کی تحقیق کے لیے آپ ﷺ نے بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور بریدہ رضی اللہ عنہ نے حارث بن ضرار سے جا کر بات چیت کی اور واپس آ کر آپ ﷺ کو حالات سے باخبر کیا کہ وہ حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ خبر کو پا کر آپ ﷺ نے مدینے کا انتظام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سونپا اور 2 شعبان 6ھ کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کے ساتھ حارث بن ضرار سے ٹکر لینے کے لیے چل پڑے۔ آپ ﷺ کے ساتھ منافقین کی بھی ایک تعداد تھی جو اس سے پہلے کسی غزوے میں نہیں گئی تھی۔ آپ ﷺ اپنے دستور کے مطابق قرع اندازی کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کو اپنے ساتھ لیا۔

ادھر حارث بن ضرار نے بھی مسلمانوں کی حرکت کا پتہ لگانے کے لیے ایک جاسوس روانہ کیا لیکن مسلمانوں نے اس کے جاسوس کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ جب حارث بن ضرار کو اس کے جاسوس کی قتل اور مسلمانوں کو حملہ کے لیے روانگی کا علم ہوا تو وہ بہت خوف زدہ ہوا اور اس کے ساتھی جو عرب کے مختلف قبیلے سے تعلق رکھتے تھے فرار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کے ہمراہ چشمۂ مریسیع تک پہنچے تو بنو المصطلق جنگ کے لیے صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ پہلے دونوں فریقین میں تیروں کی بوچھار ہوئی پھر

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو یک بارگی حملہ کرنے کا حکم دیا۔ بنو المصطلق جنگ میں ٹک نہیں پائے اور فرار ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا۔ اس کے علاوہ مویشی اور بکریاں بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ قیدیوں میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنھا بھی تھیں جو حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں اور وہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں پڑی تھیں۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے انھیں مکاتب بنالیا اور پھر آپ ﷺ نے جویریہ رضی اللہ عنھا کی طرف سے طے شدہ رقم ادا کرکے ان سے شادی کرلی۔ جویریہ رضی اللہ عنھا اپنی قوم کے لیے بڑی برکت ثابت ہوئیں کیونکہ اس شادی کے بعد صحابہ رضی اللہ عنھم نے بنو المصطلق کے ایک سو گھرانوں کو جو مسلمان ہوگیا تھا اس وجہ سے آزاد کردیا، کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سسرال والے ہیں۔ اس غزوہ میں اسلامی لشکر کا علم بردار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے اور انصار کا خاص پھریرا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔

منافقین مدینہ جس کا رئیس عبد اللہ بن ابی تھا اسکو مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ سے بہت حسد تھا۔ منافقوں کا سردار عبد اللہ بن ابی تو اپنی بادشاہت چھن جانے کا سبب رسول اللہ ﷺ کو ہی سمجھتا تھا کیونکہ مدینہ کے اندر اوس وخزرج کے لوگ اس کی قیادت پر متفق ہوگئے تھے اور اس کی تاج پوشی کے لیے مونگوں کا تاج بنایا جارہا تھا کہ اسلام کی کرن مدینہ میں پہنچ گئی اور لوگوں کی توجہ عبد اللہ بن ابی سے ہٹ گئی۔ اس لیے وہ سمجھتا تھا کہ رسول خدا ﷺ نے ہی اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ مسلمان اور اسلام دشمن کام میں مصروف رہتا تھا۔ جب اس نے بدر کا انجام دیکھا تو اسلام قبول کرنے ہی میں اپنی بھلائی سمجھی۔ لیکن اظہار اسلام کے بعد اس نے اور اس کے رفقا جو اسلام کا اظہار کر لیے تھے موقع دیکھ کر مسلمانوں کو نقصان پہنچایا کرتے تھے۔ عبد اللہ بن ابی کی بے شرمی اور بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ ہر جمعہ کو رسول اللہ ﷺ کے خطبہ دینے سے پہلے وہ مسجد میں خود کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا کہ

''لوگو! تمھارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں اور اللہ نے ان کے ذریعہ تمھیں عزت بخشی ہے لہٰذا ان کی مدد کرو اور ان کی بات سنو اور مانو۔''

پھر بیٹھ جاتا تھا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔ جنگ احد کے بعد جو جمعہ آیا تو یہ بے حیا پھر کھڑا ہوگیا اور وہی باتیں دہرانی شروع کی تو اس مرتبہ ہر جانب سے مسلمانوں نے اس کیڑے کو پکڑ لیا اور کہا کہ او اللہ کے دشمن! اب تو اس لائق نہیں رہ گیا ہے۔ اس پر وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا مسجد سے نکل گیا۔ ایک انصاری صحابی نے دروازے پر اس سے کہا کہ چل میں اللہ کے رسول ﷺ سے تیری مغفرت کی درخواست کرتا ہوں وہ تیرے لیے مغفرت کی دعا کر دیں گے۔ اس پر عبداللہ بن ابی نے کہا کہ خدا کی قسم! میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لیے دعاے مغفرت کریں۔

چونکہ غزوۂ بنی المصطلق میں منافقین کی بھی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی اس لیے اس غزوہ میں بھی موقع پا کر یہ اپنی منافقت سے باز نہیں آئے۔ غزوہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ ابھی مریسیع کے چشمہ پر ہی قیام فرما تھے کہ کچھ لوگ پانی کے لیے گئے جن میں عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مزدور جہجاہ غفاری تھا اور اس کے پانی لینے کے معاملے پر ایک شخص سنان بن وبر جہنی سے کچھ نوک جھونک ہوگئی۔ ایک نے آواز دی انصار کے لوگو! مدد کو دوڑو۔ دوسرے نے آواز دی مہاجر کے لوگو! مدد کو دوڑو۔ جب آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ خود ہی تشریف لے گئے اور فرمایا: میں تمھارے اندر موجود ہوں اور جاہلیت کی پکار کیوں پکاری جارہی ہے؟ اسے چھوڑ دو یہ بدبو دار ہے۔

جب اس کی خبر عبداللہ بن ابی کو ہوئی تو وہ بھڑک اٹھا اور بولا کہ ان لوگوں نے ایسی حرکت کیسے کی؟ اور اپنی مجلس میں بولا کہ جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو عزت والا آدمی ذلیل آدمی کو نکال دے گا۔ یہ ہمارے ہی شہر میں رہ کر ہمیں کو آنکھ دکھا رہے ہیں۔ یہ سب تم لوگوں کے سبب ہوا کیونکہ تم نے اپنا مال بانٹ بانٹ کر دیا اور اگر تم

لوگ ہاتھ روک لوتو یہ دوسری جانب چلتے بنیں گے۔ اس مجلس میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، انھوں نے اپنے چچا سے آکر پوری بات بتائی اور ان کے چچا نے آپ ﷺ سے عبد اللہ بن ابی کی بات بتادی۔ اور جب عبد اللہ بن ابی کو پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کی کہی ہوئی باتوں کا پتہ چل گیا ہے تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آکر قسمیں کھانے لگا کہ ہم نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی ہے۔ لوگوں نے بھی آپ ﷺ سے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ پوری بات زید کے ذہن میں نہ آسکی ہو کیونکہ وہ ابھی نوعمر ہے۔ اس پر زید رضی اللہ عنہ بہت غم زدہ ہوئے اور اللہ کی طرف سے سورۂ منافقین نازل ہوئی:

هم الذين يقولون لا تنفقوا علىٰ من عند رسو ل الله حتىٰ ينفضوا ط (سورة المنفقون. پارہ 28)

ترجمہ: یہ منافقین وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ چلتے بنیں۔

يقولون لئن رجعنا الى المدينة ليخرجن الا عز منها الا ذل ط

(سورة المنفقون. پارہ 28)

ترجمہ: یہ منافقین کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو اس سے عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ اللہ نے تمھاری تصدیق کردی ہے۔

درحقیقت منافقین ومشرکین و یہود و دیگر اسلام دشمن عناصر یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ تلوار کے زور پر مسلمانوں کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اب وہ مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کا لڑکا جن کا نام عبد اللہ ہی تھا اپنے باپ سے برأت اختیار کرلی تھی اور رسول اللہ ﷺ سے عرض بھی کیے تھے کہ اگر آپ ﷺ عبد اللہ بن ابی کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے اجازت دیں

میں اس کا سر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ غزوۂ بنو المصطلق کے موقع پر اپنے باپ کا فتنہ جب عبد اللہ نے سنا تو مدینہ کے دروازے پر تلوار لے کر کھڑے ہوگئے اور جب عبد اللہ بن ابی آیا تو اس کا راستہ روک دیا اور کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ عزیز ہیں اور آپ ذلیل ہیں۔ جب آپ ﷺ وہاں پر تشریف لائے تو اسے مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دی تب جا کر عبد اللہ بن ابی کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے باپ کا راستہ چھوڑا۔

افک کا واقعہ: غزوۂ بنو المصطلق کا ایک اہم واقعہ افک کا واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس غزوہ میں قرعہ اندازی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام نکلنے کے بعد رسول اللہ ﷺ انھیں اپنے ہمراہ لے گئے تھے اور غزوہ سے واپسی میں جب ایک جگہ اسلامی فوج نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضاے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئیں اور اپنی بہن کا ہار جو انھوں نے پہن رکھا تھا کھو بیٹھیں۔ جب انھیں ہار کے کھونے کا احساس ہوا تو ہار ڈھونڈھنے کے واسطے اس جگہ پر گئیں جہاں اپنی حاجت کے لیے گئیں تھیں۔ اسی دوران وہ لوگ جو آپ رضی اللہ عنہا کا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تھے آپ کا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دبلی، پتلی نوعمر تھیں اس لیے ان لوگوں کو پتہ نہیں چلا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس میں موجود ہیں یا نہیں۔ انھوں نے یہی سمجھا کہ آپ رضی اللہ عنہا اس میں موجود ہیں اور جب عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے قیام گاہ پر پہنچیں تو لشکر جا چکا تھا۔ وہ یہ سوچ کر وہاں پر بیٹھ گئیں کہ جب لشکر کو پتہ لگے گا تو انھیں تلاش کرتے ہوئے لوگ وہیں پر آئیں گے جہاں پر پہلے پڑاؤ تھا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہاں بیٹھیں تو مشیت ایزدی ایسا ہوا کہ ان کی آنکھ لگ گئی۔

جب صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ وہاں پر پہنچے جہاں پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سوئی ہوئی تھیں، تو انھوں نے دیکھ کر پہچان لیا کیونکہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے

پہلے انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تھا۔ صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ کو دیکھ کر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور چونکہ زوردار آواز سے پڑھا، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیدار ہوگئیں۔ صفوان رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری ان کے پاس بیٹھا دی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی سواری پر بیٹھ گئیں۔ معلوم رہے کہ صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ لشکر اسلام سے پیچھے رہ گئے تھے اور پچھلی رات سے چلے آرہے تھے اور صبح کو وہاں پر پہنچے جہاں پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سوئی ہوئی تھیں۔ بہر حال صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بیٹھا کر اور خود پیدل چل کر وہاں پر پہنچے جہاں پر دوپہر کے وقت اسلامی لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

اس طرح صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آتا دیکھ کر مختلف لوگوں نے اپنے اپنے فکر کے مطابق تبصرے کیے۔ عبد اللہ بن ابی اور اس کے رفقا کو اپنی بھڑاس نکالنے کا ایک موقع مل گیا اور منافقوں نے بات کو بڑھا چڑھا کر بد کاری کی تہمت لگا کر پروپگنڈہ شروع کردیا۔ جب لشکر مدینہ پہنچا تو ان تہمت تراشوں نے ایک طوفان کھڑا کردیا جس سے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ فکر مند رہنے لگے اور کچھ دنوں کے لیے وحی کا آنا بھی بند ہوگیا جس سے رسول اللہ ﷺ کافی پریشان دیکھے گئے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علاحدگی کے متعلق اپنے خاص صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم سے مشورہ کرنے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو اشاروں ہی اشاروں میں علاحدگی کی رائے دے ڈالی لیکن اسامہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنھم نے آپ ﷺ سے یہی عرض کیا کہ دشمنوں کی باتوں میں نہ آئیں اور آپ ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں برقرار رکھیں۔

رسول اللہ ﷺ اس معاملے کو لے کر اتنا غمزدہ تھے کہ ایک روز مسجد نبوی میں منبر پر رونق افروز ہوکر عبد اللہ بن ابی اور اس کے رفقا کی ایذا رسانیوں کی طرف صحابہ رضی اللہ عنھم کو توجہ دلائی۔ اس پر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن ابی کے قتل کی

اجازت مانگی۔ اس پر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو عبد اللہ بن ابی کے قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے تھے ان پر قبائلی حمیت غالب آگئی پھر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ میں ترش کلامی شروع ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑی مشکل سے دونوں کو خاموش کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو اس تہمت کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا۔ وہ جب غزوہ سے واپس آئیں تو بیمار پڑ گئیں تھیں اور تقریباً ایک مہینہ تک بیمار رہیں۔ انھیں ایک بات ضرور ستا رہی تھی کہ بیماری کے دنوں میں جو محبت رسول اللہ ﷺ سے دیکھنے کو ملتی تھی وہ اب کی بار نظر نہیں آرہی تھی۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیماری سے ٹھیک ہوگئیں تو ایک رات ام مسطح رضی اللہ عنہا کے ساتھ قضاے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئیں۔ اتفاق سے ام مسطح اپنی چادر میں پھنس کر پھسل کر گر گئیں تو اپنے بیٹے کو بد دعا دیں۔ اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں ٹوکا کہ تم نے اپنے بیٹے کو کیوں بد دعا دی۔ پھر یہ بات بتانے کے لیے کہ ان کا بیٹا بھی تہمت تراشوں میں شامل ہے پورا واقعہ ام مسطح رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ سنایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب گھر پہنچیں تو رسول اللہ ﷺ سے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اپنے والدین کے گھر پہنچیں تو اس واقعہ کے متعلق دریافت کیں اور معلوم پڑنے پر زار وقطار رونے لگیں۔ دو راتیں اور ایک دن روتے ہوئے گزرا کہ لگتا تھا کہ ان کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ! میں نے تمھارے بارے میں اس طرح کی باتیں سنی ہے۔ اگر تم اس سے بری ہو تو اللہ عنقریب تمھاری برأت ظاہر کردے گا، اور خدانخواستہ تم سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا ہے تو توبہ کرلو کیونکہ بندہ گناہ کر کے صدق دل سے جب توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندے کا گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو سننے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں کے آنسو رک گئے اور اپنے والدین سے جواب دینے کو کہا لیکن ان کے والدین کو کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی کہا: واللہ! میں جانتی ہوں کہ یہ بات سنتے سنتے آپ لوگوں نے اس کو سچ ہی مان لیا ہے۔ اس لیے اگر میں کہوں کہ میں بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو آپ لوگ میری بات کو سچ نہیں مانیں گے۔ اور اگر میں کسی بات کا اعتراف کرلوں حالاں کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ لوگ سچ مان لیں گے۔ اس لیے میں وہی کہتی ہوں جو یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا:

فصبر جميل. والله المستعان على ما تصفون.

(سورۃ یوسف. پارہ 12)

ترجمہ: صبر ہی بہتر ہے اور تم لوگ جو کچھ کہتے ہو اس پر اللہ کی مدد مطلوب ہے۔

اس کے تھوڑے ہی دیر بعد رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہوگیا اور سورۂ نور کی دس آیتیں نازل ہوئیں۔ جب وحی کا نزول ختم ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ نے تمھیں بری کردیا ہے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں نے کہا: عائشہ! حضور ﷺ کی جانب اٹھو اور ان کا شکریہ ادا کرو۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دامن کی برأت اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کے اعتماد کے سبب ناز سے کہا: واللہ میں تو ان کی طرف نہ اٹھوں گی اور صرف اللہ کی حمد کرتی رہوں گی۔

اس کے بعد تہمت تراشی کے جرم میں مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت، حمنہ بن جحش رضی اللہ عنھم اور عبداللہ بن ابی کے پیٹھ پر اسی اسی کوڑے برسائے گئے۔ مدینہ کی فضا ایک مہینہ کے بعد قلق و اضطراب سے ختم ہوگئی۔ عبداللہ بن ابی ہمیشہ کے لیے لوگوں سے اور اپنے رفقا کی نظروں سے گر گیا۔ اور اس کی اس حالت کو دیکھ کر آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عمر! اگر تم اس شخص کو اس دن قتل کردیتے جس

دن تم نے اس کے قتل کی اجازت مانگی تھی تو اس کے بہت سے ہمدرد اٹھ کھڑے ہوتے لیکن آج انہی ہمدردوں کو اس کے قتل کا حکم دیا جائے تو وہ قتل کردیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا واللہ مجھے سمجھ میں آ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ میرے معاملے سے زیادہ بابرکت ہے۔

یہ رہا واقعہ افک کا روداد جو غزوۂ بنو المصطلق میں واپسی پر پیش آیا اور جس نے تقریباً ایک مہینہ تک مدینے کی فضا میں اضطراب بپا کر رکھا تھا اور بالآخر سورۂ نور کے نزول کے بعد مدینہ کی فضا نے سکون کا سانس لیا۔

صلح حدیبیہ، ذی قعدہ 6ھ

جیسا کہ ہم جانتے ہیں اہل عرب شرک و بت پرستی میں مبتلا تھے لیکن یہ بھی اپنی جگہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ملک عرب میں دین ابراھیمی کا رواج تھا۔ لوگ خانۂ کعبہ کا احترام کرتے تھے اور اس کا طواف کرتے تھے۔ ایام حج میں حج کرتے تھے اور حرام کے دنوں میں جنگ و جدال سے باز رہتے تھے۔ رسول خدا ﷺ نے شوال 6ھ میں مدینہ کے اندر یہ خواب دیکھا کہ آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں اور مسجد حرام میں صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں۔ کعبہ کی کنجی لے رہے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ پھر کچھ لوگ اپنے بالوں کو منڈھا رہے ہیں اور کچھ لوگ اپنے بالوں کو کتروا رہے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ عمرہ ادا کر رہے ہیں۔

چونکہ نبی کا خواب وحی خداوندی ہوتا ہے۔ نبی جو خواب دیکھے وہ دوسروں کے دیکھے گئے خواب کی طرح جھوٹ یا سچ نہیں ہوتا بلکہ نبی جو خواب دیکھتا ہے وہ حق ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم سے اس خواب کا تذکرہ کیا اور مدینہ کا انتظام ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے چودہ سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم

اجمعین کے ساتھ قربانی کا جانور لے کر عمرہ کرنے کے لیے مکہ کا رخ کیا۔ جس دن آپ ﷺ مدینہ سے نکلے اس دن ذیقعدہ کی پہلی تاریخ تھی اور سوموار کا دن تھا۔ آپ ﷺ کی شریک زندگی میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ آپ ﷺ نے صرف میان کے اندر بند تلوار ہی، ساتھ رکھنے کا حکم دیا تھا اور بقیہ جنگی لباس، زرہ وغیرہ لے جانے کا حکم نہیں تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ارادہ عمرہ کرنا تھا نہ کہ جنگ و جدال کرنا۔

جب آپ ﷺ مدینہ کے میقات پر پہنچے تو آپ ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھا۔ قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنائے اور اونٹ جو قربانی کے لیے تھا اس کے کوہان چیر کر نشان بنائے۔ اپنی قصواء نامی اونٹنی پر بیٹھ کر لبیک اللھم لبیک کی صدا بلند کیے۔ آپ ﷺ کی اقتدا میں آپ ﷺ کے ہمراہ صحابہ رضی اللہ عنھم نے بھی ایسا ہی کیا اور مکہ کی راہ پر چل دیے۔

مقام ذی الحلیفہ میں پہنچ کر ہی آپ ﷺ نے قبیلۂ خزاعہ کے ایک شخص کو احتیاطاً بطور جاسوس آگے روانہ فرمایا۔ اس نے مقام عسفان میں واپس آ کر آپ ﷺ کو خبر دی کہ قریش نے آپ ﷺ کی آمد کا حال سن کر بڑا زبردست لشکر آپ ﷺ سے مقابلہ کے لیے جمع کر لیا ہے۔ وہ آپ ﷺ کو کعبہ تک پہنچنے سے روکیں گے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حالات سے نمٹنے کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین سے مشورہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ ہم لوگ عمرے کی نیت سے آئے ہیں لڑنے کی نیت سے نہیں آئے ہیں۔ اگر کوئی شخص ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہوا تو مجبوراً ہمیں لڑنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے یہ رائے سن کر آگے بڑھنے کا حکم فرمایا۔

دوسری طرف قریش نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کر کے یہ طے کیا کہ ہر حال میں مسلمانوں کو بیت اللہ سے دور رکھا جائے۔ انھوں نے خالد بن ولید کو سواروں کا ایک دستہ دیکر مقام کراع الغمیم پر بھیج دیا تاکہ مسلمانوں کو مکہ کی طرف بڑھنے سے روکیں۔

خالد کے دستے کی خبر پا کر رسول اللہ ﷺ نے مرکزی راہ چھوڑ کر ایک پیچیدہ راستہ اختیار فرمایا جو پہاڑیوں اور گھاٹیوں کے درمیان سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس راستے پر چل کر آپ ﷺ نے مکہ کے قریبی علاقہ حدیبیہ میں نزول فرمایا۔ اور کراع الغمیم کا مرکزی راستہ جو تنعیم سے گزر کر حرم کو جاتا ہے، جس پر خالد بن ولید کے دستے گشت کر رہے تھے اس راستے کو چھوڑ دیا۔ خالد بن ولید نے مسلمانوں کے قافلے کی گرد وغبار کو جب دیکھا تو انھیں محسوس ہوا کہ آپ ﷺ نے راستہ تبدیل کر دیا ہے۔ لہٰذا خالد بن ولید اپنے دستے کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوئے اور جلدی سے مکہ پہنچ کر قریش مکہ کو آپ ﷺ کی آمد کی خبر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں جس چشمہ پر نزول فرمایا تھا اس چشمے میں تھوڑا سا پانی تھا اور مسلمان تھوڑا تھوڑا پانی لے رہے تھے کہ سارا پانی ختم ہو گیا۔ اس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو دی گئی تو آپ ﷺ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا کہ اس تیر کو چشمے میں ڈال دیا جائے۔ جب تیر چشمہ میں ڈالا گیا تو چشمہ سے پانی پھوٹ پڑا اور سب لوگ آسودہ ہوئے۔ جب حدیبیہ میں آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ مقیم ہو گئے تو مکہ کی جانب سے بدیل بن ورقاء خزاعی اپنے قبیلہ کے چند افراد کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ قبیلہ رسول اللہ ﷺ کا خیر خواہ تھا۔ چنانچہ بدیل بن ورقاء نے آپ ﷺ کے آنے کا سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دیکھتے نہیں کہ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں اور میرے ساتھ قربانی کے جانور کی قطار ہیں۔ بدیل یہ بات سن کر واپس چلا گیا اور قریش مکہ سے کہا کہ تم لوگ ناحق شور مچائے ہوئے ہو۔ محمد ﷺ کا مقصد صرف کعبہ کا طواف کرنا ہے اور وہ کسی لڑائی کے لیے نہیں آئے ہیں۔ اس پر قریش کے فتنہ پرست لوگ کہنے لگے ہم انھیں بیت اللہ کی بھی زیارت نہیں کرنے دیں گے۔ لیکن قریش کے سمجھ دار لوگ خاموش ہو کر سوچنے لگے۔

اس کے بعد اہل مکہ نے حلیس بن علقمہ نامی بنو کنانہ کے ایک فرد کو اپنا قاصد بنا کر بھیجا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی نہیں آیا بلکہ مسلمانوں کے ساتھ قربانی کے

جانور اور احرام پہنے ہوئے دیکھ کر واپس چلا گیا۔ پھر اہل مکہ سے کہا کہ مسلمان لڑنے کے لیے نہیں آئے ہیں بلکہ ان کا ارادہ عمرہ کرنے کا ہے اور تمھیں اس کا کوئی حق نہیں کہ طواف بیت اللہ سے روکو۔ یہ بات سن کر اہل قریش نے کہا کہ تم جنگلی آدمی ہو کچھ سمجھتے نہیں۔ ہم مسلمانوں کو ہرگز مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے ورنہ ہماری بڑی بے عزتی ہوگی۔ حلیس کو یہ بات سن کر غصہ آ گیا اور کہا کہ اگر تم مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دو گے تو میں اپنے تمام آدمیوں کو لے کر تم سے لڑوں گا۔ یہ بات سن کر قریش نے حلیس کو بہت سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔ اس کے بعد عروہ بن مسعود ثقفی نے قریش سے کہا کہ حلیس نے ایک اچھی تجویز تم کو دی تھی، لیکن تم نے ٹھکرا دیا۔ لہٰذا اب مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے دو۔ لوگوں نے کہا کہ ٹھیک ہے جاؤ۔ لہٰذا عروہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے گفتگو کی۔ آپ ﷺ نے عروہ سے وہی بات کہی جو بدیل سے کہہ چکے تھے۔

اس کے بعد عروہ واپس اہل مکہ کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا کہ اے میری قوم! خدا کی قسم! میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار میں جا چکا ہوں۔ لیکن بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی عوام اس کی اتنی تعظیم کرتی ہو جتنی تعظیم محمد کے ساتھی محمد کی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! محمد جب وضو کرتے تھے تو معلوم پڑتا تھا کہ اس وضو کے پانی کو لینے کے لیے لوگ لڑ پڑیں گے۔ جب کوئی بات بولتے تو سب اپنی آواز پست رکھتے اور انھیں کوئی پوری نظر سے تعظیم کے سبب نہیں دیکھتا تھا۔ جب وہ کھنکھار بھی تھوکتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ شخص اپنے چہرے اور جسم پر تبرک سمجھ کر مل لیتا تھا۔ لہٰذا تم ان کی تجویز کو قبول کرو۔ انھوں نے بڑی اچھی تجویز پیش کی ہے۔

لیکن قریش مکہ کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کے سلجھے ہوئے لوگ تو کچھ خاموش رہ کر سوچتے، لیکن ان کے فتنہ پرداز لوگ صلح کی بات سن کر بھڑک اٹھتے تھے۔ یہاں تک کہ قریش کے کچھ نوجوانوں نے پروگرام بنا کر رات کی تاریکی میں جبل تنعیم

سے اتر کر مسلمانوں کے کیمپ میں جنگ کے شعلے بھڑکانے کے لیے گھسنے کی کوشش کی۔ لیکن اسلامی پہرداروں کے کمانڈر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سب کو گرفتار کرلیا جن کی تعداد ستر یا اسی کے قریب تھی لیکن بعد میں آپ ﷺ نے صلح کی خاطر انھیں معاف کر کے آزاد کر دیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ اور بیعت رضوان: رسول اللہ ﷺ نے یہ ارادہ فرمایا کہ اپنا کوئی نمائندہ اہل قریش کے پاس روانہ کریں جو آپ ﷺ کی آمد کے مقصد کی وضاحت قریش کو پیش کرے۔ آپ ﷺ نے اس کام کے لیے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ مکہ میں میرے قبیلہ بنو عدی بن کعب کا کوئی آدمی نہیں ہے جو مجھے اپنی حمایت میں لے سکے گا۔ لہٰذا میرا جانا خطرہ کا موجب ہوسکتا ہے۔ مجھ سے بہتر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ ان کے قبیلہ بنو امیہ کے بہت سے با اثر اور طاقتور آدمی وہاں موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو پسند فرماتے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور قریش کے پاس روانگی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: انھیں بتلا دو کہ ہم عمرہ کرنے آئے ہیں لڑنے نہیں آئے ہیں۔ انھیں اسلام کی دعوت دو۔ اور مکہ میں اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو فتح کی بشارت سنا دو اور انھیں بتا دو کہ اللہ رب العزت اپنے دین کو مکہ میں ظاہر کرنے والا ہے اور ایمان کی وجہ سے اب چند دنوں میں انھیں چھپنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا پیغام لے کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مکہ کی طرف بڑھے۔ مکہ میں سب سے پہلے ابان بن سعید بن العاص سے ملاقات ہوئی اور وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو فوراً اپنی حمایت میں لے کر سربراہان قریش کے پاس گئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سربراہان قریش سے رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنایا۔ جب اہل قریش آپ ﷺ کا پیغام سن چکے تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کعبہ کا طواف کرنے کے لیے کہا۔ لیکن عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی اس پیش کش کو مسترد کردی کیونکہ انھیں

گوارہ نہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے کعبہ کا طواف کریں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کا پیغام سننے کے بعد اہل قریش نے انھیں اپنے پاس روک لیا۔ قریش چاہتے تھے کہ باہم مشورہ کر کے رسول اللہ ﷺ کے پیغام کا جواب دے دیا جائے۔ لیکن عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دیر تک رکے رہنے کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ انھیں قریش نے قتل کر دیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم اس جگہ سے ٹل نہیں سکتے، جب تک کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بدلہ نہ لے لیں یعنی معرکہ آرائی نہ کرلیں۔ اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنھم کو بیعت رضوان کے لیے بلایا اور ایک درخت کے نیچے جس کی ٹہنیاں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے اوپر سے ہٹا رکھی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا دست مبارک تھامے ہوئے تھے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنھم اس بات پر بیعت کر رہے تھے کہ جنگ چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتے، یعنی مر جائیں گے لیکن میدان جنگ نہیں چھوڑ سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ پکڑ کر فرمایا یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے اور جب بیعت مکمل ہو چکی تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور انھوں نے بھی بیعت کی۔ اس بیعت کا نام بیعت رضوان ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ.

(سورۃ الفتح. پارہ 26)

ترجمہ: اللہ مومنین سے راضی ہوا جب کہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

معاہدۂ صلح: قریش مکہ نے حالات کو بھانپ لیا اور ان کے فتنہ پرداز لوگوں نے بیعت رضوان سے جان لیا کہ اصحاب محمد ﷺ مر جائیں گے لیکن رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔ لہٰذا قریش مکہ نے سہیل بن عمرو کو اپنا مختار کل بنا کر صلح کے لیے

رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا اور اس کو سمجھا دیا کہ صلح صرف اس طرح ہوسکتی ہے کہ امسال رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ واپس مدینہ چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ کریں۔ لہٰذا سہیل بن عمرو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب آپ ﷺ نے سہیل کو دور سے آتا دیکھا تو فرمایا کہ معاملہ اب سہل ہوگیا ہے۔ اس شخص کو بھیجنے کا یہ مقصد ہے کہ قریش صلح چاہتے ہیں۔ سہیل نے آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر دیر تک گفتگو کی اور دونوں فریقین میں صلح کی دفعات طے ہوئیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صلح نامہ لکھنے کے لیے بلایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دستاویز کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو سہیل نے کہا ہم رحمٰن کو نہیں جانتے آپ صرف با سمک اللھم (اے اللہ تیرے نام سے) لکھئے۔ آپ ﷺ نے کہا علی! ایسے ہی لکھو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ املا کرایا کہ یہ وہ بات ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کیا۔ اس پر سہیل بن عمرو نے کہا ہم اگر آپ کو اللہ کا رسول مان لیتے تو پھر جنگ کس بات کا اور آپ کو بیت اللہ کے طواف سے کیوں روکتے؟ اس لیے آپ محمد بن عبد اللہ لکھوایئے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تم ایسے ہی لکھ دو۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے دستاویز پر محمد رسول اللہ ﷺ لکھ دیا ہے اس لیے مجھے گوارہ نہیں کہ میں اسے کاٹ دوں۔ اس پر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ مٹا کر علی رضی اللہ عنہ سے محمد بن عبد اللہ لکھوایا۔ صلح کے شرائط حسب ذیل تھے:

1۔ مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر مدینہ واپس جائیں گے اور آئندہ سال عمرہ کرنے آئیں گے اور اپنے ساتھ صرف ایک تلوار لائیں گے جو نیام کے اندر ہوگی اور تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں گے۔

2۔ دس سال تک دونوں فریقین جنگ نہ کریں گے۔

3۔ جو محمد کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہوسکتا ہے اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہوسکتا ہے۔ جو قبیلہ جس فریق میں شامل ہوگا

اس کا ایک جز سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسے کسی قبیلہ پر زیادتی ہوئی تو خود اس فریق پر زیادتی سمجھی جائے گی۔

4۔ اگر قریش کا کوئی شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر بھاگ کر محمد کے پاس جائے گا تو محمد اسے واپس کردیں گے لیکن اگر محمد کے ساتھیوں میں سے کوئی بھاگ کر قریش کے پاس آئے گا تو قریش واپس نہ کریں گے۔

یہ تھیں صلح حدیبیہ کی شرائط جن کے مطابق بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہوئے اور بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں۔

ابھی صلح نامہ پر دستخط نہیں ہوئے تھے کہ سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے آ پہنچے اور مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مسلمانوں کے ساتھ مدینہ جانے کی آرزو پیش کی۔ سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ پہلا شخص ہے اسے آپ میرے ساتھ مکہ واپس کریں۔ آپ ﷺ نے کہا کہ ابھی تو دستاویز پر دستخط نہیں ہوا۔ تم اسے میرے لیے چھوڑ دو۔ اس پر سہیل نے کہا کہ تب میں کسی شرط کو نہیں مانتا اور صلح نہیں کرتا۔ سہیل وہیں پر ابو جندل رضی اللہ عنہ کو مارنے لگا اور مکے کی جانب ان کا رخ کیا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ نے کہا مسلمانو! کیا میں پھر مکہ جاؤں تاکہ وہ مجھ پر ظلم کریں۔ اس پر آپ ﷺ نے کہا ابو جندل! صبر کرو اور اسے باعث ثواب سمجھو۔ ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔ ہم نے ان سے اور انھوں نے ہم سے صلح کرلی ہے اور اس پر اللہ کا عہد دے رکھا ہے۔

معاہدے کے مکمل ہوجانے کے بعد آپ ﷺ نے قربانی کے جانور ذبح کرنے اور حلال ہونے کے لیے مسلمانوں کو حکم دیا۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ حکم دیا لیکن کوئی نہیں حرکت میں آیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ ام سلمہ رضی اللہ عنھا کے پاس گئے اور حالات بتائے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنھا نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ چپ چاپ جایئے اور اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کر دیجیے اور اپنے حجام کو بلا کر سر منڈا لیجیے۔ آپ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنھا کی رائے سے یہی کیا۔ پھر جب لوگوں نے دیکھا تو

دیکھتے ہی سب کے سب اپنے اپنے جانور ذبح کرنے لگے اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ آپ ﷺ نے سر منڈانے والوں کی مغفرت کے لیے تین بار اللہ سے دعا کی اور سر کے بال کتروانے والوں کے لیے ایک مرتبہ۔

اس صلح کے شرائط سے مسلمان بہت غم اور غصے میں تھے۔ انھیں لگ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے دب کر صلح کی ہے۔ انھیں اس بات پر شرم آرہی تھی کہ ہم بغیر عمرہ کیے مدینہ واپس جارہے ہیں اور اس بات پر بھی ملال ہو رہا تھا کہ ہم حق پر ہیں اور اللہ نے اپنے دین کو غالب کرنے کا وعدہ کیا ہے تو پھر ہم کیوں دباؤ قبول کریں۔ مسلمانوں میں سب سے زیادہ غم اور غصہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تھا۔

چنانچہ انھوں نے خدمت نبوی میں آکر عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے کہا کیوں نہیں۔ کیا ہم لوگ حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے کہا کیوں نہیں۔ کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ تو پھر ہم کیوں اپنے دین کے معاملے میں دباؤ قبول کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خطاب کے بیٹے! میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔ وہ میری مدد کرے گا اور ہمیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ ﷺ نے ہم سے نہیں کہا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت اور اس کا طواف کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں؟ لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال کریں گے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو بہرحال تم بیت اللہ تک پہنچوگے اور اس کا طواف کروگے۔ اس کے بعد بھی غصے میں عمر رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور یہی سوال کیا جو آپ ﷺ سے کرچکے تھے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ٹھیک وہی جواب دیا جو آپ ﷺ دے چکے تھے۔ صرف اتنا اضافہ کیا کہ عمر! رسول اللہ ﷺ کا دامن تھامے رہو یہاں تک کہ موت آجائے کیونکہ خدا کی قسم! آپ حق پر ہیں۔

اس کے بعد انا فتحنا لک فتحا مبینا کی آیات نازل ہوئیں اور آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس آیت کو پڑھ کر انھیں سنایا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! یہ فتح مبین ہے! آپ ﷺ نے کہا کہ ہاں۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ خوشی خوشی واپس چلے گئے۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی اس جرأت و گستاخی پر بہت پشیمان ہوئے اور زندگی بھر توبہ و استغفار کرتے رہے اور غلام آزاد کرتے رہے۔

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اس کے چند دنوں کے بعد ابو بصیر رضی اللہ عنہ نام کا ایک شخص جو قبیلۂ ثقیف سے تھا اور قبیلۂ ثقیف قریش کا حلیف تھا بھاگ کر مدینہ پہنچا۔ جب قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے اپنا دو آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ پیغام بھیجا کہ صلح کے چوتھے شرط کے مطابق ابو بصیر کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔

لہٰذا جب قریش کے دونوں آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالے کر دیا اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے مدینے میں رہنے کے فیصلے کے مقابلے اپنے صلح کو آپ ﷺ نے ترجیح دی۔ لہٰذا ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو قریش کے دونوں آدمی لے کر مکہ چل پڑے اور مقام ذوالحلیفہ پہنچ کر سواری سے اترے اور کھجور کھانے لگے۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ایک سے کہا: خدا کی قسم! میں دیکھتا ہوں کہ تمھاری تلوار بہت ہی عمدہ ہے۔ اس شخص نے اپنی تلوار نیام سے نکال کر کہا ہاں! ہاں یہ بہت عمدہ ہے۔ اس پر ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ذرا مجھے دیکھاؤ میں بھی دیکھوں۔ اس شخص نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو تلوار دے دی اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے تلوار لیتے ہی اس کی گردن اڑا دی جب کہ دوسرا شخص بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، پیچھے سے ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں آ گئے۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے مجھے ان کے حوالے کیا اور اللہ نے مجھے ان سے نجات دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس کو کوئی

ساتھی مل جائے تو یہ آگ کا شعلہ بھڑکا دے گا۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا تیور دیکھ کر سمجھ گئے کہ مدینہ میں پناہ لینا ممکن نہیں اور انھیں کافروں کے حوالے کیا جائے گا۔ اس لیے وہ مدینہ سے نکل کر ساحل سمندر کے پاس عمیص نامی جنگل میں آ گئے اور وہیں رہنے لگے۔ بعد میں ابو جندل بن سہیل رضی اللہ عنہ بھی مکہ سے بھاگ کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے آ ملے۔

اب ایسا ہوا کہ جو بھی مکہ میں مسلمان ہوتا بھاگ کر ساحل سمندر عمیص نامی جنگل میں چلا آتا۔ دھیرے دھیرے یہاں پر ستر مسلمان آ گئے۔ اسی راستے سے قریش مکہ کا تجارتی قافلہ شام کو جاتا تھا۔ یہ مسلمان قریش کے تجارتی قافلے کو لوٹ لیتے تھے جس سے قریش مکہ کی ناک میں دم آ گیا اور قریش مکہ نے اللہ کا واسطہ دے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ صلح کی چوتھی شرط کو منسوخ کیا جائے اور اپنے آدمیوں کو جو ساحل سمندر کے پاس عمیص نامی جنگل میں ہیں انھیں مدینہ بلایا جائے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے قریش کی درخواست کو قبول فرمایا اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس خط روانہ فرمایا کہ تم اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ چلے آؤ۔ جب رسول اللہ ﷺ کا خط ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو اس وقت وہ بیمار تھے اور ان کا آخری وقت تھا۔ انھوں نے خط کو آنکھوں سے لگایا، اللہ کا شکر ادا کیا اور ابو جندل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم سبھی ساتھیوں کو لے کر مدینہ چلے جانا اور رسول اللہ ﷺ سے میرا سلام کہنا۔ اس کے بعد ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی عمیص کے مسلمانوں کو لے کر مدینہ چلے آئے۔

صلح حدیبیہ کے بعد 7ھ کے شروع مہینہ میں حضرت عمرو بن عاص، خالد بن ولید، عثمان بن طلحہ اور ابو ھریرہ رضی اللہ عنھم خدمت نبوی میں آ کر مسلمان ہوئے۔ جب یہ لوگ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔''

صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے نام خط لکھ کر انھیں اسلام کی دعوت دی۔ خط پر مہر لگانے کے لیے آپ ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوائی جس پر یوں محمد ﷺ نقش تھا۔ نجاشی شاہ حبش نے آپ ﷺ کا خط پا کر آنکھوں سے لگایا اور اسلام قبول کیا۔ آپ ﷺ کے حکم کے مطابق شاہ حبش نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مہاجرین حبشہ کو حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ روانہ فرمایا۔ غزوۂ تبوک کے بعد 9ھ میں نجاشی شاہ حبش نے وفات پائی۔ آپ ﷺ نے اس کی وفات ہی کے دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کو اس کی موت کی خبر دی اور اس پر نماز غائبانہ پڑھی۔

آپ ﷺ نے شاہ مصر مقوقس کو ایک خط حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے روانہ فرمایا لیکن شاہ مصر نے اسلام نہیں قبول کیا پھر بھی اس نے خط کو احترام سے پڑھا، اٹھا اور آپ ﷺ کی خدمت میں دو لونڈیاں ماریہ اور شیریں، کپڑے اور سواری کے لیے ایک خچر جس کا نام دلدل تھا روانہ کیا۔ آپ ﷺ نے ماریہ رضی اللہ عنھا کو اپنے پاس رکھا۔ انہی کے بطن سے آپ ﷺ کے صاحبزادے ابراھیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور شیریں رضی اللہ عنھا کو حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔

آپ ﷺ نے شاہ فارس خسرو پرویز کے نام بھی خط بھیجا لیکن اس نے بدتمیزی کی لہٰذا اس کا انجام بھی خراب ہوا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کے کلمات بکا تھا۔ جب آپ ﷺ کا خط ہرقل قیصر روم کے پاس پہنچا تو اس نے احترام کیا۔ اسلام قبول تو نہیں کیا لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تحائف بھیجے، احترام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا نام لیا اور حق جانا۔

لہٰذا آپ ﷺ نے خطوط کے ذریعہ اپنی دعوت بیشتر ملکوں کے بادشاہوں تک پہنچا دی کچھ نے اسلام قبول کیا اور بہتوں نے نہیں کیا لیکن جس نے کفر کیا اس کے بھی دل و دماغ میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی طرف ایک رجحان پیدا ہو گیا۔

غزوۂ خیبر، محرم 7ھ

صلح حدیبیہ کی تیسری شرط کے مطابق قریش اور مسلمان دس سالوں تک جنگ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ جب اہل قریش سے مطمئن ہوئے تو خیبر کا رخ فرمایا۔ کیونکہ خیبر دسیسہ کاریوں اور سازشوں کا گڑھ تھا اور اہل خیبر ہی نے جنگ خندق میں مشرکین اور دیگر قبائل کو جنگ کے لیے مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر مدینہ پر چڑھا لایا تھا۔

لہٰذا محرم 7ھ میں اپنے ان چودہ سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کے ساتھ جنھوں نے بیعت رضوان میں شرکت کی تھی آپ ﷺ نے خیبر کا رخ کیا اور مدینہ کا انتظام حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ ادھر منافقوں کا سردار عبد اللہ بن ابی نے خیبر والوں کو یہ پیغام بھیج دیا کہ رسول اللہ ﷺ تم پر حملہ کرنے والے ہیں لہٰذا تیار ہو جاؤ۔ ڈرنا نہیں۔ جب اہل خیبر کو اس کی اطلاع مل گئی تو انھوں نے بنو غطفان کے پاس جو اُن کے حلیف تھے مدد کی درخواست کی اور وہ مدد کو چلے۔ لیکن تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ انھیں کچھ شور سنائی دینے لگی اور انھوں نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں نے ان کے بال بچوں پر حملہ کر دیا ہے۔ لہٰذا وہ پلٹ آئے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ شام کے راستے سے خیبر پہنچے اور مدینے کا راستہ چھوڑ دیا کیونکہ یہود کو شام کی طرف بھاگنے کا خطرہ تھا۔ اس طرح بنو غطفان اور خیبر کے شام والے راستے کے درمیان اسلامی لشکر پڑ رہا تھا اور بنو غطفان پیچھے سے اہل خیبر کی مدد کے لیے نہیں آسکتے تھے کیونکہ ان کے راستے میں مسلمان حائل تھے۔

مسلمانوں نے وہ آخری رات جس کی صبح جنگ ہوئی خیبر کے بالکل قریب گزاری اور اہل خیبر کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ آپ ﷺ صبح کی نماز تھوڑے اندھیرے میں ادا کر کے خیبر کی جانب بڑھے تو اہل خیبر اپنے پھاوڑے وغیرہ لے کر اپنی کھیتی باری کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ جب اہل خیبر نے مسلمانوں کے لشکر کو اچانک دیکھا تو

خوف زدہ ہو کر بھاگ پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا:

''اللہ اکبر! خیبر تباہ ہوا جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو ان ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔''

آپ ﷺ جب خیبر کے بالکل قریب پہنچے اور لشکر اسلام نے پڑاؤ ڈال دیا تو آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! ساتوں آسمان اور جن پر وہ سایہ فگن ہیں، ان کے پروردگار!، ساتوں زمین اور جن کو وہ اٹھائے ہوئے ہیں، ان کے پروردگار!، شیاطین اور جن کو انھوں نے گمراہ کیا، ان کے پروردگار! ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی اور اس کے باشندوں کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں، اور اس بستی کے شر سے، اس کے باشندوں کے شر سے اور اس میں جو کچھ ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔''

خیبر کی آبادی دو منطقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک منطق میں مندرجہ ذیل پانچ قلعے تھے۔ 1۔ حصن ناعم، 2۔ حصن صعب بن معاذ، 3۔ حصن قلعۂ زبیر، 4۔ حصن ابی اور 5۔ حصن نزار

ان میں سے تین قلعوں پر مشتمل علاقہ نطاۃ کہلاتا تھا اور بقیہ دو قلعوں پر مشتمل علاقہ شق کے نام سے جانا جاتا تھا۔

خیبر کا دوسرا منطقہ کتیبہ کہلاتا تھا اور اس میں تین قلعے تھے۔ 1۔ حصن قموص (یہ قبیلۂ بنونضیر کے خاندان ابوالحقیق کا قلعہ تھا، 2۔ حصن وطیح اور 3۔ حصن سلالم۔

ان قلعوں کے علاوہ بھی خیبر میں متعدد قلعے اور گڑھیاں تھیں اور جہاں تک جنگ کی بات ہے تو وہ صرف پہلے منطقے میں ہوئی اور دوسرے منطقے کے تینوں قلعے بغیر جنگ کے ہی مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے۔

مسلمانوں کی جنگ سب سے پہلے قلعۂ ناعم سے شروع ہوئی۔ کیونکہ یہی قلعہ

دفاعی حیثیت سے خاص مقام رکھتا تھا۔ بحکم رسول اللہ ﷺ پہلے دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سپہ سالار کی حیثیت سے اس قلعہ کو فتح کرنے کے لیے اسلامی لشکر کو لے کر پہنچے۔ لیکن دن بھر پوری کوشش کرنے کے بعد جنگ کیے بغیر بلاشکست و فتح واپس آئے۔ کیونکہ اہل خیبر قلعہ سے پتھر اور تیر برساتے تھے اور لشکر اسلام کو نزدیک نہیں پھٹکنے دیتے تھے۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بہت مایوس تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں تسلی دی اور فرمایا: اللہ کو جب منظور ہوگا فتح مل جائے گی۔ دوسرے دن آپ ﷺ نے علم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیا اور وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ شام کو نامراد واپس ہوئے۔ آپ ﷺ نے انھیں تسلی دی اور فرمایا: اللہ کو جب منظور ہوگا فتح مل جائے گی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے لشکر اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''میں کل جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ بھی اس شخص سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے ہاتھوں خیبر فتح ہوگا اور وہ فاتح خیبر کے نام سے جانا جائے گا۔''

جب صبح ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک کی آرزو تھی کہ علم اسے مل جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنھم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ان کی تو آنکھیں آئی ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انھیں بلاؤ۔ وہ آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا جس سے تکلیف جاتی رہی۔ گویا انھیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جھنڈا عطا فرمایا۔ علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جب تک میرے جسم میں جان رہے گی لڑائی کرتا رہوں گا یہاں تک کہ وہ ہمارے جیسے ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اطمینان سے جاؤ اور میدان میں اتر کر انھیں اسلام کی دعوت دو اور انھیں اللہ کے حقوق سے آگاہ کرو۔ بخدا تمھارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو ہدایت

دیدے تو یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔"

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسلام کا جھنڈا لیے ہوئے نعرۂ تکبیر کی صدا بلند کرتے ہوئے اسلامی سپاہیوں کے ساتھ خیبر کے قلعۂ ناعم کے پاس پہنچے اور یہود کو اسلام کی دعوت دی لیکن یہود نے مسترد کردی اور اپنے بادشاہ مرحب کی کمان میں مسلمانون کے مد مقابل آگئے۔ مرحب میدان میں اتر کر دعوت مبارزت دیا۔ اس کے مقابلہ کے لیے حضرت عامر رضی اللہ عنہ آئے لیکن لڑائی میں عامر رضی اللہ عنہ زخمی ہوگئے اور اسی زخم سے شہید ہوگئے اور جب عامر رضی اللہ عنہ زخمی ہوگئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ مرحب کے مقابلے میں تشریف لے گئے اور مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ قلعے کے قریب پہنچے۔ کافی مضبوط لوہے کا بنا ہوا اسی من کا قلعے کا دروازہ تھا اور قلعے کے اندر سے یہودی سنگ باری کررہے تھے۔ علی کرم اللہ وجہہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور رب کریم سے دعا کر کے جب اپنے دست مبارک کو قلعے کے دونوں چوکھٹ پر رکھا اور زور سے دبایا تو دروازہ ہل پڑا۔ پھر کیا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے گھٹنے کے بل ہو کر قلعہ کا دروازہ اللہ کی رحمت سے اکھاڑ دیا اور کافی دوری پر پھینک ڈالا۔ قلعہ کا باب رئیسی اکھڑ جانے کے بعد اسلامی لشکر قلعے کے اندر گھس گیا۔ مرحب کے بھائی یاسر کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مبارزت میں قتل کردیا پھر مسلمانوں کی یہودیوں سے گھمسان کی جنگ قلعے میں شروع ہوگئی۔ قریب قریب سبھی نامور یہودی قتل کیے گئے اور یکے بعد دیگرے قلعے فتح ہوگئے۔ بالآخر یہودیوں نے ہتھیار ڈال دی۔

سلام بنونضیر کا ایک مشہور یہودی ابوالحقیق نے رسول اللہ ﷺ سے صلح کی بات کرنے کا پیغام بھیجا جس کو آپ ﷺ نے منظور فرمایا۔ اس بات پر صلح ہوگئی کہ قلعے میں جو فوج تھی اس کی آپ ﷺ نے جان بخشی کردی اور وہ اپنے بال بچوں کے ساتھ خیبر کی سرزمین سے نکل جائیں گے۔ اور اپنے مال و دولت، باغات، زمینیں، سونے، چاندی، گھوڑے اور زرہیں آپ ﷺ کے حوالے کردیں گے۔ آپ ﷺ نے

فرمایا کہ صرف تم اتنا کپڑا لے جاسکتے ہو جتنا ایک انسان کا پیٹھ اٹھا سکے۔ آپ ﷺ نے کہا اگر تم نے مجھ سے کچھ چھپایا تو اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بری الذمہ ہوں گے۔ یہود نے شرط منظور کرلی اور تینوں قلعے مسلمانوں کے حوالے کر دیے۔ ابوالحقیق کے دو بیٹوں نے مال کو زمین میں چھپا دیا تھا اور جب آپ ﷺ کو اس کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے انھیں بلوا کر دریافت فرمایا لیکن انھوں نے انکار کیا اور لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس ویرانے کو کھودنے کا حکم دیا جہاں خزانہ چھپایا گیا تھا اور خزانہ مل گیا تو آپ ﷺ کے حکم سے ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں کو بدعہدی کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔

صلح کا معاہدہ مکمل ہوجانے کے بعد یہود نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ

''اے محمد! ہم اپنی زمین کو جوتنے بونے اور فصل کے پیداوار کے متعلق اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ لہٰذا ہماری زمین ہمارے ہی حوالے کر دیجیے۔''

اس پر آپ ﷺ نے یہود کو خیبر کی زمین اس شرط پر دیدی کہ ساری کھیتی اور تمام پھلوں کی پیداوار کا آدھا حصہ یہود کو اور آدھا رسول اللہ ﷺ کو دیا جائے گا اور جب تک آپ ﷺ کی مرضی ہوگی یہود خیبر میں رہ کر کھیتی باری کریں گے اور جب آپ ﷺ چاہیں گے انھیں جلا وطن کر دیں گے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ خیبر کی پیداوار کا تخمینہ لگایا کرتے تھے۔

خیبر کے اموال غنیمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خیبر فتح کر کے آپ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کے کھجوروں کے درخت واپس کر دیے جو انصار نے امداد کے طور پر انھیں دی تھیں کیونکہ اب انھیں مدد کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے ابوالحقیق کا بیٹا کنانہ بدعہدی کے جرم میں قتل کیا گیا اور کنانہ کی بیوی حضرت صفیہ بنت حی تھیں۔ صفیہ قیدی عورتوں میں شامل تھیں۔ اور دحیہ

بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ آپ ﷺ کے حکم کو پانے کے بعد لونڈیوں میں انھوں نے حضرت صفیہ کو پسند کیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ اس پر ایک آدمی نے آکر آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی سیدہ حضرت صفیہ کو دحیہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا حالاں کہ وہ صرف آپ ﷺ کے شایان شان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دحیہ کو صفیہ سمیت بلاؤ۔ آپ ﷺ نے انھیں دیکھ کر فرمایا کہ تم دوسری لونڈی لے لو۔ لہٰذا دحیہ رضی اللہ عنہ نے دوسری لونڈی لے لی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت صفیہ پر اسلام پیش کیا۔ انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کرلی اور ان کی آزادی ہی ان کی مہر قرار پائی۔ مدینہ واپسی میں جب وہ حیض سے پاک ہوئیں تو سد صہباء کے پاس ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انھیں آراستہ کر کے رات کے وقت آپ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔ آپ ﷺ نے صبح میں کھجور، گھی اور ستو ملا کر ولیمہ کھلایا اور تین روز شبہائے عروسی کے طور پر ان کے پاس قیام فرمایا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر ہرا نشان دیکھا اور دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کے خیبر آنے سے پہلے میں نے خواب دیکھا تھا کہ چاند اپنی جگہ سے ٹوٹ کر میری آغوش میں آگرا ہے۔ خدا کی قسم! مجھے آپ ﷺ کے معاملے کا کوئی تصور نہ تھا۔ میں نے یہ خواب اپنے شوہر کنانہ سے بیان کیا تو اس نے میرے چہرے پر طمانچہ مارا اور کہا:

''یہ بادشاہ جو مدینہ میں ہے تم اس کی آرزو کر رہی ہو۔''

فتح خیبر کے موقع پر ہی سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے آپ ﷺ کے پاس زہر آلود بھنی ہوئی بکری کا ہدیہ بھیجا۔ جب آپ ﷺ نے گوشت کا ایک ٹکڑا لے کر چبایا تو تھوک دیا اور فرمایا کہ مجھے یہ ہڈی بتا رہی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ بھی گوشت کھا رہے تھے اور

وہ ایک لقمہ نگل گئے تھے جس سے ان کی شہادت ہوگئی۔ آپ ﷺ نے زینب کو بلوایا تو اس نے جرم قبول کرلیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے کہا: میں نے سوچا کہ اگر یہ بادشاہ ہے تو اس سے راحت مل جائے گی اور نبی ہے تو اسے خبر دے دی جائے گی۔ اس پر آپ ﷺ نے اسے معاف کردیا لیکن جب بشر بن براء کو اس گوشت کے ایک لقمہ نگلنے کی وجہ سے موت واقع ہوگئی تو اس یہودن عورت زینب کو قصاص کے طور پر قتل کردیا گیا۔

شاہ حبش آپ ﷺ کے حکم سے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ 15 مسلمانوں کو کشتی میں سوار کر کے آپ ﷺ کے پاس بھیجا اور ان لوگوں کی ملاقات آپ ﷺ سے اس وقت ہوئی جب خیبر کی فتح ہوچکی تھی۔ ان کے ساتھ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے جو یمن سے چلے تھے لیکن راستہ بھول کر ان کی کشتی نے انھیں حبشہ پہنچا دیا اور انھوں نے بھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ ﷺ سے خیبر میں ملاقات کی۔ آپ ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں سے انھیں بھی عطا فرمایا۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بھی خیبر فتح ہو جانے کے بعد آپ سے ملاقات کے لیے خیبر پہنچے تھے اور آپ ﷺ نے انھیں بھی مال غنیمت میں شریک فرمایا۔ آپ ﷺ جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کا استقبال کیا اور انھیں بوسہ دے کر فرمایا:

> ''خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ مجھے کس بات کی خوشی زیادہ ہے؟ خیبر کی فتح کی یا جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد کی۔''

جنگ خیبر میں 18 مسلمان شہید ہوئے تھے اور 93 یہودی مارے گئے تھے۔ فتح خیبر کے بعد فدک کے یہودی بھی آپ ﷺ سے صلح کر لیے اور اہل خیبر کے معاملہ کے مطابق نصف پیدا وار پر صلح ہوئی۔ یہ مال خالص رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوئی کیونکہ مسلمانوں نے اسے بزور شمشیر نہیں حاصل کیا تھا۔ آپ ﷺ اس کے بعد وادی القری تشریف لے گئے اور وہاں کے یہودیوں نے جنگ کی۔ دوسرے دن

جنگ کے بعد یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیا۔ حاصل شدہ مال غنیمت کو آپ ﷺ نے مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا، اوران کی زمین اور کھجور کے باغات کے معاملہ میں اہل خیبر جیسا معاملہ فرمایا۔ اس کے بعد تیماء کے یہودیوں نے خود پیغام بھیج کر آپ ﷺ سے صلح کرلی اور جزیہ دینا منظور کرلی۔

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ میں واپسی ربیع الاول 7ھ کے اوائل میں ہوئی۔ جب آپ ﷺ کا کارواں مدینہ کے قریب پہنچا اور آپ ﷺ کی نظر کوہ احد پر پڑی تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ پہاڑ ہے جس سے ہم محبت رکھتے ہیں اور یہ ہم سے محبت رکھتا ہے۔

غزوۂ ذات الرقاع، ربیع الاول 7ھ

مسلمانوں کو پریشان کرنے میں اور مدینہ میں رہ رہ کر چھاپہ مارنے میں ان بدولٹیروں نے جونجد کے صحرا میں خیمہ زن تھے بڑا سنگین حالات بنا ڈالے تھے۔ اس لیے ان پر ایک قسم کا رعب و دبدبہ ڈالنے کی غرض سے آپ ﷺ نے مدینہ کا انتظام حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے سات سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کے ہمراہ نجد کا رخ کیا۔ آپ ﷺ نے اثنائے راہ میں جب ایک جگہ لشکر کا پڑاؤ ڈالا تو لشکری اِدھر اُدھر درخت کے سایہ میں آرام کرنے لگے۔ آپ ﷺ بھی ایک درخت پر اپنا تلوار لٹکا کر درخت کے نیچے سو گئے۔ اتنے میں ایک مشرک نے آکر آپ ﷺ پر تلوار سونت لی اور آپ ﷺ کے سینے پر بیٹھ گیا اور کہا کہ تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ۔ تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ پھر وہ تلوار آپ ﷺ نے اٹھالی اور فرمایا: اب تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا: آپ ﷺ مجھ پر احسان کیجیے میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ ﷺ سے کبھی لڑائی نہ کروں گا اور نہ آپ ﷺ کے خلاف لڑائی کرنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔

سنگ دل اعراب کو خوف زدہ کرنے کے لیے یہ غزوہ بہت کامیاب رہا۔ مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر نجد کے بدو بکھر گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور دوبارہ کبھی مدینہ پر حملہ کرنے کی یا مسلمانوں کے خلاف لوٹ مار کرنے کی جرأت نہیں کی۔ پھر دھیرے دھیرے یہ بدو اسلام قبول کرتے گئے اور احکام اسلام کے مطابق اپنی زندگی گزارنے لگے بلکہ فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں بدوؤں کے کئی قبائل اسلامی جھنڈے کے نیچے نظر آئے۔

عمرۂ قضا، ذی قعدہ 7ھ

ذی قعدہ 7ھ کا جب چاند دیکھا گیا تو آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کو حکم دیا کہ جو بھی آدمی حدیبیہ میں حاضر تھا وہ عمرہ ادا کرنے کے لیے نکل پڑے۔ اہل حدیبیہ کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی عمرہ کے لیے روانہ ہوئے جن کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی اور بچے اور عورتیں ان کے علاوہ تھیں۔ آپ ﷺ نے قریش کی جانب سے بد عہدی کے پیش نظر ہتھیار لے کر نکلنے کا حکم صادر فرمایا اور مدینے کا انتظام ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ذمہ سونپا۔ ساٹھ اونٹ لیے اور ناجیہ بن جندب اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان کی نگرانی کا کام سونپا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ ﷺ نے عمرے کا احرام باندھا اور مسلمانوں نے بھی ایسا کیا۔ آپ ﷺ نے لبیک اللھم لبیک کی صدا لگائی، مسلمانوں نے بھی لبیک کی صدا بلند کی۔ جب آپ ﷺ کا قافلہ جو عمرۂ قضا کی غرض سے وادی یاجج پہنچا تو سارے ہتھیار یعنی ڈھال، نیزے، سپر، تیر وہاں پر رکھ دیے اور اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں دو سو مسلمان وہیں پر ٹھہر گئے۔ بقیہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوار کا ہتھیار لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔ یعنی مسلمانوں کے ساتھ نیام میں رکھی ہوئی تلوار تھی۔ رسول اللہ ﷺ اپنی قصواء نامی اونٹنی پر بیٹھے ہوئے مکے میں داخل ہوئے اور مسلمان آپ ﷺ کے ارد گرد جمع ہوئے، لبیک پکارتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔ مشرکین مکہ آپ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم

کو دیکھنے کے لیے لائن لگا کر کھڑے تھے۔ آپ ﷺ لبیک کی صدا بلند کرتے ہوئے حجر اسود کے پاس پہنچے اور اپنی چھڑی سے حجر اسود کو چھو کر بوسہ لیا اور طواف شروع کیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنھم کو اضطباع اور رمل کا حکم بھی طواف کے دوران عنایت فرمایا۔ اضطباع کا مطلب یہ ہے کہ دایاں کندھا کھلا رکھیں اور چادر داہنی بغل کے نیچے سے نکال اس کا دوسرا کنارہ بائیں کندھے پر ڈالیں۔ رمل پہلوانوں کی طرح اکڑ کر کندھے ہلاتے ہوئے اور چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے ہوئے چلنے کو کہتے ہیں۔ رمل طواف کے شروع کے تین چکروں میں، کیا جاتا ہے۔ طواف کے کل سات چکر ہیں۔

طواف کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مقام ابراھیم کے پاس دو رکعت نماز واجب الطّواف پڑھے اور سعی کرنے کے لیے صفا پر چڑھے۔ صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا چل کر سات چکر پورے کیے۔ صفا سے مروہ جاتے ہوئے اثنائے راہ میں کچھ دور جھٹک کر چلے۔ آج اس جگہ پر سبز لائٹ کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد عام چال چل کر مروہ پر پہنچے اور مروہ سے صفا پر جانے کے لیے جب چلے تو وہ جگہ آیا جہاں پر آپ ﷺ جھٹک کر تیزی سے چلے تھے تو وہاں پر آپ ﷺ جھٹک کر تیزی سے صفا کی طرف بڑھے اور ہر چکروں میں ایسا ہی کیا۔

آپ ﷺ نے قربانی کے جانور کو مروہ کے پاس کھڑا کر دیا۔ اور جب سعی سے فارغ ہوئے تو مروہ ہی کے پاس جانوروں کو قربان کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ قربان گاہ ہے، اور مکے کی ساری گلیاں قربان گاہ ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو یا جج بھیج دیا کہ وہ وہاں پر ہتھیاروں کی حفاظت کریں اور جو لوگ ہتھیاروں کی حفاظت کر رہے تھے انھیں مکہ بلا لیا، اب وہ لوگ آ کر اپنا عمرہ ادا کیے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکے میں صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق تین دن قیام کیا اور چوتھے دن صبح مشرکین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنے صاحب سے کہو کہ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ کیونکہ صلح کی مدت ختم ہو چکی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے مکہ سے نکل کر مقام

سرف میں آکر قیام فرمایا۔ اس عمرہ کے سفر میں آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے مکہ پہنچنے سے پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا تھا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنا معاملہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تھیں کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کے بہنوئی تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی شادی رسول اللہ ﷺ سے کر دی۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے حکم سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو سوار کر کے آپ ﷺ کے پاس مقام سرف جہاں پر آپ ﷺ قیام فرما تھے پہنچا دیا۔

مذکورہ بالا عمرے کو عمرۂ قضا، عمرۂ قضیہ، عمرۂ قصاص اور عمرۂ صلح کے نام سے جانا جاتا ہے۔

جنگ موتہ، جمادی الاول 8ھ

رسول اللہ ﷺ نے حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو اپنا خط دے کر حاکم بصریٰ کے پاس روانہ کیا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی تو قیصر روم کا گورنر شرجیل بن عمرو غسانی جو بلقاء پر مامور تھا حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ بلقاء اردن میں ہے اور بلقاء کے قریب موتہ ایک آبادی کا نام ہے جہاں پر مسلمانوں کی یہ جنگ ہوئی تھی۔ چونکہ قاصد کا قتل اعلان جنگ کے برابر سمجھا جاتا تھا لہٰذا حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی قتل کی اطلاع جب رسول اللہ ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ پر سخت گراں گزری۔ آپ ﷺ نے اس علاقے پر فوج کشی کے لیے تین ہزار کا لشکر تیار کیا اور اس کا سپہ سالار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنایا اور ارشاد فرمایا کہ جب زید رضی اللہ عنہ شہید کر دیے جائیں تو جعفر رضی اللہ عنہ اور جب جعفر رضی اللہ عنہ شہید کر دیے جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے لشکر کو روانہ فرماتے ہوئے یہ وصیت فرمایا:

جس مقام پر حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تھے اس مقام پر پہنچ کر وہاں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو بہتر ہے ورنہ اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں، اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے جنگ کرنا۔ بدعہدی نہ کرنا، جنگ میں بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا۔ کسی عمارت کو نہ گرانا اور وہاں کے درخت نہ کاٹنا۔

لہٰذا لشکر اسلام شمال کی طرف سے بڑھتا ہوا اردنی علاقے میں معان پہنچا اور وہاں پڑاؤ ڈالا تو اسے جاسوسوں کے ذریعہ خبر ملی کہ ہرقل قیصر روم بلقاء کے علاقے میں ایک لاکھ رومی فوجیوں کے ساتھ خیمہ زن ہے اور اس کی مدد کے لیے لخم و جذام، بلقین قبائل عرب کے قریب ایک لاکھ سپاہی بھی جمع ہیں۔

مسلمانوں کو دشمن کی اتنی بڑی تعداد کی خبر ملی تو انھوں نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اور حالات سے نمٹنے کے لیے غور وخوض کیا۔ کیونکہ انھیں اس بات کا گمان نہیں تھا کہ ان کا ٹکراؤ دولاکھ کے لشکر جرار سے ہوگا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دشمن کی تعداد کی خبر کریں، اور آپ ﷺ کا جیسا حکم آئے اس پر عمل کریں۔ لیکن عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہہ کر لوگوں میں جوش لادی کہ یہ تو وہی شہادت ہے جس کی آرزو لے کر ہم نکلے تھے۔ ہماری جنگ تعداد کے بل پر نہیں دین اسلام کے بل پر ہوتی ہے۔ اس لیے آگے بڑھا جائے۔ ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی تو ملے گی ہی! یا تو ہم غالب آئیں گے یا شہید ہوجائیں گے۔ بالآخر تمام مسلمانوں نے عبد اللہ بن رواحہ کی رائے سے اتفاق کیا اور موتہ میں خیمہ زن ہوکر لشکر کی ترتیب کی۔ میمنہ پر قطبہ بن قتادہ رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر عبادہ بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔ اور گھمسان کی جنگ چھڑ گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق جھنڈا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے لیا اور نہایت سخت جنگ کی اور شہید

ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھا لیا اور بے جگری سے لڑتے رہے یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ دشمنوں نے کاٹ دیا۔ جعفر رضی اللہ عنہ کے دوسرے ہاتھ کو بھی دشمنوں نے کاٹ دیا۔ پھر انھوں نے جھنڈا آغوش میں لے کر بلند کیے رکھا کہ ایک رومی نے ان کو دو ٹکڑے کر دیا اور وہ شہید ہو گئے۔ اللہ نے ان کے دو بازوؤں کے عوض میں دو بازو جنت میں عطا کیے جس کے ذریعہ وہ جہاں چاہتے ہیں اڑتے ہیں۔ اسی لیے ان کا لقب جعفر طیار اور جعفر ذو الجناحین پڑا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ میں نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا تو انھیں مقتولین میں پایا اور ان کے جسم میں نیزے اور تیر کے نوے سے زیادہ زخم پایا۔

جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو جھنڈا عبد اللہ بن رواحہ نے اٹھایا اور کافی زور دار لڑائی کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھایا اور فرمایا:

> ''مسلمانوں! تم اپنے کسی آدمی کو سپہ سالار بناؤ۔ صحابہ نے کہا آپ ہی یہ کام انجام دیں لیکن حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس کام کو انجام نہیں دے سکوں گا۔''

پھر مسلمانوں نے اپنا سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنایا، انھوں نے جھنڈا لیتے ہی نہایت ہی پر زور جنگ کی۔ ان کے ہاتھوں سے اس دن نو تلواریں ٹوٹ گئیں تھیں صرف ایک یمنی بانا ان کے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ جنگ موتہ کے روز وحی کی بناء پر ارشاد فرمایا:

> جھنڈا زید رضی اللہ عنہ نے لیا اور وہ شہید کر دیے گئے، پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے لیا اور وہ بھی شہید کر دیے گئے، پھر عبد اللہ بن رواحہ نے جھنڈا لیا اور وہ بھی شہید کر دیے گئے اور اس وقت آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

یہاں تک کہ جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے لیا اور ایسی جنگ لڑی کہ اللہ نے ان کو فتح عطا کی۔

جنگ کیسے جیتی جاسکتی ہے اس کا ہنر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اللہ نے عنایت فرمایا تھا۔ پہلے روز کی جنگ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ دن بھر رومیوں کے خلاف ڈٹے رہے اور دوسرے روز کے جنگ میں حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لشکر کی نئی ترتیب کی۔ لشکر کی اگلی لائن کو پچھلی لائن اور پچھلی لائن کو اگلی لائن میں تبدیل کر دیا۔ میمنہ کو میسرہ اور میسرہ کو میمنہ میں تبدیل کر دیا۔ یہ دیکھ کر رومی گھبرا گئے۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور تھوڑی دیر گھمسان کی جنگ ہوئی۔ پھر خالد رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو دھیرے دھیرے پیچھے کرنے لگے لیکن رومیوں نے اس خوف سے مسلمانوں کا پیچھا نہیں کیا کہ مسلمان دھوکہ دے رہے ہیں اور دھوکہ دینے کے لیے پیچھے ہٹ رہے ہیں لہٰذا رومی لشکر واپس اپنے کیمپ میں چلی گئی اور اسلامی لشکر کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس پہنچی۔

اس جنگ میں مسلمان شہدا کی تعداد بارہ ہے لیکن رومی مقتولین کی تعداد بے شمار ہے۔ اس معرکہ سے مسلمانوں کی شہرت اور ساکھ پر بہت اچھا اثر پڑا کیونکہ رومی قوت اس وقت روے زمین پر سب سے بڑی قوت تھی۔ اور اس کے نتیجے میں عرب کے ضدی قبائل بنوسلیم، اشجع، غطفان، ذبیان وغیرہ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

فتح مکہ، رمضان المبارک 8ھ

صلح حدیبیہ کی تیسری شرط کے مطابق جو کوئی محمد ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہوسکتا ہے اور جو کوئی قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہوسکتا ہے۔ اور جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ شامل ہوگا اس کا ایک جز سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسا کوئی قبیلہ اگر کسی قبیلے کے حملے یا زیادتی کا شکار ہوگا تو یہ خود اس فریق پر حملہ

یا زیادتی تصور کی جائے گی۔ اس شرط کے مطابق بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہوئے اور بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہوئے۔ اور صلح حدیبیہ کی دوسری شرط کے مطابق صلح نامہ دس سالوں کے لیے تھا۔

مکہ میں بنو بکر کے سردار نوفل بن معاویہ کی نیت خراب ہوئی اور وہ پرانا بدلہ لینے کے لیے بنو بکر کی ایک جماعت کے ساتھ شعبان 8ھ میں رات کی تاریکی میں جب کہ بنو خزاعہ سوئے ہوئے تھے حملہ کر دیا اور بنو خزاعہ کے متعدد افراد کو قتل کر دیا۔ بنو خزاعہ حرم کے اندر جا چھپے لیکن ظالموں نے حرم کے اندر بھی ان کو قتل کیا۔ حرم پہنچ کر بنو بکر نے کہا کہ اے نوفل! اب تو ہم حرم میں داخل ہو چکے ہیں۔ تمھارا اللہ... تمھارا اللہ۔ نوفل نے کہا کہ آج کوئی اللہ نہیں ہے۔ تم لوگ حرم میں چوری کرتے ہو تو کیا حرم میں بدلہ نہیں لے سکتے؟ بنو بکر نے بدیل بن ورقہ خزاعی کے گھر میں گھس کر اس کا تمام گھر بار لوٹ لیا۔ ادھر قریش نے اپنے ہتھیاروں سے بنو بکر کی مدد کی بلکہ قریش میں سے صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو وغیرہ نے بنو بکر کے ساتھ حملہ میں شرکت بھی کی۔ بنو خزاعہ کے تقریباً 30 آدمی مار ڈالے گئے جن میں کئی افراد کو حرم کے اندر قتل کیا گیا۔ قریش کا فرض تھا کہ صلح حدیبیہ کے شرائط کے مطابق بنو بکر کو جنگ سے روکتے اور آنحضرت ﷺ کے عہد و پیمان میں آئے ہوئے بنو خزاعہ پر حملہ نہ کرنے دیتے لیکن قریش نے خود ہی بنو بکر کا ساتھ دے کر صلح حدیبیہ کی شرطوں کا مذاق اڑایا۔

بدیل بن ورقاء اور عمرو بن سالم اپنی قوم خزاعہ کے چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ سے بنو بکر اور قریش کے اس ظلم و ستم اور عہد شکنی کی شکایت کریں۔ جس رات مکہ میں معاہدہ صلح کی دھجیاں اڑائی جا رہی تھیں اس رات خزاعہ کے چند آدمیوں نے آنحضرت ﷺ کا اسم مبارک لے کر فریاد کی کہ اے خاتم النبیین! ہماری مدد کیجیے اور فریاد سنیے کہ بنی بکر نے ہم پر ظلم کیا اور قریش نے ان کا ساتھ دیا ہے۔ اس وقت آپ ﷺ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں وضو فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے خزاعہ والوں کی یہ فریاد جو مکہ میں کر

رہے تھے مدینہ میں سنی اور فوراً جواب میں لبیک لبیک فرمایا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ لبیک آپ ﷺ نے کس کی آواز میں فرمایا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اس وقت بنوخزاعہ کے لوگوں کی فریاد میرے کانوں تک پہنچی ہے اس کا جواب میں نے دیا ہے۔ اور عجیب بات یہ کہ بنوخزاعہ نے بھی آپ ﷺ کی آواز اپنی فریاد کے جواب میں سنی۔

صبح کو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ رات مکہ میں بنو خزاعہ کو بنو بکر اور قریش نے مل کر قتل کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ کا گمان ہے کہ قریش بدعہدی کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انھوں نے ضرور بدعہدی کی ہے۔ عنقریب حق تعالیٰ ان کے حق میں حکم صادر کرنے والا ہے۔ پھر کئی روز کے بعد بدیل بن ورقہ اور عمرو بن سالم خزاعی مدینہ پہنچے اور قریش کی عہد شکنی اور بنو بکر کی مظالم کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی۔ عمرو بن سالم خزاعی نے ایک نہایت پر درد نظم میں اپنی مظلومی کی داستان سنائی۔ اس نظم کے بعض اشعار حسب ذیل ہیں:

ان قریش احلفوک الموعدا ونقضوا میثاقک الموکدا

قریش نے آپ ﷺ کے خلاف وعدہ خلافی کی ہے اور انھوں نے مضبوط معاہدہ کو جو آپ ﷺ سے کیا تھا توڑ ڈالا ہے۔

وجعلوا لی فی کداء رصدا وزعموا ان لیست ادعوا احمدا

اور ہمیں خشک گھاس کی طرح پامال کر دیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری مدد کو کوئی نہ آئے گا۔

وھم اذل و اقل عددا ھم بیتونا بالوتیر ھجدا

اور وہ ذلیل ہیں اور تعداد میں قلیل ہیں۔ انھوں نے وتیر (وہ محلّہ جہاں بنوخزاعہ آباد تھے) میں ہم کو سوتے میں جالیا۔

آپ ﷺ نے بنوخزاعہ کے ان لوگوں کو تسلی و تشفی دی اور فرمایا کہ ہم تمھاری امداد کو ضرور پہنچیں گے اور ان لوگوں کو مکہ کے لیے رخصت فرمادیا۔ جب یہ لوگ مدینے سے رخصت ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''ابوسفیان مکہ سے صلح کی مدت بڑھانے اور عہد کو مضبوط کرنے کے لیے روانہ ہو چکا ہے لیکن وہ ناکام واپس جائے گا۔''

ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

چونکہ قریش مکہ نے بنو بکر کا ساتھ دے کر سنگین مجرمانہ کام کیا تھا اور یہ کھلی ہوئی بدعہدی تھی اس لیے انھیں اپنے اس جرم کا جلد احساس بھی ہوگیا۔ انھوں نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں یہ طے ہوا کہ ابوسفیان تجدید صلح کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ جائے۔ لہٰذا ابوسفیان نے مدینے کی راہ لی۔ راستے میں بدیل بن ورقاء سے ملاقات ہوئی، جب ابوسفیان نے بدیل سے پوچھا کہ تم مدینہ سے آرہے ہو تو بدیل نے انکار کردیا۔ بہرحال ابوسفیان مدینہ پہنچا اور اپنی بیٹی ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنھا کے گھر گیا، اور جب آپ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو ام حبیبہ رضی اللہ عنھا نے بستر کو لپیٹ دیا۔ اس پر ابوسفیان نے کہا: بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا؟ انھوں نے کہا آپ ناپاک مشرک آدمی ہیں اور یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے۔ ابوسفیان کہنے لگا خدا کی قسم! میرے بعد تمھیں شر پہنچ گیا ہے اور اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور آپ ﷺ سے گفتگو کی۔ لیکن آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر ابوسفیان ابوبکر، عمر، علی رضی اللہ عنھم کے پاس گھومتا رہا لیکن کسی نے کوئی بات نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ سے سفارش کرنے سے سب نے انکار کردیا۔ بالآخر ابوسفیان نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا میرے لیے کوئی راستہ ڈھونڈھو میں کیا کروں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا بس تم مسجد میں کھڑے ہو کر لوگوں سے امان کا اعلان کرو۔ لہٰذا ابوسفیان نے مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ لوگو! میں لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر رہا ہوں اور پھر اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ چلا گیا۔ جب مکہ پہنچا اور قریش سے اپنی بات بتائی تو قریش نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تیرے ساتھ محض مذاق کیا ہے۔

اسلامی فوج کی مکہ کے لیے روانگی: اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کو مکہ کی طرف روانگی کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! جاسوسوں کو قریش تک پہنچنے سے پہلے روک لے تاکہ ہم اچانک ان کے سر پر جا پہنچیں۔

رسول اللہ ﷺ نے 10 رمضان المبارک 8ھ کو دس ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کے ساتھ مدینہ سے مکہ کا رخ فرمایا اور مدینہ کا انتظام ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ جب جحفہ پہنچے تو وہاں پر حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر اپنے بال بچوں سمیت آملے۔ وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آرہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے اہل و عیال کو مدینہ بھیجوا دیا اور انھیں اپنے ساتھ لے لیا۔ اسلامی لشکر بڑھتا ہوا مکہ کے قریب وادی مرالظہران میں (مکہ سے چار کوس کے فاصلہ پر ہے) پہنچ گیا اور ابھی تک مکہ والے بے خبر تھے۔

ادھر حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط لکھ کر قریش کو یہ اطلاع بھیجی کہ رسول اللہ ﷺ حملہ کرنے والے ہیں اور انھوں نے معاوضہ طے کر کے یہ خط ایک عورت سے روانہ فرمایا۔ اس عورت نے اپنے چوٹی کے بال میں خط کو چھپا لیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ اس کی خبر ہوگئی۔ آپ ﷺ نے حضرت علی، مقداد، زبیر، اور ابو مرشد غنوی رضی اللہ عنھم کو یہ کہہ کر روانہ فرمایا کہ روضۃ خارج پہنچو۔ وہاں پر ایک ہودج نشین عورت ملے گی جس کے پاس قریش کے نام ایک خط ہے۔ یہ حضرات گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے وہاں پہنچے، وہاں پر وہ عورت ملی۔ اس عورت سے پوچھا گیا خط کے متعلق تو اس نے انکار کر دیا اور جب تلاشی لی گئی تب بھی کچھ نہ

ملا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''نہ تو رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ کہا ہے اور نہ ہم ہی جھوٹ کہہ رہے ہیں اس لیے تم خط نکال کر دے دو ورنہ ہم تمھیں ننگا کر دیں گے۔''

اس پر اس عورت نے کہا کہ آپ اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیں اور اس نے اپنے چوٹی سے رقعہ نکال کر دے دیا۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس خط لے کر پہنچے تو دیکھا کہ اس میں تحریر تھا (حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے قریش کی جانب) آپ ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ آپ میرے معاملہ میں جلدی نہ فرمائیں اور میرے ایمان میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہے، بس بات اتنی سی ہے کہ میرے اہل وعیال قریش کے پاس ہیں اور میں قریش کا آدمی نہیں ہوں۔ جب کہ دوسرے لوگ جو آپ ﷺ کے ساتھ ہیں ان کے قرابت دار مکہ میں موجود ہیں اس لیے میں نے سوچا کہ ایک احسان ان پر کردوں تا کہ اس کے سبب وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کرسکیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت ماں گی کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن اڑا دوں کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کی ہے اور یہ منافق ہوگیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دیکھو! یہ جنگ بدر میں حاضر ہو چکا ہے اور اے عمر! تمھیں کیا پتہ؟ ہوسکتا ہے اللہ نے اہل بدر کو دیکھ کر کہا ہو کہ تم لوگ جو چاہو کرو میں نے تمھیں بخش دیا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔

ادھر اسلامی لشکر رات کے ابتدائی وقت میں مرالظہران کے وادی فاطمہ میں خیمہ زن ہوا۔ ادھر قریش مکہ پوری طرح بے خبری کے عالم میں تھے کہ چرواہوں نے رات گئے مکہ میں خبر دیا کہ مرالظہران میں ایک عظیم الشان لشکر پڑاؤ ڈالے ہوا ہے۔ جب

ابوسفیان نے یہ خبر سنی تو تفتیش کی غرض سے نکلا۔ بدیل بن ورقاء اور حکیم بن خزام بھی اس کے ساتھ تھے۔ اسلامی لشکر آپ ﷺ کے حکم کے موافق ہزار ہزار کے دستوں نے الگ الگ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور سب نے آگ روشن کر رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایک دستۂ فوج دے کر پہرے پر لگا دیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا دل اپنی قوم کے لیے بے چین تھا۔ وہ جانتے تھے کہ صبح جب اسلامی لشکر مکہ پر حملہ آور ہوگا تو قریش اور مکہ کی نشانی باقی نہ رہے گی۔ وہ چاہتے تھے کہ اہل مکہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں۔ لہٰذا حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر نکلے۔ ان کا مقصد تھا کہ اہل قریش کے پاس خبر بھیج دیں کہ وہ مکے میں رسول اللہ ﷺ کے داخل ہونے سے پہلے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کریں۔

ادھر ابوسفیان نے جب دور سے آگ روشن دیکھی تو وہ حیران رہ گیا کہ اتنا بڑا لشکر آخر کہاں سے آ گیا؟ بدیل بن ورقہ خزاعی نے کہا: یہ خزاعہ کا لشکر ہے۔ ابوسفیان نے سن کر حقارت آمیز لہجے میں جواب دیا کہ خزاعہ کی کیا مجال ہے کہ اتنا بڑا لشکر لا سکے کیونکہ وہ ایک قلیل قوم ہے۔

ابوسفیان کی جو یہ باتیں بدیل بن ورقاء سے ہو رہی تھیں اور رات کی تاریکی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ جس کی جانب رسول اللہ ﷺ کے خچر پر نکلے تھے تو انھوں نے ابوسفیان کو آواز دی اور ابوسفیان نے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز پہچان کر آواز لگائی۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ نے ابوسفیان سے کہا کہ یہ لشکر حضرت محمد ﷺ کا لشکر ہے اور صبح مکہ پر حملہ آور ہوگا۔ یہ بات سن کر ابوسفیان کے ہوش اڑ گئے۔ عباس رضی اللہ عنہ کے قریب آ کر کہا کہ اب کیا تدبیر کریں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تم میرے پیچھے خچر پر سوار ہو جاؤ میں تمھیں لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلتا ہوں۔ وہیں پر تمھیں امان مل سکے گی۔ لہٰذا بغیر جھجک ابوسفیان خچر پر سوار ہو گیا اور ابوسفیان کے ساتھ جو دو آدمی تھے وہ مکہ کی جانب چلے گئے۔

جب ابوسفیان کو اپنے سواری کے پیچھے بٹھائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ عمر رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو قتل کرنا چاہتے تھے لیکن چونکہ عمر رضی اللہ عنہ پیدل تھے اس لیے عباس رضی اللہ عنہ تیزی سے سواری دوڑا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا پہنچے، ادھر پیچھے سے عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں آپہنچے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کافر بلا شرط قابو میں آگیا ہے اس لیے آپ ﷺ حکم دیں کہ میں اس کی گردن اڑادوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں ابوسفیان کو امان دے چکا ہوں۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ بار بار ابوسفیان کی گردن مارنے کی اجازت رسول اللہ ﷺ سے مانگ رہے تھے۔ اس پر عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: عمر اگر تمھارے خاندان کا کوئی شخص ہوتا تو تم کو اس کے قتل میں اتنا اصرار نہ ہوتا اور اتنی بے صبری نہ کرتے۔ اس پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ عباس! مجھ کو تمھارے مسلمان ہونے کی اس قدر خوشی ہے کہ اپنے باپ کے مسلمان ہونے پر بھی اس قدر خوشی نہ ہوتی کیونکہ میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ تمھارے اسلام لانے کے خواہاں تھے۔ آپ ﷺ ان دونوں حضرات کی باتیں سن رہے تھے پھر فرمایا: عباس ابوسفیان کو تم اپنے ہی ڈیرے میں لے جاؤ، صبح میرے پاس لے آنا۔

جب صبح حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ابوسفیان اعزاز پسند ہے۔ لہٰذا اسے کوئی اعزاز دے دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے جو شخص خانۂ کعبہ میں پناہ لے گا اسے امان ہے، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اسے امان ہے، جو شخص بغیر ہتھیار کے راستے میں ملے گا اسے امان ہے اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے گا اسے بھی امان ہے۔

اسی صبح 17 رمضان مبارک بروز منگل 8ھ کو رسول اللہ ﷺ لشکر اسلام کے ساتھ مرالظہران سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ لشکر اسلام میں الگ الگ قبیلوں کے الگ

الگ نشان تھے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے وادی کے سر پر ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلامی لشکر کا نظارہ دیکھا۔ انصار کا پھریرا لیے جب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

''آج خونریزی اور مار دھاڑ کا دن ہے۔ آج حرمت حلال کر لی جائے گی۔ آج اللہ نے قریش کی ذلت مقرر کر دی ہے۔''

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات بتائی۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں خطرہ ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ قریش کے اندر پہنچ کر مار دھاڑ نہ مچا دیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے آدمی بھیج کر ان سے جھنڈا لے کر ان کے صاحبزادے قیس رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا یعنی جھنڈا سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے نہیں نکلا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

''آج کا دن وہ دن ہے جس میں کعبہ کی تعظیم کی جائے گی اور اللہ قریش کو عزت بخشے گا۔''

اس کے بعد ابوسفیان رضی اللہ عنہ تیزی سے مکہ پہنچے اور اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے پکارنا شروع کیا: ''قریش کے لوگو! یہ محمد ہیں اور تمھارے پاس اتنی بڑی لشکر لے کر پہنچے ہیں کہ تمھیں مقابلے کی تاب نہیں۔ لہٰذا جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے اسے پناہ ہے۔ اس پر ابوسفیان کی عورت ہندہ اس کی مونچھیں پکڑ کر بولی: مار ڈالو اس بری خبر لانے والے کو۔ ابوسفیان نے کہا: تمھاری بربادی ہو۔ لوگو! دیکھو یہ عورت تمھیں کسی دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ لوگوں نے کہا کہ تمھارا گھر اتنا بڑا نہیں کہ اس کے اندر سب گھس جائیں۔ پھر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا جو کعبہ میں چلا جائے اس کے لیے امان ہے، جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اس کے لیے بھی امان ہے۔ یہ سن کر لوگوں نے کعبہ کا رخ کیا اور اپنے اپنے دروازے بند کر لیے۔

رسول اللہ ﷺ مر الظہران سے چل کر ذی طویٰ پہنچے اور وہاں پر لشکر کی ترتیب فرمائی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو داہنے پہلو پر رکھا اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بائیں پہلو پر۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ مکہ کے زیریں حصہ سے داخل ہوں اور قریش کا کوئی آڑے آئے تو اسے قتل کردیں اور زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم ملا کہ مکے میں بالائی حصے سے داخل ہوں۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ پیادے پر مقرر تھے انھیں حکم ملا کہ وہ بطن وادی کا راستہ پکڑ کر مکے میں داخل ہوں۔ ان ہدایات کے بعد تمام دستے اپنے اپنے مقررہ راستوں پر چل پڑے۔ خالد رضی اللہ عنہ کا لشکر جب خندمہ پہنچا تو عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کی کمان مشرکوں سے جھڑپ ہوگئی، جس میں بارہ مشرک مارے گئے اور بقیہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ زبن بن جابر فہری اور خنس بن خالد بن ربیعہ رضی اللہ عنھما چونکہ دوسرے راستے پر چل پڑے اس لیے ان کو مشرکوں نے شہید کردیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے حجون میں مسجد فتح کے پاس آپ ﷺ کا جھنڈا گاڑا اور آپ ﷺ کے لیے قبہ نصب کیا اور وہیں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ تشریف لائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ آگے، پیچھے، دائیں، بائیں مہاجرین و انصار کے جلو میں مسجد حرام تشریف لے گئے۔

آپ ﷺ کو مکہ سے بے سروسامانی کے عالم میں اپنا نکلنا یاد آتا تھا اور پھر شاہانہ عظمت اور لشکر عظیم کو مکہ میں داخل ہوتا دیکھتے تھے تو بار بار شکر باری تعالیٰ بجا لاتے تھے۔ آپ ﷺ مکہ میں بلا مزاحمت شوکت و عظمت کے ساتھ تشریف لے گئے اور مسجد حرام پہنچ کر بیت اللہ کے اس کونہ پر پہنچے جہاں حجر اسود نصب ہے۔ آپ ﷺ نے حجر اسود کو چوما اور سواری پر بیٹھے ہوئے کعبہ کا طواف کیا۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی اور بیت اللہ کے گرد اور اس کے چھت پر تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ ﷺ اپنی چھڑی سے بتوں پر ٹھوکر مارتے جاتے اور بت منھ کے بل گرتے جاتے تھے اور ساتھ ہی آپ ﷺ کہتے جاتے تھے:

جاء الحق و زهق الباطل. ان الباطل كان زهوقا.

(سورۃ بنی اسرائیل. پارہ 15)

ترجمہ: حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی والی چیز ہے۔

چونکہ آپ ﷺ احرام نہیں پہنے ہوئے تھے اس لیے طواف پر ہی اکتفا کیا اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے کعبے کی کنجی لی پھر آپ ﷺ کے حکم سے کعبہ کا دروازہ کھولا گیا۔ آپ ﷺ جب اندر داخل ہوئے تو اس میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی تصویریں نظر آئیں اور ان کے ہاتھ میں خال گیری کے تیر بھی تھے۔ آپ ﷺ کے حکم سے تصویریں توڑ دی گئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ان مشرکوں کو ہلاک کرے۔ خدا کی قسم! ان دونوں پیغمبروں نے کبھی بھی خال کے تیر استعمال نہیں کیے۔ آپ ﷺ کے حکم سے تمام تصویریں مٹائی گئیں۔ آپ ﷺ نے خانۂ کعبہ میں لکڑی کی بنی ہوئی ایک کبوتر کو بھی دیکھا جسے آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے توڑ دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ اسامہ اور بلال رضی اللہ عنہما بھی اندر تھے۔ اس وقت خانۂ کعبہ میں چھ کھمبے تھے۔ ان چھ کھمبوں میں دو آپ ﷺ کے بائیں جانب ایک دائیں جانب اور تین پیچھے تھے۔ وہاں پر آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد بیت اللہ کے اندرونی حصے کے چاروں طرف چکر لگائے اور تکبیر و توحید کے کلمات کہے۔ پھر دروازہ کھولا اور دروازے کے دونوں بازو پکڑ لیے۔ سامنے نیچے قریش مجرمانہ انداز میں کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا سارے گروہوں کو شکست دی۔ کسی شخص کے لیے جو خدا اور رسول ﷺ پر ایمان لایا ہے یہ جائز نہیں کہ مکہ میں خونریزی کرے۔ کسی سرسبز درخت کا کاٹنا بھی اس میں جائز نہیں۔ میں نے زمانۂ جاہلیت کے تمام رسموں کو پاؤں سے مسل دیا ہے مگر مجاورت کعبہ اور

حاجیوں کو آب زمزم پلانے کا انتظام باقی رکھا جائے گا۔ اے گروہ قریش! تم کو اللہ نے جاہلیت کے تکبر اور آباء پر فخر کرنے سے منع کر دیا۔ سارے لوگ آدم علیہ السلام سے ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے۔"

اس کے بعد رحمت عالم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

یٰا یھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثٰی و جعلنکم شعو با و قبائل لتعارفوا. ان اکرمکم عنداللہ اتقکم. ان اللہ علیم خبیرo

(سورۃ الحجرات. پارہ 26)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک با عزت وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ بے شک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

اس کے بعد نور مجسم رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

"قریش کے لوگو! تمھارا کیا خیال ہے۔ میں تمھارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟

قریش نے کہا:

آپ ﷺ ہمارے کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ ہم آپ سے بھلائی کی توقع رکھتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

تو میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: **لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم...** (آج تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب لوگ آزاد ہو)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں بیٹھ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے کعبے کی کنجی اپنے پاس رکھنے کے لیے مانگی لیکن آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ہمیشہ ہمیش کے لیے کنجی دے دیا اور فرمایا:

''آج کا دن نیکی اور وفاداری کا دن ہے۔''

پھر جب نماز کا وقت ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبے کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کے حکم سے بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیا۔

فتح مکہ کے ہی روز آپ ﷺ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں غسل فرما کر آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے اپنے دو دیوروں کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی تھیں جنھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ قتل کرنا چاہتے تھے۔ جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا:

''جسے ام ہانی نے پناہ دیا اسے ہم نے بھی پناہ دیا۔''

آپ ﷺ نے فتح مکہ کے روز یہ حکم صادر فرمایا کہ مندرجہ ذیل نو آدمیوں کو اگر وہ کعبے کے پردے کے نیچے بھی مل جائیں تو انھیں قتل کر دیا جائے:

1۔ عبدالعزیٰ بن خطل، 2۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، 3۔ عکرمہ بن ابی جہل، 4۔ حارث بن نفیل بن وھب، 5۔ مقیس بن صبابہ، 6۔ ہبار بن اسود، 8-7۔ ابن خطل کی دو لونڈیاں جو نبی ﷺ کی ہجو گایا کرتی تھی اور 9۔ سارہ، جو عبدالمطلب کی اولاد میں سے کسی کی لونڈی تھی اور اس کے پاس حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا خط پایا گیا تھا۔

ان حضرات میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے لیے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور عکرمہ بن ابی جہل کے لیے اس کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ سے امان طلب کی، آپ ﷺ نے امان دیدی اور یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ سارہ کی بھی امان طلب کی گئی اور وہ مسلمان ہوگئی۔ ابن خطل کی ایک لونڈی کو قتل کیا گیا اور دوسری کو امان ملی اور وہ مسلمان ہوگئی۔ ہبار بن اسود جو فتح مکہ کے روز بھاگ گیا تھا اور بعد میں مسلمان

ہوگیا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے آپ ﷺ کی لخت جگر حضرت زینب رضی اللہ عنہ کو ان کی ہجرت کے موقع پر ایسا کچوکا مارا تھا کہ ہودج سے ایک چٹان پر جا گری تھیں اور اس کی وجہ سے ان کا حمل ساقط ہوگیا تھا۔ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ابن خطل خانۂ کعبہ کا پردہ پکڑ کر لٹکا ہوا ہے۔ آپ ﷺ کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا اور مقیس بن صبابہ کو حضرت عنیلہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ حارث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کو بہت اذیت پہنچایا کرتا تھا۔

فتح مکہ کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا کی پھر ارشاد فرمایا:

''لوگو! جس دن اللہ نے آسمان کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرم (حرمت والا شہر) ٹھہرایا۔ اس لیے وہ اللہ کی حرمت کے سبب قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ کوئی آدمی جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ اس میں خون بہائے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی شخص اس بنا پر رخصت اختیار کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں قتال کیا تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اجازت دی تھی لیکن تمھیں اجازت نہیں دی ہے۔ اور میرے لیے بھی اس دن کی صرف ایک ساعت کے لیے حلال قرار دیا گیا۔ پھر آج اس کی حرمت اسی طرح پلٹ آئی جس طرح اس کی حرمت تھی۔ اب چاہیے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو یہ بات پہنچا دے۔''

جب مکہ فتح ہوگیا تو انصار کو اس بات کا اندیشہ ہوا کہ جب رسول اللہ کا شہر فتح ہوگیا اور اللہ نے ان کے عزیز و اقارب کنبے قبیلے کو ملا دیا تو ہوسکتا ہے کہ اب آپ ﷺ مکہ ہی میں مقیم رہیں۔ انصار مدینہ اپنے اندیشے کا چرچا آپس میں کرنے لگے، اس وقت آپ ﷺ کوہ صفا پر دعا فرما رہے تھے۔ جب دعا سے فارغ ہوئے تو انصار سے فرمایا کہ تم لوگ آپس میں کیا باتیں کر رہے تھے؟ پہلے تو انصار نے بات نہ بتایا لیکن بالآخر بتا دیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

خدا کی پناہ! اب تو زندگی اور موت تمھارے ساتھ ہے۔

فتح مکمل ہوجانے کے بعد اہل مکہ نے اسلام خوشی خوشی قبول کرلیا اور بیعت کرنے کے لیے کوہ صفا پر آ گئے۔ آپ ﷺ نے بیعت لینی شروع کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے نیچے تھے اور لوگوں سے عہد و پیمان لے رہے تھے۔ پہلے مردوں نے بیعت کی اور پھر عورتوں نے۔ عورتوں میں ہندہ بھی تھی جو بھیس بدل کر آئی تھی لیکن آپ ﷺ نے پہچان لیا۔ ہندہ نے اپنے کارنامے جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے لاش مبارک کے ساتھ انجام دیا تھا، اس کے لیے معافی کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ہندہ کی طرف سے اپنا چہرہ پھیر لیا کیونکہ آپ ﷺ کو اپنے پیارے چچا کی یاد تازہ ہوگئی لیکن ہندہ کو آپ ﷺ نے معاف فرمادیا۔ واضح رہے کہ صفوان بن امیہ اور فضالہ بن عمیر نے بھی اسلام قبول کرلیا۔

رسول خدا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں 19 روز قیام فرمایا اور نماز قصر پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ نے شہر مکہ میں منادی کرائی کہ جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں وہ سب اپنے گھروں میں کوئی بت باقی نہ رکھیں بلکہ سب کو توڑ دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کے حسب حکم مسلمانوں نے بتوں کو توڑ ڈالا۔ مکہ میں قیام کے ہی دوران آپ ﷺ نے مکہ کے گرد و نواح کے مشہور بتوں کو توڑنے اور بت خانوں کو منہدم کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے دستے روانہ کیے۔ رسول اللہ ﷺ جب کہ مکہ ہی میں تھے، 25 رمضان المبارک 8ھ کو خالد بن ولید کی سپہ سالاری میں ایک سریہ عزیٰ کے انہدام کے لیے روانہ فرمایا۔ یہ بت نخلہ میں موجود تھا اور قریش اور سارے بنو کنانہ اس کی پوجا کرتے تھے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے نخلہ پہنچ کر عزیٰ کو پاش پاش کردیا اور اس کی مندر مسمار کر کے زمین کے برابر کردیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مکہ سے تین میل کے فاصلے پر رہاط میں بنو ہذیل کا بت سواع کو توڑنے اور مسمار کرنے کے لیے بھیجا۔ جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مندر کے قریب پہنچے تو اس مندر کے پجاری نے کہا کہ

تم کیسے بت توڑنے پر قادر ہو سکتے ہو؟ تم روک دیے جاؤ گے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا تم دیکھتے جاؤ۔ یہ کہہ کر مندر میں داخل ہوئے اور بت کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ پجاری نے اسی وقت اسلام قبول کرلیا۔ اسی ماہ میں سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو منات کو ڈھانے کے لیے آپ ﷺ نے روانہ فرمایا۔ یہ قدید کے پاس مشلل میں اوس و خزرج اور غسان کا بت تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر منات کا ریزہ ریزہ کردیا۔

اس کے بعد بعض قبائل کی طرف تبلیغ اسلام کے لیے آپ ﷺ نے وفود روانہ کیے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنو جذیمہ کی طرف تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا۔ لیکن اتفاقاً وہاں پر جنگ ہوگئی اور بنو جذیمہ کے چند آدمی مارے گئے۔ جب خالد رضی اللہ عنہ واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے اللہ سے یوں دعا کی: اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے تیری طرف برأت اختیار کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر مقتولین کی دیت اور نقصان کا معاوضہ ادا فرمایا۔ بنو جذیمہ کے معاملے میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے درمیان سخت کلامی ہوگئی تھی۔ جب اس کی خبر آپ ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: خالد! ٹھہر جاؤ۔ میرے رفقاء کو کچھ کہنے سے باز رہو۔ خدا کی قسم! اگر احد پہاڑ سونا ہوجائے اور وہ سارا کا سارا تم اللہ کی راہ میں خرچ کردو تب بھی میرے رفقاء میں سے کسی ایک آدمی کی ایک صبح کی عبادت یا ایک شام کی عبادت کو نہیں پہنچ سکتے۔

فتح مکہ پر ابن قیم نے اپنا اظہار خیال یوں کیا کہ ''یہ وہ فتح اعظم ہے جس کے ذریعہ اللہ نے اپنے دین کو، اپنے رسول کو، اپنے لشکر کو اور اپنے امانت دار گروہ کو عزت بخشی۔ اپنے شہر کو اور اپنے گھر کو جسے دنیا والوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا ہے، کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے چھٹکارا دلایا۔ اس فتح سے آسمان والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس کی عزت کی طنابیں جوزاء کے شانوں پر تن گئیں۔ اس کی وجہ سے

لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے اور روے زمین کا چہرہ روشنی اور چمک دمک سے جگمگا اٹھا۔

فتح مکہ ایک عظیم فتح ہے جس نے بت پرستی کو جزیرۃ العرب سے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ کیونکہ عام قبائل عرب اس بات کے منتظر تھے کہ کفر و اسلام کی جنگ میں فتح کس کی ہوتی ہے؟ انھیں یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ حرم پر وہی مسلط ہوسکتا ہے جو حق پر ہو۔ اور اس یقین میں پختگی نصف صدی پہلے اصحاب فیل، ابرھہ اور اس کے ساتھیوں کے واقعہ سے آگئی تھی۔ یہ بھی اپنی جگہ سچائی لیے ہوئے ہے کہ صلح حدیبیہ اس فتح کا پیش خیمہ اور تمہید تھی۔

غزوۂ حنین، شوال 8ھ

فتح مکہ اور اکثر قریش مکہ کا داخل اسلام ہونے کی خبر سن کر ان قبائل میں بہت زیادہ کھلبلی اور پریشانی پیدا ہوئی جو نہ تو مسلمانوں کے حلیف تھے اور نہ ہی قریش کے۔ انھیں مسلمانوں سے خطرہ محسوس ہونے لگا کیونکہ بعض اڑیل قبائل کو چھوڑ کر بقیہ تمام قبائل نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اڑیل قبائل میں ہوازن اور ثقیف سرفہرست تھے جن کے ساتھ مضر، جشم اور سعد بن بکر کے قبائل اور بنو ہلال کے کچھ لوگ شامل ہوگئے تھے۔ ان قبیلوں کو اس بات کی فکر ہوگئی تھی کہ مسلمان مکہ کے بعد ہمیں نشانہ بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے اپنے مذکورہ حلیف قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے اپنے پاس جمع کیا۔ یہ قبیلے طائف اور مکہ کے درمیان رہتے تھے۔ حنین کے قریب ہوازن کے علاقے میں ایک وادی اوطاس ہے وہاں پر مالک بن عوف اپنے حلیف قبائل کے ساتھ مسلمانوں سے ٹکر لینے کے لیے خیمہ زن ہوگیا۔ ساتھ میں اپنی عورتوں اور مال، مویشیوں کو بھی کرلیا۔ اس کی جنگی چال یہ تھی کہ اس کے سپاہی بال بچے مال مویشی کے فکر میں جنگ سے غافل نہ

ہوں اور جب یہ سب چیزیں ساتھ میں رہیں گی تو جواں مردی کے ساتھ جنگ ہوگی۔ حالاں کہ اس کی یہ چال اور سیاست اس کے لیے بہت مہنگی پڑی۔

رسول اللہ ﷺ ابھی مسلمانوں کے ساتھ مکہ ہی میں تھے کہ آپ ﷺ کو مالک بن عوف کی کمانڈری میں مختلف قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے اوطاس میں خیمہ زن ہونے کی اطلاع ملی۔ آپ ﷺ نے ابو حداد اسلمی رضی اللہ عنہ کو بطور جاسوس خبر لینے کے لیے روانہ فرمایا۔ انھوں نے واپس آکر بیان دیا کہ دشمنوں کی تیاری مکمل ہوچکی ہے اور وہ جنگ کے لیے مستعد ہیں۔

لشکر اسلام حنین کی جانب: رسول اللہ ﷺ نے 6 شوال 8ھ کو جب کہ آپ ﷺ کو مکہ میں آئے 19 روز ہوئے تھے حنین کے لیے بارہ ہزار اسلامی لشکر کے ساتھ کوچ کیا۔ دس ہزار فوج تو آپ ﷺ مدینہ سے لے کر مکہ میں آئے تھے اور فتح مکہ کے بعد دو ہزار نو مسلم جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا۔

لشکر اسلام نے حنین جاتے ہوئے بیر کا ایک بڑا ہرا سا درخت دیکھا، جس کو انواط کہا جاتا تھا۔ مشرکین عرب اس پر ہتھیار لٹکاتے تھے، اس کے پاس جانور ذبح کرتے اور میلا لگایا کرتے تھے۔ لشکر اسلام کے بعض فوجیوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: آپ ﷺ ہمارے لیے بھی ذات انواط بنا دیجیے جیسے ان کے لیے ذات انواط ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، تم نے ویسی ہی بات کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی ''ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیجیے جیسے ان کے لیے معبود ہیں۔'' یہ طور طریقے ہیں۔ تم لوگ بھی یقیناً پہلوں کے طور طریقوں پر سوار ہوگے۔

بعض مسلمانوں نے لشکر اسلام کی کثرت کے پیش نظر یہ کہنا شروع کر دیا کہ آج ہم ہرگز مغلوب نہیں ہوسکتے، یہ بات رسول اللہ ﷺ پر بہت گراں گزری تھی۔ اسلامی لشکر منگل اور بدھ کی درمیانی رات 10 شوال کو حنین پہنچا۔ لیکن چونکہ دشمن فوج کو

اسلامی فوج کی روانگی کی خبر پہلے ہی سے ہو چکی تھی اس لیے مالک بن عوف نے رات کی تاریکی ہی میں اپنے لشکر کو اتار کر راستوں، گھاٹیوں، دروں اور پوشیدہ جگہوں میں چھپا دیا تھا اور انھیں یہ حکم دیا تھا کہ اسلامی لشکر جونہی نمودار ہو ان پر تیروں کی برسات کرنا۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے صبح کے وقت لشکر اسلامی کی ترتیب فرمائی اور جیسے ہی آگے بڑھ کر حنین میں قدم رکھا ہوازن اور ثقیف کے لشکر نے جو گھاٹیوں میں چھپے ہوئے تھے، اچانک تیروں کی بارش کرنے لگے اور ہر چہار طرف سے ٹوٹ پڑے۔ اسلامی انھیں پوری طرح بے خبری میں تھا، دشمن کے گھاٹی میں چھپنے کے متعلق انھیں کوئی خبر نہ تھی۔

اس اچانک حملے سے اسلامی لشکر میں انتشار پیدا ہو گیا اور جو جہاں تھا وہیں سے بھاگنا شروع کیا۔ اس نازک وقت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف ابوبکر، علی، عمر، عباس، ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنھم وغیرہ گنتی کے چند آدمی تھے۔ آپ ﷺ وادی کے داہنی جانب تھے اور اس وقت آپ ﷺ کی بہادری ظہور میں آئی۔ آپ ﷺ دشمنوں کی جانب بڑھتے جا رہے تھے اور پیش قدمی کے لیے اپنے خچر (دلدل) کو ایڑ لگا رہے تھے اور یہ آواز دے کر مسلمانوں کو پکار رہے تھے۔ لوگو! میری طرف آؤ میں عبد اللہ کا بیٹا محمد ہوں۔ انا النبی لا کذب. انا ابن عبد المطلب (میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں) اس وقت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رکاب تھام لی تھی۔ دونوں مل کر خچر کو روک رہے تھے کہ کہیں تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کو پکارنے کا حکم دیا، عباس رضی اللہ عنہ نے نہایت بلند آواز سے پکارنا شروع کیا: درخت والو! بیعت رضوان والو! کہاں ہو؟ ادھر آؤ رسول اللہ ﷺ تمھیں بلا رہے ہیں۔

یہ آواز سن کر مسلمان اس طرح رسول اللہ ﷺ کی طرف پلٹے جس طرح گائے اپنے بچھڑے کی طرف پلٹتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً سو آدمی رسول اللہ ﷺ کے

پاس جمع ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ ان کو ساتھ لے کر نعرۂ تکبیر۔ اللہ اکبر کی صدا بلند کرتے ہوئے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور بقیہ مسلمان جو جہاں تھا وہیں سے دشمنوں کی طرف مڑا اور ایسی گھماسان اور طاقت سے مسلمانوں نے لڑائی کی کہ دشمن لڑکھڑانے لگے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے ایک مٹھی مٹی لے کر دشمنوں کی جانب پھینکتے ہوئے فرمایا شاھت الوجوہ (چہرے بگڑ جائیں) اور یہ مٹھی بھر مٹی اس طرح اللہ کے کرم سے پھیلی کہ دشمن کا ایسا کوئی آدمی نہ تھا جس کی آنکھوں میں یہ مٹی نہ گئی ہو۔ تھوڑے ہی دیر بعد دشمن کے پیر اکھڑ گئے اور انھیں شکست فاش ہوئی۔

اس جنگ میں ثقیف کے تقریباً ستر آدمی مارے گئے تھے۔ ہوازن اور دیگر دشمن قبیلوں کے لوگ بھی کافی تعداد میں مارے گئے۔ لیکن دشمن کا سپہ سالار بھاگ کر طائف چلا گیا۔ ان کا ایک گروہ نخلہ اور ایک گروہ اوطاس کی جانب بھاگا۔ آپ ﷺ کے حکم سے نخلہ اوطاس کی طرف بھاگے ہوئے دشمنوں کا تعاقب کر کے انھیں زیر کیا گیا۔ دشمن کے کافی افراد مارے گئے۔ اس جنگ میں مال غنیمت کے طور پر چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چھ کوئنٹل چاندی مسلمانوں کے ہاتھ لگے، آپ ﷺ کے حکم سے اسے جعرانہ میں جمع کیا گیا اور حضرت مسعود بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو اس کا نگراں بنایا گیا۔ اور جب تک آپ ﷺ غزوۂ طائف سے فارغ نہ ہوگئے اسے تقسیم نہ فرمایا۔ قیدیوں میں شیما بنت حارث آپ ﷺ کی رضاعی بہن بھی تھیں۔ ایک علامت کے ذریعہ آپ ﷺ نے انھیں پہچانا اور ان کی بڑی قدر کی۔ اپنی چادر بچھا کر انھیں بٹھایا اور احسان فرماتے ہوئے انھیں ان کی قوم میں واپس کر دیا۔

مسلمانوں کی اس جنگ میں دو ہزار مکہ سے جو نو مسلم جس میں چند مشرک بھی تھے شامل ہوگئے تھے۔ جب تیروں کی بارش دشمن کی طرف سے ہونے لگی تو سب سے پہلے انھوں نے ہی بھگدڑ مچائی اور بقیہ لشکر کو بھی بھاگنے پر مجبور کیا۔ جس وقت مسلمانوں میں بھگدڑ مچا ہوا تھا اس وقت مکی لشکر کا ایک سپاہی جن کی تعداد دو ہزار تھی خوشی سے چلانے لگا کہ آج جادو نہیں چل سکا۔ اس کا نام جبلہ یا کلاہ بن جنید تھا۔ اور

ابوسفیان بن حرب جو نیا مسلمان ہوا تھا نے کہا: اب ان کی بھگدڑ سمندر سے پہلے نہ رکے گی۔ ایک شخص نے جس کا نام شیبہ تھا کہا: آج محمد ﷺ سے بدلہ لے لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ آپ ﷺ کی طرف برے ارادے سے چلا لیکن راستے ہی میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

بہر حال بفضل خداوندی غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ جس کے متعلق اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

ویوم حنین اذا اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین. ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ و علی المومنین وانزل جنودا لم تروھا و عذاب الذین کفرو. و ذٰلک جزاء الکٰفرین. (سورۃ التوبۃ. پارہ 10)

ترجمہ: اور اللہ نے حنین کے دن (تمھاری مدد کی) جب تمھیں تمھاری کثرت نے غرور میں ڈال دیا تھا پس وہ تمھارے کچھ کام نہ آئی اور زمین کشادگی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور مومنین پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسا لشکر نازل کیا جسے تم نے نہیں دیکھا، اور کفر کرنے والوں کی سزا اور یہی کافروں کا بدلہ ہے۔

غزوۂ طائف، شوال 8ھ

بنو ہوازن وثقیف کے بیشتر شکست خوردہ افراد اپنے سپہ سالار مالک بن عوف نصری کے ساتھ بھاگ کر طائف چلے آئے تھے۔ اہل طائف نے انھیں پناہ دے رکھی تھی اور ان کے ہمدرد بن گئے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ان کی گرفت کرنے کے لیے طائف کا رخ فرمایا اور حنین کا مال غنیمت جعرانہ میں جمع کرا دیے۔ رسول اللہ ﷺ حنین سے جب طائف کی طرف چلے تو راستے میں مالک بن عوف کا قلعہ آیا، آپ ﷺ نے

اس قلعہ کو منہدم کرادیا۔ آپ ﷺ نے طائف پہنچنے کے بعد قلعے کا محاصرہ کرلیا لیکن دونوں طرف سے تیروں کی برسات ہوتی رہی جس میں بارہ مسلمان شہید ہوگئے۔ آپ ﷺ کے حکم سے انگور کے درخت کو جلایا گیا۔ جب ثقیف نے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ سے اللہ اور قرابت کا واسطہ دے کر درخت کو جلانے سے منع کیا۔ آپ ﷺ کی یہ ایک جنگی حکمت عملی تھی اور آپ ﷺ نے ثقیف کی درخواست منظور کرتے ہوئے مسلمانوں کو درخت جلانے سے منع فرمادیا۔

دوران محاصرہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان کرایا کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آجائے وہ آزاد ہے۔ اس پر تیس آدمی قلعہ سے اتر کر مسلمانوں میں آکر شامل ہوگئے۔ انھیں میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ایک مہینہ تک آپ ﷺ نے محاصرہ جاری رکھا اور اس دوران طائف کے اردگرد کے علاقوں سے اکثر قبائل خود آکر اور بعض بذریعہ وفود مسلمان ہوتے رہے۔ محاصرہ طول پکڑ گیا اور طائف کی فتح کو اس وقت ضروری نہ سمجھ کر وہاں سے آپ ﷺ نے کوچ کیا اور مقام جعرانہ میں تشریف لاکر اسیران جنگ اور مال غنیمت کی تقسیم فرمائی۔ مولفۃ القلوب (وہ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہوں اور ان کا دل جوڑنے کے لیے انھیں مالی امداد دی جائے تاکہ وہ مضبوطی سے اسلام پر جم جائیں) کو بڑے بڑے حصے عطا کیے۔ ابوسفیان کو چھ کیلو چاندی اور ایک سو اونٹ ملا۔ اس نے کہا میرا بیٹا یزید کا۔ آپ ﷺ نے اتنا ہی یزید کو دیا۔ اس نے کہا اور میرا بیٹا معاویہ، آپ ﷺ نے اتنا ہی معاویہ کو دیا۔ یعنی تنہا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو 18 کیلو چاندی اور تین سو اونٹ ملے۔ حکیم بن ہزام کو دو سو اونٹ، صفوان بن امیہ کو تین سو اونٹ دیے گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک فوجی کو چار چار اونٹ اور چالیس بکریاں عنایت فرمائیں اور جو شہسوار تھے، انھیں بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں۔ یہ تقسیم ایک حکیمانہ سیاست پر مبنی تھی، کیونکہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں اپنی عقل کے راستے سے نہیں پیٹ کے راستے سے حق پر لائے جاتے ہیں۔

انصار کی والہانہ محبت: یہ حکیمانہ سیاست پہلے پہل سمجھ میں نہیں آ سکی۔ چونکہ مکہ والے اہل قریش آپ ﷺ کے ہم وطن اور رشتہ دار تھے اور انھیں مال غنیمت مولفۃ القلوب کے پیش نظر آپ ﷺ نے زیادہ عطا فرمایا تھا بلکہ بعض لوگوں کو ان کے حصے سے کئی گنا زیادہ ملا تھا اور انصار مدینہ حنین کے مال غنیمت سے محروم رکھے گئے تھے۔ مشکل وقت میں انھیں ہی پکارا گیا تھا اور وہی اپنی جان پر بازی لگا کر آئے تھے پھر آپ ﷺ کے ساتھ مل کر ایسی جنگ کی کہ شکست کھائی ہوئی جنگ اللہ کی رحمت سے فتح میں تبدیل ہوگئی۔

چنانچہ ان کی زبان پر مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق اعتراض آیا۔ بعض انصار کے جوانوں میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں کہ آپ ﷺ نے اپنے رشتہ داروں اور ہم وطنوں کو بہت زیادہ مال غنیمت دیا اور ہمیں کچھ نہ ملا۔ حالاں کہ اس کے زیادہ مستحق ہم لوگ ہی تھے۔ اس بات کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر بتا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے سعد! اس بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا یا رسول اللہ! میں بھی تو اپنی قوم کا ایک فرد ہوں۔ آپ ﷺ نے انھیں کہا کہ اپنی قوم کو اس چھولداری میں جمع کرو۔ سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم انصار کو اس چھولداری میں جمع کیا۔

جب سارے انصار جمع ہوگئے جن میں چند مہاجر بھی تھے تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے۔ اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا: انصار کے لوگو! تمھاری یہ کیا چہ می گوئی ہے جو میرے علم میں آئی ہے اور یہ کیا ناراضگی ہے جو تم نے مجھ پر محسوس کی ہے؟ انصار کی طرف سے عرض کیا گیا کہ ہمارے نوجوانوں نے اس قسم کی باتیں ضرور کی ہیں لیکن ہم میں سے کسی پختہ مغز اور سمجھ دار شخص کو اس بات کا خیال تک بھی نہیں آیا اور نہ ہم کو کبھی ایسا خیال آسکتا ہے۔ یہ بات سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: اے جماعت انصار! کیا یہ سچ نہیں کہ تم گمراہ تھے اور خدائے تعالیٰ نے میری بدولت تمھیں ہدایت دی۔ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، میری بدولت تم میں اتفاق پیدا ہوا۔ تم

محتاج تھے اللہ نے تمھیں غنی کردیا۔ انصار نے کہا: بے شک آپ ﷺ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بڑا فضل و کرم ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مجھے جواب دے سکتے ہو کہ ساری دنیا نے تجھ کو جھٹلایا اور ہم نے تیری تصدیق کی، سب نے تمھیں چھوڑ دیا اور ہم نے تمھیں پناہ دی، تم محتاج تھے اور ہم نے تیری مدد کی۔ میں تمھاری ان سب باتوں کی تصدیق کروں گا۔ اے جماعت انصار! کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ یہ لوگ اونٹ اور بکری لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے گھروں میں پلٹو۔

یہ تقریر سن کر انصار بے اختیار رو پڑے اور آنسوؤں کی جھڑی سے ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے دنیا کی اس عارضی دولت کے ذریعہ ان کا دل جوڑا تاکہ وہ مسلمان ہوجائیں اور تم کو تمھارے اسلام کے حوالے کردیا۔ اگر ہجرت ایک تقدیری حکم نہ ہوتا تو میں بھی انصار میں شامل ہوتا۔ اگر انصاری ایک راستے پر چلیں اور لوگ دوسرا راستہ اختیار کریں تو میں یقیناً انصار کا راستہ اختیار کروں گا۔ اے اللہ! انصار پر، انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا سن کر انصار کی جو حالت تھی اور ان کو جس قدر خوشی تھی اس کا ہم صرف تصور کر سکتے ہیں الفاظ کے ذریعہ بیان کرنا ناممکن ہے۔ انصار کہنے لگے: ''ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے اور نصیب میں رسول اللہ ﷺ ہوں''۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس ہوگئے اور انصار کے لوگ اپنے اپنے کیمپ میں چلے گئے۔

مقام جعرانہ ہی میں جہاں پر آپ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تھا بنو ہوازن کی جانب سے ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ ﷺ کو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنھا کا واسطہ دلا کر معافی کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ نماز ظہر کے وقت جب سب مسلمان نماز کے لیے جمع ہوں گے میرے سامنے اپنی درخواست پیش کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ ﷺ نے بنو ہوازن سے فرمایا تمھارے جس قدر

قیدی میرے اور بنو عبد المطلب کے حصے میں ہیں وہ سب آزاد سمجھو اور اپنے ساتھ لے جاؤ۔ یہ سن کر تمام مہاجر و انصار بول اٹھے، جو ہمارا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ ہے۔ یہ کہہ کر سب نے ہوازن کے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اس طرح تقریباً چھ ہزار قیدی ذرا سی دیر میں رہا کر دیے گئے۔

مدینہ کو واپسی: رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ میں مال غنیمت تقسیم کرنے کے بعد عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ آ کر عمرہ ادا کیے۔ اس کے بعد عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا امیر بنا کر مدینے کا رخ کیا اور اپنے مہاجر و انصار کے ساتھ 24 ذیقعدہ 8ھ کو مدینہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بغرض تعلیم قرآن اور احکام دین مکہ میں عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے پاس چھوڑ دیا اور عتاب رضی اللہ عنہ کے لیے ایک درہم روزانہ وظیفہ مقرر فرمایا کہ وہ کسی کے دست نگر نہ رہیں۔ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام میں امیر ہو کر حج کیا۔ اس سال یعنی 8ھ میں مسلمانوں نے بھی حج کیا اور مشرکوں نے بھی اپنے طریقے سے حج کیا۔ کسی نے کسی سے تعرض نہ کیا۔ اس میل جول کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرکین کو مسلمانوں کے اعمال حسنہ اور اخلاق فاضلہ کے مطالعہ کا پورا موقع ملا اور ان کی زبانوں پر مسلمانوں کی بے اختیار مدح و ستائش جاری ہوگئی۔

اسی سال آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ یہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ اسی سال آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ اسی سال کے آخری ایام میں آپ ﷺ کے لیے لکڑی کا ایک ممبر تیار کیا گیا جس پر بیٹھ کر آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اسی سال منذر بن ساری حاکم بحرین کو جو آپ ﷺ کا خط دیکھتے ہی مسلمان ہوگیا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک تحریر بھیجی جس کی رو سے وہ یہودیوں اور مجوسیوں سے جزیہ وصول کرنے لگا۔

غزوۂ تبوک، رجب 9ھ

جنگ موتہ کے عنوان میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب رحمت عالم ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا خط لے کر حاکم بصریٰ کے پاس تشریف لے گئے تھے تو شرجیل بن عمرو غسانی نے انھیں قتل کر دیا۔ اور چونکہ سفیر کا قتل اعلان جنگ تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں ایک لشکر بھیجا جس نے رومیوں سے سرزمین موتہ میں ایک زبردست جنگ کی جس سے مسلمانوں کی دھاک جم گئی۔ یہ بات سچ ہے کہ اس جنگ میں تین ہزار اسلامی لشکر ہرقل قیصر روم کی دو لاکھ کی فوج کو پوری طرح شکست نہیں دے سکی۔ لیکن مسلمان بھی اس جنگ میں ان کی دو لاکھ کی فوج سے شکست خوردہ نہ ہوئے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگی سیاست سے دشمن کو خوف زدہ کر کے مدینہ واپس آئے۔ اس کا اثر مسلمانوں کی ساکھ پر بہت اچھا پڑا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے مکہ فتح کیا پھر حنین میں انھیں کامیابی ملی اور اس کا میابی اور مسلمانوں کی شہرت کو دیکھ کر قیصر روم کو دردسر ہوا۔ وہ مسلمانوں کو اپنے لیے ایک بہت بڑا خطرہ سمجھنے لگا کیونکہ شام عرب کی سرحد سے ملتا ہے۔ اور عرب کی کوئی بھی طاقت مسلمانوں سے ٹکر لینے کی جرأت اب نہیں کر پا رہی تھی بلکہ مسلمانوں کی شاندار یکے بعد دیگرے فتوحات اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی سچائی کو دیکھ کر مدینے میں دور دراز کے علاقوں سے وفود کا آنا اور اسلام قبول کرنا شروع ہو گیا تھا۔ مدینہ میں یہودیوں کی دشمنی کا خاتمہ ہو گیا تھا اور پورے عرب میں ایک طرح سے مسلمانوں کا سکہ جم گیا تھا۔ اس لیے قیصر روم نے مسلمانوں کی قوت کو ختم کرنے کا پروگرام بنایا اور روم کے باشندوں کو مسلمانوں سے ٹکر لینے کے لیے مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لیے تیار کیا۔ اور عرب کے جو قبیلے اس کے ماتحت تھے یعنی آل غسان وغیرہ انھیں مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے پر آمادہ کیا۔ واضح رہے کہ قیصر روم کے گورنر شرجیل بن

عمرو غسانی نے ہی جو بلقاء پر مامور تھا حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو جو رسول اللہ ﷺ کا پیغام لے کر حاکم بصریٰ کے پاس جا رہے تھے گرفتار کر کے قتل کر دیا تھا۔

مدینے کے ذرائع اطلاعات نے رسول اللہ ﷺ کو قیصر روم کی مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاری اور مدینہ پر حملہ کرنے کے پروگرام کی خبر دی۔ یہ وہ وقت تھا کہ موسم گرمی کا تھا اور لوگ قحط سالی کی مار جھیل رہے تھے اور فصل پک چکے تھے۔ لہٰذا مسلمان فوراً جنگ کے لیے نکلنا نہیں چاہتے تھے۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ایک مہینہ کے لیے ایلا کر لیا تھا اور انھیں چھوڑ کر بالا خانہ میں علاحدہ ہو گئے تھے جس سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کافی رنج و قلق میں تھے۔

تیسری طرف منافقین ہر مقام پر ذلیل و خوار ہونے کے باوجود جب سنے کہ رومی مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں تو اپنے ناپاک ارادے میں لگ گئے۔ ابو عامر راہب جو مکہ سے قیصر روم کے پاس چلا گیا تھا اس کا کام اور مقصد ہی یہی تھا کہ قیصر کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اکسائے۔ ادھر اس نے منافقین مدینہ سے برابر خفیہ پیام و سلام کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسی کے دیے ہوئے مشورے کے موافق منافقین نے مسجد ضرار کی تعمیر کی تھی جس کا مقصد مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا تھا۔ آپ ﷺ سے اس مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے منافقوں نے عرض کیا اور اس سے ان کا مقصد مسلمانوں کو فریب میں رکھنا تھا۔ لیکن اللہ نے غزوۂ تبوک سے واپسی سے پہلے ہی منافقین کے مقصد کا پردہ فاش کر دیا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں آ کر مسجد ضرار کو منہدم کرا دیا۔

جنگ موتہ کی ہزیمت کا انتقام لینے کے لیے غسانی بادشاہ نے ایک لشکر عظیم فراہم کر کے ہرقل قیصر روم سے امداد طلب کی۔ ہرقل نے چالیس ہزار کا ایک لشکر جرار غسانی بادشاہ کے پاس بلقاء بھیجا۔ یہ خبریں رسول اللہ ﷺ کے پاس متواتر آتی رہیں۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کے خلاف انھیں کی سرزمین میں ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے سوچا کہ اگر سستی سے کام لیا اور رومی مسلمانوں کے

زیر اثر علاقے میں گھس آئے اور مدینہ پر چڑھائی کر دی تو اس کا اسلامی دعوت و تبلیغ پر بہت برا اثر پڑے گا۔ مسلمانوں کی فوجی ساکھ اور ہیبت جاتی رہے گی اور منافقین کو مسلمانوں کے پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا موقع مل جائے گا۔

لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم میں اعلان فرمادیا کہ رومیوں سے لڑائی کے لیے نکل پڑیں۔ مسلمان قبائل عرب اور اہل مکہ کو بھی لڑائی میں شرکت کے لیے حکم صادر فرمایا۔ اس جنگ سے پہلے جب کبھی آپ ﷺ نے کسی طرف فوج کشی کا عزم فرمایا تو پہلے اس کا اعلان نہیں فرماتے تا کہ منافقین مسلمانوں کو بد دل نہ بنا سکیں اس لیے عین وقت پر مسلمانوں کو معلوم ہوتا تھا کہ ہم کس طرف جارہے ہیں۔ لیکن چونکہ اس مرتبہ بڑا لشکر جمع کرنا تھا اور اس کا سامان فراہم کرنا تھا اس لیے آپ ﷺ نے اعلان کر دیا کہ ہرقل کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے سرحد شام کی طرف مسلمانوں کو جانا ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے جہاد کی ترغیب بھی دی اور جنگ پر ابھارنے کے لیے سورۂ توبہ کا یک ٹکڑا بھی نازل ہوا۔ آپ ﷺ نے صدقہ وخیرات کی فضیلت بیان فرمائی اور ساتھ ہی اس جنگ میں مال و دولت، روپیہ پیسہ اور سامان جنگ کے لیے مسلمانوں سے عام اپیل بھی کی۔

رسول اللہ ﷺ کا حکم جیسے ہی صادر ہوا مسلمانوں نے لبیک کہا اور تمام قبائل اسلام مدینہ میں آنے شروع ہوگئے اور کسی مسلمان نے اس غزوے سے پیچھے رہنا گوارہ نہ کیا۔ البتہ تین مسلمان صحیح مومن ہونے کے باوجود اپنی سستی کے سبب اس سے پیچھے رہ گئے۔ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم نے صدقہ وخیرات کرنے اور مال و دولت جمع کرنے میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا سارا مال لا کر رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں دے دیا اور اپنے اہل وعیال کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال حاضر خدمت کیا۔ اور آدھا اپنے اہل وعیال کے لیے چھوڑا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنا مال تجارت شام کی طرف روانہ کرنے والے

تھے انھوں نے اپنا سارا سامان تجارت چندے میں دے دیا جس کی مقدار نو سو اونٹ، ایک سو گھوڑے پالان و کجاوے سمیت تھی۔ اس کے علاوہ ساڑھے انتیس کیلو چاندی اور ساڑھے پانچ کیلو سونا بھی رسول اللہ ﷺ کے آغوش مبارک میں بکھیر دیے۔ آپ ﷺ انھیں الٹتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے ''آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ جو بھی کریں انھیں ضرر نہ ہوگا۔'' تاریخ میں الفاظ یوں بھی آئے ہیں ''آج کے بعد اگر عثمان رضی اللہ عنہ ایک بھی نیکی نہ کریں پھر بھی وہ جنتی ہیں۔'' عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی ساڑھے انتیس کیلو چاندی دیا۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ساڑھے تیرہ ہزار کیلوٹن کھجور دیے۔ حضرت طلحہ، سعد بن عبادہ، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنھم نے بھی کافی مال دیا۔ اور بقیہ تمام صحابہ رضی اللہ عنھم بھی تھوڑے بہت صدقات لے کر حاضر خدمت ہوئے۔

عورتوں نے بھی اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور انھوں نے بھی اپنا ہار، بازو بند، بالی اور انگوٹھی وغیرہ حاضر خدمت کیا۔ غرض کسی مسلمان نے بھی بخل سے کام نہ لیا۔ جو لوگ مزدوری کر کے اپنا گزر بسر کرتے تھے انھوں نے بھی جو بھی ان سے ہو سکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ منافقین نے اس چندہ میں بھی شرکت نہ کی اور طنز و مزاح سے بھی گریز نہیں کیا۔ جو لوگ مال و دولت بڑھ چڑھ کر راہ خدا میں دے رہے تھے انھیں یہ منافق ریا کاری کا الزام لگا کر اپنی تنقید کا نشانہ بناتے تھے اور جن لوگوں کے پاس اپنی مزدوری کے سوا کچھ نہ تھا ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ ایک دو مد کھجور سے قیصر روم کی مملکت فتح کرنے چلے ہیں۔

لشکر اسلام کی روانگی: رسول اللہ ﷺ تیس ہزار لشکر کے ساتھ تبوک کے لیے ماہ رجب 9ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ یا سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا۔ لیکن منافقوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طنز کرنا شروع کر دیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مدینہ سے نکل پڑے

اور کوس بھر کے فاصلہ پر رسول اللہ ﷺ سے آملے اور آپ ﷺ سے منافقوں کی تنقید بتائی، لیکن آپ ﷺ نے انھیں پھر مدینہ واپس کردیا اور فرمایا مجھ کو تم سے وہی نسبت ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو ہارون علیہ السلام سے تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم جو کسی غفلت کے سبب آپ ﷺ کے ساتھ روانہ نہ ہو سکے وہ بعد میں روانہ ہوگئے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کا اتنا بڑا لشکر تھا کہ اس سے پہلے کسی جنگ میں اتنا بڑا لشکر پہلے کبھی فراہم نہ ہوسکا تھا۔ مسلمان دل کھول کر مال خرچ کرنے کے باوجود لشکر کو پوری طرح تیار نہ کرسکے تھے، ان میں سواری اور توشے کی سخت کمی تھی۔ بعض مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نے روانگی سے صرف اس لیے روک دیا کہ سواری کا انتظام نہیں تھا اور وہ لوگ روتے ہوئے واپس ہوئے تھے۔ اس بات کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں پر ایک ایک اونٹ تھا جس پر وہ باری باری سے سوار ہوتے تھے اور کھانے پینے کے لیے اکثر پتیاں استعمال کرنی پڑتی تھیں جس سے ہونٹوں میں ورم آگیا تھا۔ تنگی کے باوجود اونٹوں کو ذبح کرنا پڑا تھا تاکہ اس کے معدے اور آنتوں کے اندر جمع شدہ پانی پی جا سکے اس لیے اس کا نام جیش عسرت (تنگی کا لشکر) پڑ گیا۔ کچھ منافق جو مسلمانوں کو بد دل کرنے کے لیے لشکر میں شریک ہوگئے تھے اپنی ناکامی دیکھتے ہوئے راستے سے پلٹ آئے۔

لشکر اسلام کے راستے میں قوم ثمود کی تباہ شدہ بستیاں آئیں۔ اس علاقے کا نام حجر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہاں سے استغفار پڑھتے ہوئے جلدی سے گزر جاؤ۔ اور یہاں کے کنویں کا پانی بھی نہ پیو۔ اسی علاقے حجر کے حدود میں ایک شب قیام کرنا پڑا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص تنہا لشکر گاہ سے باہر نہ نکلے۔ جب آپ ﷺ تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈر کے قریب سے گزرے تو آپ ﷺ نے چادر سے اپنا منہ چھپالیا اور سواری کو تیز کردیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب ظالموں اور گنہ گاروں کی بستی میں جاؤ تو دوڑتے ہوئے استغفار پڑھتے ہوئے جاؤ کہ مبادا ہمیں بھی

یہ مصیبت پیش نہ آجائے۔

راستے میں آپ ﷺ کا معمول تھا کہ ظہر وعصر کی نماز ایک ساتھ ظہر کی وقت میں یا عصر کی وقت میں پڑھ لیتے اور مغرب وعشا کی نماز اکٹھی یا تو مغرب کے وقت پڑھ لیتے یا عشا کے وقت میں پڑھ لیتے تھے۔ یعنی جمع تقدیم بھی کرتے اور جمع تاخیر بھی۔

مقام تبوک: جب لشکر اسلام چشمۂ تبوک پر سرحد شام میں پہنچ گیا تو وہاں خیمہ زن ہوا۔ ہرقل قیصر روم آپ ﷺ کو پیغمبر برحق سمجھتا تھا۔ اس نے جب آپ ﷺ کے آنے کی خبر سنی تو اس نے ڈر کے مارے پیچھے ہٹ جانے میں بہتری سمجھی۔ عیسائی لشکر اور غسانی بادشاہ جنگ کرنے کی ہمت نہ کر سکے اور ادھر ادھر بکھر گئے اور میدان کو خالی چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے بیس روز تک یہاں قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں اطیہ کا حاکم یحسینہ بن رویۃ اظہار اطاعت کے لیے حاضر خدمت ہوا۔ آپ ﷺ نے جزیہ کی شرط پر اس سے صلح کرلی۔ پھر مقام جرباء کے لوگ آئے، انھوں نے بھی جزیہ ادا کرنے کا اقرار کیا اور آپ ﷺ نے انھیں صلح لکھ دی۔ مقام آورخ کے باشندوں نے بھی جزیہ کی ادائیگی پر صلح کرلی۔ آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو 420 سواروں کا ایک دستہ دے کر دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کے پاس بھیجا۔ آپ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا، تم اکیدر کو نیل گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ جب اس کے قلعے کے قریب اپنے لشکر کے ساتھ پہنچے تو اچانک ایک نیل گائے نکل کر قلعے کے دروازے پر سینگ رگڑنے لگی۔ اکیدر اس کے شکار کو نکلا اس وقت رات چاندنی کی تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے سواروں کے ساتھ اس پر دھاوا بول دیا اور اسے گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ ﷺ نے اس کی جان بخشی کردی، اور اس نے جزیہ دینا قبول کیا اور دو ہزار اونٹ، آٹھ سو غلام، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ مذکورہ بالا حالات کو دیکھ کر وہ قبائل جو رومیوں کے ماتحت تھے

وہ بھی مسلمانوں کے حمایتی بن گئے اور اسلامی حکومت کی سرحدیں وسیع ہو کر اب رومی سرحد سے جا ملیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تبوک سے مدینہ واپس آئے۔ کوئی جنگ نہ ہوئی اور اللہ مومنین کے لیے کافی ہوا۔ جنگ تبوک میں پچاس دن کا وقت لگا۔ 20 دن تبوک میں اور 30 دن آمد و رفت میں۔ راستے میں جب کہ آپ ﷺ مدینہ واپس آ رہے تھے رسول اللہ ﷺ کو گھاٹی میں اکیلا پا کر بارہ منافقوں نے قتل کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت صرف دو صحابہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ جو اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جو اونٹنی ہانک رہے تھے آپ ﷺ کے ساتھ میں تھے۔ بقیہ صحابہ دور سے گزر رہے تھے۔ موقع کو غنیمت سمجھ کر ان منافقوں نے پیچھے سے تیزی سے رسول اللہ ﷺ کی طرف قدم بڑھایا اور آپ ﷺ کے قریب چڑھ آئے تھے اور اپنے چہروں کو چھپائے رکھا تھا کہ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کی جانب بھیجا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سواریوں کے چہروں پر اپنی ایک ڈھال سے ضرب لگانی شروع کی جس سے اللہ نے انھیں مرعوب کر دیا، اور وہ لوگوں میں جا ملے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ان کے نام بتائے اور ان کے ارادے بتائے۔ اسی لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو راز دان رسول ﷺ کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے رمضان المبارک میں مدینہ تشریف لائے۔

یہ غزوہ اللہ کی طرف سے سخت آزمائش بھی تھی جس سے مومنین اور دوسرے لوگ میں تمیز ہوگئی۔ آپ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھی اور بیٹھ گئے۔ مدینہ میں وہ لوگ جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے آ آ کر عذر پیش کیے۔ اس میں منافقین بڑھ چڑھ کر تھے اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کر عذر پیش کیے۔ آپ ﷺ نے ان سے بیعت لی اور ان کا باطن اللہ کے حوالے کر دیا۔ جو لوگ بوڑھے اور معذور یا بچے تھے آپ ﷺ نے ان سے کوئی پرشش نہیں کی اور فرمایا یہ لوگ غزوۂ تبوک میں

شرکت نہیں کرتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ تھے۔

تین مومن صحابی حضرت کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنھم نے کسی مجبوری کے بغیر غزوہ میں شرکت نہیں کی۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنھم کو حکم دیا کہ ان تینوں سے بات چیت نہ کریں۔ لہٰذا ان کا مکمل بائیکاٹ ہوا۔ لوگ بد دل ہوگئے اور زمین کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی۔ جب 40 روز ختم ہوگیا تو یہ حکم ملا کہ اپنی عورتوں سے بھی الگ ہوجائیں۔ لہٰذا اپنی عورتوں سے بھی الگ ہوگئے۔ کوئی ان کے سلام تک کا بھی جواب نہ دیتا تھا۔ جب بائیکاٹ کے 50 دن پورے ہوگئے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی جس سے وہ بے حد خوش ہوئے۔

اس غزوے سے جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کا بہت اچھا اثر پڑا۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ اب جزیرۃ العرب میں اسلام کی طاقت کے سوا کوئی طاقت نہیں رہ سکتی۔ اس غزوے کے بعد سے بھاری تعداد میں عرب کے وفود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ آ کر اسلام قبول کرنے لگے۔ اللہ نے منع فرما دیا کہ منافقین کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، ان کے صدقات نہ قبول کئے جائیں اور ان کے لیے دعائے مغفرت نہ کی جائے۔ سورۂ توبہ کی آیت نازل ہونے کے بعد منافقین کا پردہ صاف کھل گیا۔

9ھ میں رسول اللہ ﷺ کی دختر نیک اختر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنھا کا انتقال ہوا۔ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے پاس اگر تیسری بیٹی ہوتی تو اس کی شادی تم سے کردیتا۔ رئیس المنافق عبد اللہ بن ابی مرگیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کے باوجود آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور دعائے مغفرت فرمائی۔ اس کے بعد وحی نازل ہوئی اور عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کرتے ہوئے اللہ نے منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع کردیا۔ اسی سال غامدیہ عورت کو جس نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر بدکاری کا اقرار کیا تھا رجم کیا گیا۔ اس عورت نے جب اپنے بچے کا دودھ چھڑا لیا تب اسے رجم کیا گیا تھا۔

9ھ میں آپ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر حج کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ اس کے بعد سورۂ برأت نازل ہوئی۔ جس میں اللہ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں اور بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر نہ کریں اور جس سے رسول اللہ ﷺ نے کوئی عہد لیا ہے اس کی مدت پوری کر دی جائے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی اونٹنی پر سوار کر کے روانہ فرمایا کہ وہ آپ ﷺ کی طرف سے حج کے موقع پر حکم خداوندی کا اعلان کر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مقام ذو الحلیفہ میں آ ملے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ امیر ہو کر آئے ہو یا مامور؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مامور، امیر آپ ہی رہیں گے۔ پھر دونوں آگے بڑھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا اور جب دسویں تاریخ یعنی قربانی کا دن آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمرہ کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں میں وہ اعلان کیا جس کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا۔ اس سال حج فرض ہوا اور مشرکین کو چار مہینے کی مہلت دی گئی اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ چار مہینہ کے بعد خدا اور رسول ﷺ مشرکین سے بری الذمہ ہیں۔ اس اعلان کو سن کر مکہ میں جو لوگ شرک پر قائم تھے وہ بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔

حجۃ الوداع، ذی قعدہ 10ھ

10ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حج مبرور کے لیے اپنے ارادے کا اعلان فرمایا۔ اس اعلان کو سن کر مسلمانان عرب نے بھی امسال حج کی تیاری شروع کر دی۔ کیونکہ ہر ایک کی آرزو تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج ادا کرے، آپ ﷺ کی اقتدا کرے اور آپ ﷺ کے نقش پا کو اپنے لیے نشان راہ بنا لے۔ رسول اللہ ﷺ نے 25 یا 26 ذیقعدہ یوم سنیچر 10ھ مدینہ سے حج کے لیے کوچ فرمایا۔ آپ ﷺ کے ہمراہ مہاجرین

وانصار کی جماعت کے ساتھ رؤساے عرب کی بھی جماعت تھی اور ساتھ میں قربانی کے ایک سو اونٹ تھے۔ آپ ﷺ نے قربانی کے جانوروں کو قلادہ پہنایا اور ظہر کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کر روانہ ہوئے۔ عصر سے پہلے ذوالحلیفہ پہنچ کر عصر کی نماز قصر یعنی دو رکعت پڑھی اور وہیں پر رات بھر خیمہ زن رہے۔

دوسرے دن صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم سے فرمایا: رات میرے پروردگار کی طرف سے ایک آنے والے نے آکر کہا، اس مبارک وادی میں نماز پڑھو، اور کہو حج میں عمرہ ہے۔ پھر ظہر کی نماز سے پہلے احرام کے لیے غسل فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے آپ ﷺ کے جسم اطہر اور سر مبارک میں اپنے دست مبارک سے خوشبو لگایا اس کے بعد آپ ﷺ نے ظہر کی نماز دو رکعت پڑھی اور مصلے ہی پر حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھتے ہوئے صدائے لبیک بلند کی۔ پھر آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور اپنی قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہوئے اور **لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد و النعمة لک والملک لا شریک لک** بلند فرمایا اور کھلے میدان میں تشریف لے گئے تو وہاں بھی لبیک کی صدا بلند فرمائی۔ اور اپنا سفر جاری رکھا۔ صحابہ رضی اللہ عنھم اور صحابیہ رضی اللہ عنھن نے آپ ﷺ کی اقتدا کی اور زبان پر لبیک کی صدا پورے سفر میں جاری رکھیں۔

رسول اللہ ﷺ 4 ذی الحجہ یعنی ایک ہفتہ بعد اپنے قافلے کے ساتھ شام کے وقت بروز اتوار مکہ مکرمہ کے قریب ذی طویٰ پہنچے اور وہیں پر قیام فرمایا۔ دوسرے روز صبح کی نماز پڑھ کر آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور مسجد حرام کا رخ کیا۔ مسجد حرام پہنچ کر سنگ اسود کا بوسہ لیا اور طواف شروع کیا پھر صفا و مروہ کی سعی کی مگر احرام نہیں کھولا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا تھا اور ساتھ میں ہدی (قربانی کے جانور) لائے تھے۔ آپ ﷺ کے حکم سے جو صحابہ رضی اللہ عنھم قربانی کے جانور اپنے ساتھ نہیں لائے تھے وہ سعی سے فارغ ہو کر حلال ہو گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے بالائی مکہ میں حجون کے پاس قیام فرمایا لیکن دوبارہ طواف حج کے سوا

کوئی اور طواف نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ 8 ذی الحجہ ترویہ کے دن منیٰ تشریف لے گئے اور ظہر، عصر، مغرب، عشا اور 9 ذی الحجہ کی صبح کی نماز وہیں پر ادا کی۔ پھر جب سورج طلوع ہوگیا تو عرفہ کے لیے چل پڑے۔ اور وادی نمرہ پہنچے جہاں پر آپ ﷺ کے لیے قبہ تیار تھا۔ یہاں پر آپ ﷺ نے نزول فرمایا اور جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ کے حکم سے آپ ﷺ کی اونٹنی پر کجاوہ کسا گیا اور آپ ﷺ بطن وادی میں اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے ارد گرد اس وقت کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کا مجمع تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا اور مناسک حج کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''لوگو! میری باتوں کو سنو۔ کیونکہ میں آئندہ سال یا اس کے بعد اس مقام پر تم سے ملنے کا یقین نہیں رکھتا ہوں۔ تمھارا خون اور تمھارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کے دن کی، اس مہینے کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی۔ سود حرام ہے۔ ہاں! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انھیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعہ حلال کیا ہے۔ ان پر تمھارا حق یہ ہے کہ وہ تمھارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جو تمھیں گوارا نہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انھیں مار سکتے ہو لیکن سخت مار نہ مارنا۔ اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انھیں معروف کے ساتھ کھلاؤ اور پہناؤ۔

لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں وہ ہے کتاب اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کی سنت۔ جب تک تم کتاب و سنت پر عمل کرتے رہوگے گمراہ نہ ہوگے۔ آج شیطان مایوس ہوگیا کہ اس کی عبادت اس سرزمین پر کبھی نہ کی جائے گی۔ لیکن ایسا ہوگا کہ چھوٹے چھوٹے امور میں اس کی اطاعت کی جائے گی۔ لہٰذا تم شیطان کی اطاعت سے بچو۔

لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمھارے بعد کوئی امت نہیں۔ لہٰذا اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، اپنے مال کی زکوٰۃ دینا، اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا۔ ایسا کرو گے تو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو گے۔

لوگو! تم سے میرے متعلق پوچھا جانے والا ہے تو تم لوگ کیا کہو گے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم نے کہا: ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دین کی تبلیغ کردی، پیغام پہنچادیا اور خیر خواہی کا حق ادا فرمایا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا: اے اللہ! گواہ رہنا۔

آپ ﷺ کے ارشاد مبارک کو ربیعہ بن امیہ بن خلف رضی اللہ عنہ اپنی آواز سے لوگوں تک پہنچا رہے تھے اور جب آپ ﷺ خطبہ سے فارغ ہو چلے تو اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا. (سورۃ المائدۃ. پارہ 6)

ترجمہ: آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی۔ اور تمھارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کیا۔

اس آیت کو سن کر بہت سے صحابہ رضی اللہ عنھم خوش ہوئے کہ آج دین مکمل ہوگیا لیکن بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم جو زیادہ نکتہ رس طبیعت رکھتے تھے مثلاً ابو بکر و عمر رضی اللہ عنھما اس آیت کو سن کر آبدیدہ ہوگئے۔ کیونکہ جب دین کی تکمیل ہوگئی تو نبی کے رہنے کی ضرورت نہ رہی۔

رسول خدا نور مجسم ﷺ جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان پکاری پھر اقامت کہی اور رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز ظہر کی پڑھائی۔

سلام پھیرنے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پھر اقامت کہی اور آپ ﷺ نے دو رکعت نماز عصر کی پڑھائی۔ اس درمیان کوئی اور نماز نہ پڑھی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور عرفات میں وقوف پر تشریف لے گئے۔ اپنی اونٹنی کا شکم چٹانوں کی جانب کیا اور قبلہ رخ ہو کر مسلسل وقوف فرمایا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اس درمیان رب کریم سے دعائیں کرتے رہے۔ جب سورج غروب ہو گیا اور تھوڑی سی رات ہو گئی تو آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ پیچھے بٹھایا اور مزدلفہ پہنچے۔

مزدلفہ میں مغرب وعشا کی نماز قصر ایک اذان اور دو اقامت سے ادا فرمایا اور اس کے بعد لیٹ گئے اور صبح کے کچھ پہلے تک لیٹے رہے۔ اس درمیان کوئی نماز نہ پڑھی۔ جب صبح کا وقت آیا تو اذان اور اقامت کے ساتھ نماز فجر ادا فرمائی اور اس کے بعد قصوا پر سوار ہوئے۔ مشعر الحرم تشریف لائے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ سے دعا کی۔ جب اجالا ہو گیا اور سورج طلوع ہونے میں کچھ وقت باقی تھا تو آپ ﷺ مشعر الحرم سے منیٰ کے لیے چل دیے۔ اس بار اپنی سواری پر اپنے پیچھے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو بٹھایا اور جمرۂ کبریٰ پہنچ کر آپ ﷺ نے سات کنکریاں جمرۂ کبریٰ کو ماری اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہی۔ اس کے بعد آپ ﷺ قربان گاہ تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے 63 اونٹ ذبح کیے اور بقیہ 37 اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کیا۔ آپ ﷺ نے اپنی قربانی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی شریک فرمالیا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے حکم سے ہر اونٹ کا ایک ایک ٹکڑا ہانڈی میں ڈال کر پکایا گیا اور آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تناول فرمایا اور اس کا شوربا پیا۔ قربانی کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک کا حلق کرایا اور احرام سے حلال ہو کر طواف زیارت کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے کعبہ کا طواف کیا اور وہیں پر ظہر کی نماز پڑھی اور چاہ زمزم پر بنو عبد المطلب کے پاس تشریف

لے آئے۔ بنو عبد المطلب کو حاجیوں کو زمزم پلانے کا شرف حاصل تھا۔ لہٰذا بنو عبد المطلب نے ایک ڈول پانی رسول اللہ ﷺ کو دیا اور آپ ﷺ نے اپنی خواہش کے مطابق زمزم پیا۔ پھر منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے۔

یوم النحر یعنی 10 ذی الحجہ کو چاشت کے وقت آپ ﷺ نے ایک خطبہ بھی ارشاد فرمایا جس میں عرفات کے خطبہ کی ساری باتیں تھیں ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: زمانہ گھوم پھر کر اپنی اسی دن کی ہیئت پر آ گیا ہے جس دن اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہے جن میں سے چار مہینے حرام کے ہیں اور وہ یہ ہیں رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم۔ اور تم لوگ بہت جلد اپنے پروردگار سے ملو گے اور وہ تم سے تمھارے اعمال کے متعلق پوچھے گا۔ لہٰذا تم میرے بعد پلٹ کر گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ بتاؤ! کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ صحابہ رضی اللہ عنھم نے کہا: ہاں! یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! گواہ رہ۔ جو شخص موجود ہے وہ غیر موجود تک میری یہ باتیں پہنچا دے۔ کیونکہ بعض وہ افراد جن تک یہ باتیں پہنچائی جائیں گی بعض وہ افراد جو یہاں موجود ہیں ان سے کہیں زیادہ وہ ان باتوں کو سنیں گے اور عمل کریں گے۔

اس کے بعد آپ ﷺ ایام تشریق یعنی 11,12,13 ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام فرما رہے اور حج کے ارکان ادا کرتے رہے اور لوگوں کو احکام شریعت بھی سکھاتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے 13 ذی الحجہ کو منیٰ سے کوچ فرمایا اور وادی البطح کے خیف بنی کنانہ میں فروکش ہوئے اور دن کے باقی ماندہ حصہ کے علاوہ رات وہیں گزاری۔ یعنی ظہر، عصر، مغرب وعشا کی نمازیں وہیں پڑھیں۔ عشا کے بعد تھوڑی دیر آرام فرمایا اور پھر سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لے گئے اور طواف وداع ادا فرما کر مدینہ کے لیے چل دیے۔

10ھ کے اہم واقعوں میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ اسی سال نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ میں آیا جس میں ان کا سردار عبد المسیح اور ان کا اسقف ابو

حارثہ بھی تھا۔ ان لوگوں نے مسجد نبوی میں داخل ہوکر آپ ﷺ سے بحث و مباحثہ شروع کردی۔ اسی اثنا میں سورۂ آل عمران کی شروع کی آیت مباہلہ نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے وفد سے اسلام قبول کرنے کو فرمایا تو وہ بہت گستاخی سے آپ ﷺ کے ساتھ پیش آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام خدا کے نزدیک ایسے ہی تھے جیسے آدم علیہ السلام کہ انھیں اللہ نے مٹی سے بنایا۔ اس پر عیسائیوں نے کہا کہ نہیں بلکہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹا تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو میرے ساتھ میدان میں چلو اور میرے عزیز و اقارب بھی میرے ہمراہ ہوں۔ دونوں گروہ الگ الگ بیٹھ کر اللہ سے یہ دعا مانگیں کہ ہم میں جو جھوٹا ہو اس پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ یہ سن کر وہ خاموش ہوگئے۔

دوسرے دن صبح کے وقت آپ ﷺ علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنھم کو ساتھ لے کر باہر تشریف لائے اور ان عیسائیوں سے کہا کہ جب میں دعا کروں کہ ہم میں جو جھوٹا ہو اس پر خدا کا عذاب نازل ہو تو تم آمین کہنا۔ آپ ﷺ کی یہ مستعدی دیکھ کر عیسائی خوف زدہ ہوکر کہنے لگے کہ ہم مباہلہ نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مباہلہ نہیں کرتے تو اسلام قبول کرو۔ انھوں نے کہا کہ ہم یہ بھی منظور نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تم جزیہ ہمیں دو یا ہم سے لڑائی کرو۔ انھوں نے کہا ہم کو جزیہ دینا منظور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو دنیا میں قیامت تک کوئی عیسائی نہ رہتا۔ چلتے وقت عیسائیوں نے ایک امین کا تقرر اپنے لئے چاہا۔ آپ ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ کردیا۔ چند روز کے بعد نجران کے تمام عیسائی مسلمان ہوگئے۔

اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کے لیے چند صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ یمن روانہ فرمایا۔ اور حج کے موقعہ پر حج کرنے کی غرض سے حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے چلے اور رسول اللہ ﷺ سے آکر مکہ میں ملے۔

رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی

رسول اللہ ﷺ نے 25 برس کی عمر میں اپنی شادی حضرت ابو طالب کے مشورہ سے خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا جو ایک بیوہ عورت تھیں اور جن کی عمر 40 برس کی تھی سے کیا۔ جب آپ ﷺ کی عمر 50 برس کی ہوئی اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 65 برس کی ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا اور آپ ﷺ نے ان کے جیتے جی دوسری شادی نہیں کی۔ صرف حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر بقیہ آپ ﷺ کے تمام صاحبزادے و صاحبزادیاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بطن مبارک سے ہی پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کے لڑکوں کا انتقال بچپن میں ہی ہوگیا، لیکن صاحبزادیاں زندہ رہیں جن کے نام زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنھن ہے۔ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ، رقیہ وام کلثوم رضی اللہ عنہما کی شادی یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حسن، حسین رضی اللہ عنہما، زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما پیدا ہوئیں۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا تو اس کے کچھ دنوں کے بعد آپ ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا بھی ایک بیوہ عورت تھیں اور وہ پہلے سکران بن عمرو جو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے چچیرے بھائی تھے ان کے عقد میں تھیں اور جب وہ انتقال کر گئے تو آپ ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرلی۔

آپ ﷺ کی تیسری شادی حضرت عائشہ بنت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ہجرت سے ڈھائی سال پہلے ہوئی۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ برس کی تھی اور ہجرت کے سات ماہ کے بعد آپ ﷺ کے پاس وہ رخصت ہو کر آئیں، اس وقت ان کی عمر نو برس کی تھی۔ وہ باکرہ تھیں اس کے علاوہ آپ ﷺ کی شادی کسی کنواری سے نہیں ہوئی تھی۔ امت کی عورتوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ صاحب علم تھیں اور آپ ﷺ کی سب سے محبوب بیوی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی چوتھی شادی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ بدر اور احد کے درمیان انتقال کر گئے تھے اور وہ بیوہ ہوگئی تھیں پھر آپ ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔

رسول اللہ ﷺ کو امت کے بالمقابل چار سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت اللہ نے عطا فرمائی ہے۔ اس لیے آپ ﷺ مختلف اغراض و مقاصد کے تحت چار سے زائد شادیاں کر سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی پانچویں شادی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے اللہ کے حکم سے ہوئی۔ یہ آپ ﷺ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں اور ان کی شادی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ جنھیں رسول اللہ ﷺ کا منھ بولا بیٹا سمجھا جاتا تھا اور زید رضی اللہ عنہ سے نباہ نہ ہو سکا، تو انھوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہ کو طلاق دیدی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح ضروری کر دیا۔ اس تعلق سے سورۂ احزاب کی آیات نازل ہوئیں جس میں متبنیٰ بیٹے کے متعلق دوٹوک فیصلہ کر دیا گیا۔ چونکہ اس دور میں منھ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے ہی کی طرح سمجھا جاتا تھا اور اس کی بیوی سے شادی بڑی فحش کاری خیال کی جاتی تھی۔ سورۂ احزاب کے نازل ہونے کے بعد صحابہ رضی اللہ عنھم کو معلوم ہوگیا کہ اسلام میں منھ بولے بیٹے کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو مخصوص مقاصد کے تحت شادی کی تعداد کے سلسلے میں اتنی وسعت دی ہے جو کسی دوسرے کو نہیں دی گئی ہے۔ اس جاہلی

رسم کو توڑنے کے لیے اللہ نے آپ ﷺ کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کا حکم دیا اور اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیت کریمہ نازل ہوئی:

فلما قضیٰ زید منها وطراً زوجنٰکها لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائهم اذا قضوا منهن وطراً.

(سورۂ احزاب. پارہ. 22)

ترجمہ: جب زید رضی اللہ عنہ نے اس سے اپنی ضرورت پوری کرلی تو ہم نے اس کی شادی آپ ﷺ سے کردی تاکہ مومنین پر اپنے منھ بولے بیٹوں کی بیویوں پر کوئی حرج نہ رہ جائے جب کہ وہ منھ بولے بیٹے ان سے اپنی حاجت پوری کرلیں۔

ادعوهم لآبائهم هو اقسط عند اللّٰه. (سورۂ احزاب. پارہ. 21)

ترجمہ: انھیں ان کے باپ کی نسبت سے پکارو۔ یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔

لہٰذا بحکم خداوندی رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کرلی اور سماج کے جاہلی رسم کو توڑ ڈالا۔ ہمیں بھولنا نہیں چاہیے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کو قربانی کرنے کا حکم دیا تو تمام صحابہ اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ وہ صحابہ رضی اللہ عنھم جو رسول اللہ ﷺ کے وضو کا پانی بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے، آپ ﷺ کے اس حکم کو نظر انداز کر دیا، کوئی نہیں اٹھا اور بیٹھے ہی رہے۔ جب اس کے متعلق حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ ﷺ اٹھ کر چپ چاپ اپنا جانور ذبح کردیجیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا تو پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے تمام صحابہ رضی اللہ عنھم نے اپنی اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کر ڈالا اور حلال ہونے کے لیے حلق یا قصر ایک دوسرے کو کرنے لگے۔ گویا کسی چیز کو عمل میں لانے کے لیے خود عمل کرنا پڑتا ہے اور بعض دفعہ صرف باتوں سے کام نہیں چلتا۔

آپ ﷺ کی چھٹی بیوی کا نام حضرت زینب بن خذیمہ رضی اللہ عنھا ہے۔ یہ عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں اور وہ جنگ احد میں شہید ہوگئے، تو آپ ﷺ نے ان سے شادی کرلی۔ مسکینوں پر رحم و مروت کے سبب انھیں ام المساکین کے لقب سے جانا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں ہی ان کی وفات صرف آٹھ مہینہ آپ ﷺ کی زوجیت میں رہ کر ہوگئی۔ آپ ﷺ کی ساتویں شادی ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنھا سے ہوئی۔ پہلے یہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اور جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ نے ان سے شادی کرلی۔ آپ ﷺ نے اپنی آٹھویں شادی بنو المصطلق کے سردار حارث کی لڑکی حضرت جویریہ رضی اللہ عنھا سے کی۔ جویریہ رضی اللہ عنھا قیدیوں میں لائی گئی تھیں اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں پڑی تھیں۔ انھوں نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنھا سے ایک مقررہ رقم دے کر آزاد کر دینے کا معاملہ طے کرلیا۔ آپ ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنھا کی طرف سے مقررہ رقم دے کر ان سے شادی کرلی۔

آپ ﷺ نے اپنی نویں شادی حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنھا سے کی۔ ام حبیبہ عبید اللہ بن جحش کے عقد میں تھیں اور ہجرت کر کے حبشہ گئی تھیں۔ وہاں جا کر عبید اللہ بن جحش مرتد ہوگیا اور مرگیا لیکن ام حبیبہ رضی اللہ عنھا اپنی ہجرت اور اسلام پر قائم رہیں۔ جب آپ ﷺ نے 7ھ ہجری میں اپنا خط دے کر عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا تو نجاشی کو یہ پیغام بھی دیا کہ وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنھا سے آپ ﷺ کا نکاح کردے۔ شاہ حبش نے ام حبیبہ رضی اللہ عنھا سے منظوری لے کر آپ ﷺ سے نکاح کر دیا اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ انھیں آپ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔

رسول اللہ ﷺ کی دسویں شادی حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب رضی اللہ عنھا سے ہوئی تھی، یہ خیبر کے قیدیوں میں تھیں۔ ان کے پہلے شوہر کا نام کنانہ بن ابی الحقیق ہے جو اپنی بدعہدی کے سبب قتل کر دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی

اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان سے شادی کر لی اور ان کی آزادی ہی ان کا مہر تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی گیارہویں شادی حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے کیا اور یہ ام الفضل لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کے پاس دو لونڈیاں تھیں ایک کا نام حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہے جن کو مقوقس فرماں روائے مصر نے بطور ہدیہ بھیجا تھا اور ان کے بطن سے آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے جو بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ دوسری لونڈی کا نام ریحانہ بنت زید رضی اللہ عنہا ہے جو یہودی قبیلہ بنونضیر یا قریظہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ بنو قریظہ کے قیدیوں میں تھیں۔ آپ ﷺ نے انھیں اپنے لیے منتخب فرمایا تھا جن کے متعلق بعض محققین کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی تھی۔

گویا رسول اللہ ﷺ کی کل گیارہ بیویاں تھیں اور لونڈیوں کی تعداد دو تھی۔ بعض مورخین لونڈیوں کی تعداد دو سے زیادہ بتاتے ہیں اور حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا کو بھی آپ ﷺ کی لونڈی میں شمار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک لونڈی اور بتاتے ہیں جنھیں زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے ہبہ کیا تھا۔ لہٰذا ہمیں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے اس پہلو پر غور کرنا چاہیے کہ آپ ﷺ نے جوانی کے 25 برس ایک ایسی بوڑھیا کے ساتھ گزارا جن کے منہ میں دانت بھی نہیں تھا یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ۔ جب آپ ﷺ کی عمر پچاس برس کی ہوئی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا جو کہ 65 برس کی تھیں انتقال کر گئیں تو کیا آپ ﷺ کی جنسی خواہش اس قدر بڑھ گئی کہ یکے بعد دیگرے دس شادیاں کر ڈالیں۔ جب کہ آپ ﷺ بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے۔ جی نہیں! ہرگز نہیں! آپ ﷺ کی زندگی کے ان دونوں حصوں پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی بھی ہوش مند انسان اس تصور کو صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ کیونکہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی پہلی شادی 25 برس کی عمر میں 40 برس کی ایک بیوہ عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی

میں رسول اللہ ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی۔ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر 50 برس کی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی شریک زندگی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا انتقال کر گئیں۔ اس کے بعد سے ہی رسول اللہ ﷺ نے یکے بعد دیگرے دس شادیاں کیں، جب کہ آپ ﷺ بڑھاپے کی دہلیز پر تھے۔

لہٰذا حقیقت صاف طور پر عیاں ہے کہ اتنی ساری شادیاں آپ ﷺ نے دوسرے ہی اغراض و مقاصد کے تحت کی تھیں، جو عام شادیوں کے مقاصد سے بہت ہی عظیم تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر کے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے رشتۂ مصاہرت قائم کی اور اپنی دو صاحبزادیوں کی یکے بعد دیگرے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا و حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اور اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر کے رشتہ مصاہرت قائم کیا۔ جس کا مقصد ان چاروں حضرات ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم سے تعلقات کافی پختہ کرنا تھا۔ کیونکہ ان چاروں بزرگوں کا اسلام کے پیچیدہ ترین مراحل میں جانثاری کا جو ثبوت ہے وہ محتاج تعارف نہیں۔

اپنی لاکھ برائیوں کے باوجود اہل عرب رشتۂ مصاہرت کا بڑا احترام کرتے تھے اور داماد سے جنگ لڑنا بہت ہی شرم کی بات سمجھتے تھے۔ اس دستور کے مدنظر رسول اللہ ﷺ نے دشمن قبائل کا زور توڑنے کے لیے چند شادیاں کیں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے جب اپنی شادی ابوسفیان کی بیٹی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے کر لی تو اس کے بعد ابوسفیان کبھی آپ ﷺ کے مقابلہ کے لیے نہیں آیا۔ اسی طرح جب آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید اور ابوجہل کے قبیلہ سے تعلق رکھنے والی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی تو خالد بن ولید کی اسلام دشمنی کا زور ختم ہو گیا اور تھوڑے ہی دنوں بعد انھوں نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کر لیا۔

اسی طرح جب قبیلۂ بنو المصطلق اور بنو نضیر سے تعلق رکھنے والی حضرت جویریہ

رضی اللہ عنہا و حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجیت میں آگئیں تو ان قبیلوں نے اس کے بعد کبھی مسلمانوں سے محاذ آرائی نہ کی۔ بلکہ جب حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آگئیں تو مسلمانوں نے بنو المصطلق کے ایک سو گھرانوں کو جو اُن کی قید میں تھے اس لیے آزاد کر دیا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سسرال کے لوگ ہیں اور جب رب قدیر نے منہ بولے بیٹے کی حیثیت کے متعلق دو ٹوک فیصلہ کیا تو رسول اللہ ﷺ کو اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کرنے کا حکم دیا۔ اب اللہ کے فیصلے کے آگے دنیا کی طنز کا پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی اور دستور عرب کے ایک بہت برے رواج کو ہمیشہ کے لیے مٹا ڈالا۔

رسول اللہ ﷺ کو ایک ایسی غیر مہذب قوم کے لوگوں کو تربیت دینا تھا جس میں اسلامی اصول کے مطابق مردوں اور عورتوں کے اختلاط کی گنجائش نہیں تھی۔ عورتوں کی تعلیم و تربیت مردوں سے کم ضروری نہیں تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس یہی ایک راستہ بچ گیا تھا کہ آپ ﷺ مختلف عمر اور صلاحیت کی عورتوں کو اپنے عقد میں شامل کرلیں اور انھیں تعلیم و تربیت دیدیں جس سے وہ دنیا کی دوسری عورتوں کو تربیت دے سکیں اور انھیں شریعت کے مسائل سکھا سکیں۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی کو امت تک پہنچانے میں زیادہ تر امہات المومنین کا ہی رول ہے اور ان میں بھی بالخصوص وہ امہات المومنین جنھوں نے لمبی عمر پائی مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن سے سب سے زیادہ حدیث مروی ہے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے افعال و اقوال خوب روایت کی ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین شخص رسول گرامی ﷺ کی عبادت کا حال معلوم کرنے کے واسطے حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس حاضر ہوئے۔ جب حضور ﷺ کی عبادت کی ان لوگوں کو خبر ملی تو اس کو حقیر خیال کر کے کہنے لگے کہ ہم لوگوں میں اور حضور انور ﷺ میں بہت بڑا

فرق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں۔ ہم لوگوں کو زیادہ عبادت کرنا چاہیے۔ ان تینوں میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ میں تو تمام شب نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں تمام عمر روزے رکھوں گا۔ تیسرے نے کہا: میں کبھی نکاح نہ کروں گا عورتوں سے بچتا رہوں گا۔ ان کے مشورے کی حضور ﷺ کے پاس خبر پہنچی تو حضور انور ﷺ ان لوگوں کے پاس تشریف لائے۔ ان لوگوں سے فرمایا: کیا فلاں فلاں گفتگو تمھیں لوگوں میں ہوئی ہے؟ ان لوگوں نے عرض کیا جی ہاں۔ حضور ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم! میں تم لوگوں کی نسبت سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں۔ سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں۔ افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی ادا کرتا ہوں۔ سوتا بھی ہوں۔ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں جو شخص میری سنت سے انکار کر گیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہیں۔ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے حیض کے غسل کے متعلق دریافت کیا۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا جس طرح غسل کا طریقہ ہے اسی طرح کرے۔ البتہ اتنا اور کرے کہ مشک کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے پاکی کرے۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اس کی کیا صورت ہے؟ حضور انور ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ (یہ بھی مجھ سے دریافت کرنے کی بات ہے) پاکی کے طریقہ پر کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کہتی ہیں یہ سن کر میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچ کر بتلایا اس سے مقام (مخصوص) صاف کرے۔

امہات المومنین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رہائش نہایت شریفانہ اور عمدہ انداز کی تھی اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن بھی صبر و قناعت کا مرقع تھیں۔ رسول اللہ ﷺ بڑی روکھی پھیکی زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کا بیان ہے کہ دو دو ماہ گزر جاتے، تیسرے مہینے کا چاند نظر آجاتا اور رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آگ نہ جلتی۔ حضرت عروہ نے دریافت کیا کہ تب آپ لوگ کیا کھاتی تھیں؟ فرمایا: بس دو کالی چیزیں کھجور اور پانی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی میدے کی نرم روٹی کھائی ہو، یا بھنی بکری دیکھی ہو یہاں تک کہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اس تنگی و ترشی کے باوجود ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن سے کوئی لائق عتاب حرکت سرزد نہیں ہوئی۔ البتہ ایک دفعہ انسانی فطرت کے تقاضے کے سبب ایسا ہوا اور اللہ کو اسی بنیاد پر کچھ احکام نازل کرنا منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر آیت تخییر نازل فرمائی:

یایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا و زینتھا فتعالَیْنَ امتعکن و اسرحکن سراحا جمیلا o و ان کنتن تردن اللہ و رسولہ والدار الاٰخرۃ فان اللہ اعد للمحسنٰت منکن اجرا عظیما o (سورۃ الاحزاب. پارہ. 21)

ترجمہ: اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں ساز و سامان دے کر بھلائی کے ساتھ رخصت کردوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کو چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکو کاروں کے لیے زبردست اجر تیار کر رکھا ہے۔

تمام ام المومنین نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی ترجیح دیا اور کوئی بھی دنیا کی طرف مائل نہ ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں مومنوں کی ماں ہیں اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن سے نکاح کرنے سے اللہ نے منع فرمادیا۔ لہٰذا سورۃ الاحزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم و ازواجہ امھٰتھم.

ترجمہ: بلا شبہ نبی مومنوں کے لیے ان کی ذات سے بھی مقدم ہے اور آپ ﷺ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

یٰنساء النبی لستن کا حد من النساء .

ترجمہ: اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

یایھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی اتیت اجورھن و ما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک و بنت عمک و بنت عمتک و بنت خالک و بنت خلتک التی ھاجرن معک و امراۃ مو منۃ ان و ھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا خالصۃ لک من دون المومنین ط (سورۃ الاحزاب. پارہ. 22)

ترجمہ: اے نبی! ہم نے آپ ﷺ پر آپ کی وہ بیویاں حلال کردی ہیں جن کے حق مہر آپ ادا کر چکے ہیں اور کنیزیں بھی جو آپ ﷺ کے قبضہ میں ہیں۔ جو اللہ نے آپ ﷺ کو غنیمت کے مال سے دی ہیں۔ نیز آپ ﷺ کے چچا، پھوپھیوں، ماموں اور خالوؤں کی بیٹیاں بھی جنھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ نیز وہ مسلمان عورت بھی جس نے اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کردیا اور نبی اس کو نکاح میں لینا چاہے۔ یہ رعایت صرف آپ ﷺ کے لیے ہے دوسرے مسلمانوں کو نہیں۔

رسول اللہ ﷺ بہت سخت زندگی بسر کرتے تھے۔ رات میں نماز تہجد پڑھتے تھے اور قیام رکوع وسجود اتنا لمبا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کا قدم مبارک سوج جاتا تھا۔ قرآن کو آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ اللہ سے ڈرتے تھے، سب سے زیادہ عبادت کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا اخلاق قرآن کا آئینہ تھا، سب سے زیادہ سخی تھے، سب سے بڑھ کر مروت کرنے والے تھے۔ آپ ﷺ نے مسلسل معرکہ آرائیوں میں بیس برس سے زیادہ وقت گزارے لیکن آپ ﷺ کو کوئی ایک معاملہ دوسرے معاملے سے غافل نہ کرسکا۔ سارا جزیرۃ العرب آپ ﷺ کے تابع ہوگیا اور اسلامی دعوت اتنے بڑے پیمانے پر کامیاب ہوئی کہ عقلیں حیران رہ گئیں۔ توحید کی آوازوں سے فضا گونجنے لگی، لوگوں نے بتوں کی عبادت چھوڑا ہی نہیں بلکہ بتوں کو توڑ کر پھینک بھی دیا۔ بکھری ہوئی قومیں اور قبیلے ایک ہوگئے اور انسان بندوں کی بندگی سے نکل کر اللہ کی بندگی میں داخل ہوگیا۔

رسول اللہ ﷺ کی علالت

جب سورۂ نصر اور حجۃ الوداع کے موقع پر **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا،** کا نزول ہوا تو اس سے آپ ﷺ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین نے یہی اندازہ لگایا کہ آپ ﷺ کا مشن مکمل ہو چکا ہے اور آپ ﷺ جلد تشریف لے جانے والے ہیں۔ دعوت دین مکمل ہو جانے پر رسول اللہ ﷺ کے گفتار و کردار سے ایسے علامات ظاہر ہونے لگے کہ اب آپ ﷺ اس دار فانی سے کوچ کرنے والے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں ارشاد فرمایا: مجھے معلوم نہیں، شاید میں اس سال کے بعد اب اس مقام پر تم لوگوں سے کبھی نہ مل سکوں۔ صفر 11ھ کے پہلے ہفتہ میں آپ ﷺ شہدائے احد کے پاس تشریف لے گئے اور اس طرح دعا فرمائی گویا زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر واپس آ کر ممبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا: میں تمھارا امیر کارواں ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ بخدا میں اس وقت اپنا حوض کوثر دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمیں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں اور بخدا مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے بلکہ اندیشہ اس کا ہے کہ دنیا تم پر کھول دی جائے گی اور تم دنیا طلبی میں باہم مقابلہ کرو گے۔

رسول اللہ ﷺ ہر رمضان میں دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے۔ پھر جب وہ سال آیا جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ نے 20 دن کا اعتکاف کیا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنھا بنت رسول اللہ ﷺ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے آہستہ آواز سے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام ہر سال قرآن کا ایک بار دور میرے ساتھ کیا کرتے تھے اور اس سال دو بار دور کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ میری موت کا وقت آ پہنچا ہے۔

محرم 11ھ رسول اللہ ﷺ کو بخار آیا اور بڑھتا گیا۔ آپ ﷺ کی علالت کی خبر

جب مشہور ہوئی تو بعض مفسدوں نے سر اٹھایا۔ مسیلمہ، طلیحہ، خویلد، اسود اور سجاع بنت حارث نے الگ الگ نبوت کا دعویٰ کیا۔ ان لوگوں نے سمجھا کہ جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کامیاب ہوگئے اسی طرح ہم بھی کامیاب ہوجائیں گے۔ مگر خدائے تعالیٰ نے آپ ﷺ کی صداقت پر ایک اور مہر کردی اور یہ سب کے سب ناکام ہوگئے۔ ان میں مسیلمہ کذاب یمامہ میں اور اسود بن کعب عنسی یمن میں زیادہ مشہور ہوگئے تھے۔ آپ ﷺ بیماری کی حالت میں ہی باہر تشریف لائے، سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ میری کلائی میں دو کنگن سونے کے ہیں۔ میں نے ان کو نامطبوع سمجھ کر پھینک دیا اور اس خواب کی میں نے یہ تعبیر لگائی ہے کہ یہ دو کنگن یہی دونوں کذاب یعنی صاحب یمامہ (مسیلمہ کذاب) اور صاحب یمن (اسود کذاب) ہیں۔''

چنانچہ اسود کذاب آپ ﷺ کی زندگی ہی میں فیروز نامی ایک مرد مبارک کے ہاتھ سے مارا گیا اور مسیلمہ کذاب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وحشی قاتل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ وحشی کہا کرتا تھا کہ میں نے حالت کفر میں ایک بہترین انسان کو اور حالت اسلام میں ایک بدترین انسان کو قتل کیا۔

29 صفر 11ھ روز دوشنبہ کو آپ ﷺ ایک جنازے کے ساتھ جنت البقیع تشریف لے گئے اور واپسی میں دردسر شروع ہوگیا۔ یہ آپ ﷺ کے مرض الموت کا آغاز تھا۔ آپ ﷺ کی بیماری کی کل مدت 13 یا 14 دن تھی اور بیماری کی حالت میں بھی آپ ﷺ نے گیارہ دنوں تک نماز پڑھائی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضور انور ﷺ نے اپنے مرض میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر چپکے سے کوئی بات کان میں کہا وہ سن کر رونے لگیں پھر حضور انور ﷺ نے ایک اور بات کہا جس کو سن کر وہ ہنسنے لگیں۔ ہم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس معاملے

کو دریافت کیا، انھوں نے کہا کہ پہلی مرتبہ حضور انور ﷺ نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ جس مرض میں میں مبتلا ہوں اس میں میرا انتقال ہو جائے گا، میں یہ سن کر رونے لگی تھی اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ مجھ سے ملاقات کریں گے ان سب میں پہلی میں ہوں۔ یہ سن کر میں ہنس پڑی۔

رسول اللہ ﷺ کی طبیعت روز بروز خراب ہوتی جارہی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن سے اجازت مانگا کہ آپ ﷺ کی تیمار داری حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کے حجرے میں ہو۔ آپ ﷺ کی تمام ازواج مطہرات نے خوشی خوشی آپ ﷺ کو اجازت دے دی۔ تب آپ ﷺ دو آدمیوں کا سہارا لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کے حجرے میں تشریف لائے اور زندگی کا آخری ہفتہ وہیں پر گذارا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کا بیان ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ (آخری مرض سے) بوجھل ہو گئے اور آپ ﷺ کا مرض سخت ہو گیا تو اپنی بیویوں سے اجازت مانگی کہ میری عائشہ کے گھر میں تیمارداری کی جائے تو سب نے آپ ﷺ کو اجازت دے دی۔ پس نبی اکرم نور مجسم ﷺ (میرے گھر آنے کے لیے) دو آدمیوں کے درمیان (سہارا لے کر) نکلے اور آپ ﷺ کے دونوں پیر (مبارک) زمین پر گھسٹتے ہوئے جارہے تھے۔ آپ ﷺ سید عباس رضی اللہ عنہ اور ایک اور شخص کے درمیان میں نکلے۔ عائشہ رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب اپنے گھر میں آچکے اور آپ ﷺ کا مرض اور بھی زیادہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سات مشکیں جس کے بند نہ کھولے گئے ہوں میرے اوپر ڈال دو تا کہ میں لوگوں کو کچھ وصیت کروں چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی اور آپ ﷺ ام المومنین حفصہ زوجہ نبی ﷺ کے مخضب میں بٹھلا دیے گئے۔ اس کے بعد ہم سب آپ ﷺ کے اوپر پانی ڈالنے لگے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ بس تم تعمیل حکم کر چکیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ لوگوں کے پاس باہر تشریف لے گئے۔

رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور ممبر پر رونق افروز ہوئے اور بیٹھ کر

خطبہ دیا۔ اس وقت آپ ﷺ کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔ تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔ آپ ﷺ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا اور فرمایا: میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے وہ بدلہ لے لے اور کسی کی بے آبروئی کی ہو تو یہ میری آبرو حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے۔ اس کے بعد آپ ﷺ ممبر سے نیچے تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر ممبر پر تشریف لے گئے اور پچھلی باتیں دہرائیں۔ ایک شخص نے کہا، آپ ﷺ کے ذمہ میرے تین درہم باقی ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: انھیں ادا کردو۔ لہٰذا حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے ادا کر دیا۔

پھر آپ ﷺ نے انصار کے متعلق وصیت فرمائی: میں تمھیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ میرے قلب و جگر ہیں۔ انھوں نے اپنی ذمہ داری پوری کردی مگر ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں۔ لہٰذا ان کے نیکوکار سے قبول کرنا اور ان کے خطا کار سے درگزر کرنا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا کہ یا تو وہ دنیا کی زیب و زینت اختیار کرلے یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے لے لے تو اس بندے نے اللہ کے پاس والی چیز کو اختیار کیا۔ مذکورہ بالا وصیتیں وفات سے پانچ روز قبل چہارشنبہ (بدھ) کی ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا: آپ ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ اس پر ہمیں تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ اس بڈھے کو دیکھو! اسے کیا ہوگیا؟ رسول اللہ ﷺ نے تو ایک بندے کے بارے میں بتایا کہ اللہ نے اسے اختیار دیا کہ یا تو وہ دنیا کی زیب و زینت اختیار کرلے یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے لے لے اور اس بندے نے اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کیا۔ اور یہ بڈھا (ابوبکر رضی

اللہ عنہ) کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ ﷺ پر قربان۔ لیکن چند دن کے بعد یہ واضح ہوگیا کہ اللہ نے جس بندے کو اختیار دیا تھا وہ رسول اللہ ﷺ ہی تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ صاحب علم اور ذی شعور تھے اور وہ بات کو سمجھ کر رونے لگے تھے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مرض وفات میں ایک روز حضور انور ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ممبر پر رونق افروز ہوکر ارشاد فرمایا: تم تمام لوگوں میں صحبت اور مال کے لحاظ سے احسان کرنے والا میرے ساتھ ابو بکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ سے بڑا زیادہ کوئی شخص نہیں۔ (اگر دنیا میں) کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن اخوت اسلامی بہتر ہے۔ مسجد میں جتنے دروازے ہیں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے علاوہ سب بند ہوجائیں۔ (صرف وہی کھلا رہے۔)

یمامہ ویمن کے فتنوں اور عرب کے عیسائیوں کے سازشوں نے رومیوں کو پھر ملک عرب کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ رومیوں کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ اہل اسلام کے زندہ رہنے کا حق تسلیم کرے۔ اس کے زیر اثر علاقہ میں کوئی شخص اسلام قبول کر لیتا تو اس کی جان کی خیر نہ ہوتی تھی۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اواخر صفر 11 ھ میں ایک بڑے لشکر کی تیاری شروع فرمائی جب کہ آپ ﷺ مرض الموت میں مبتلا تھے اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اسلامی لشکر کا سپہ سالار مقرر فرماتے ہوئے حکم دیا کہ بلقا کا علاقہ اور فلسطینی سر زمین سواروں کے ذریعہ روند آؤ۔ اس کاروائی کا مقصد عرب قبائل جو رومیوں کے حدود میں تھے ان پر اعتماد بحال کرنا اور رومیوں کو خوف زدہ کرنا تھا۔ اس موقع پر کچھ لوگوں نے سپہ سالار کی نوعمری اور سپہ سالار کے باپ کے غلام ہونے کے سبب لشکر میں شمولیت میں کچھ تاخیر کی۔ آپ ﷺ نے جب ان چہ می گویوں کو سنا تو لوگوں کو بلا کر فرمایا کہ جب اس کا باپ سالار لشکر رہ چکا ہے تو اس کی سرداری میں کیوں اعتراض کیا جارہا ہے۔ زید اول المسلمین میں سے تھے اور ان کا مرتبہ اسلام میں

بہت بڑا ہے۔ وہ میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں۔

غرض جن کو اعتراض تھا وہ نادم ہوئے اور پھر بخوشی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سرداری کو قبول کر لیا۔ بیماری کی حالت کے باوجود آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسامہ رضی اللہ عنہ کا جھنڈا درست کر کے فوج کو روانہ فرمایا اور تمام جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنھم کو اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ ابو بکر، عمر، عثمان غنی، علی اور عباس رضی اللہ عنھم سب کے سب اسامہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت بنا کر روانہ کیے گئے۔ آپ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی اجازت سے حضرت عباس و علی رضی اللہ عنھما کو اپنی تیمارداری کے لیے روک لیا۔ اور بقیہ تمام صحابہ رضی اللہ عنھم حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے ایک کوس چل کر مقام جرف میں قیام کیا۔ چونکہ آپ ﷺ کی طبیعت روز بروز بگڑتی ہی جا رہی تھی اس لیے اسامہ رضی اللہ عنہ کی فوج جرف میں خیمہ زن ہوگئی۔ کیونکہ لشکر اسلام کو آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل بھی کرنا تھا اور اللہ کے فیصلے کا انتظار بھی کرنا تھا اور اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ یہ لشکر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی پہلی فوجی مہم قرار پائے۔ مقام جرف سے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنھما حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تھے اور پھر مقام جرف جہاں پر اسامہ رضی اللہ عنہ کی فوج خیمہ زن تھی چلے جاتے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مقام جرف میں پڑے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی علالت کو دیکھ کر کوچ نہ کر سکے۔ آپ ﷺ نے بھی اس حالت میں ان کو کوچ کرنے کا حکم نہ دیا اور مع لشکر ان کے جرف میں مقیم رہنے کو جائز رکھا۔

وفات سے چار روز پہلے یعنی جمعرات کو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو وصیت فرمائی کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا۔ وفود کو اسی طرح نوازنا جس طرح میں نوازتا تھا، انھیں صلہ اور انعام سے ضرور خوش کرنا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو ضرور روانہ کرنا اور انصار کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ کتاب و سنت کو

مضبوطی سے پکڑے رہنا۔ عورتوں کا حقوق ادا کرنا اور غلاموں کے ساتھ نرمی برتنا۔ اسی دن جب کہ آپ ﷺ سخت بیمار تھے فرمایا: لاؤ میں تمھیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اس وقت گھر میں کئی آدمی تھے ان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انھوں نے کہا آپ ﷺ پر کافی تکلیف ہے اور ہمارے واسطے قرآن کافی ہے جیسا کہ آپ ﷺ فرما چکے ہیں۔ لیکن لوگوں میں اختلاف ہوگیا۔ کچھ لوگ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی باتوں سے اتفاق کر رہے تھے اور کچھ لوگ کہتے تھے کہ آپ ﷺ سے پوچھا جائے کہ آپ ﷺ کیا لکھوانا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ کو ان کی یہ باتیں کرنے کی آوازیں ناگوار معلوم ہوئیں۔

پھر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کیا لکھوانا چاہتے ہیں، فرمائیں۔ آپ ﷺ نے کہا: مجھ کو اسی حالت میں رہنے دو جس میں میں ہوں اور باہر چلے جاؤ۔ اس وقت آپ ﷺ کو سخت درد کی شدت تھی۔ اس دن مغرب کی نماز آپ ﷺ نے پڑھا اور اس میں سورہ المرسلات عرفا پڑھی۔ لیکن عشا کے وقت آپ ﷺ کو مسجد میں جانے کی طاقت نہ رہی۔ کیونکہ مرض کافی شدت اختیار کر گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: نہیں! یا رسول اللہ ﷺ! سب لوگ آپ ﷺ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے لیے لگن میں پانی رکھو۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے غسل فرمایا اور اٹھنا چاہا تو آپ ﷺ پر غشی طاری ہوگئی اور اٹھ نہ سکے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد جب کچھ افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے کہا: نہیں یارسول اللہ ﷺ! سب لوگ آپ ﷺ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر غسل فرمایا لیکن دوبارہ اور سہ بارہ بھی وہی بات پیش آئی جو پہلی مرتبہ پیش آئی تھی۔ یعنی آپ ﷺ غسل کر کے اٹھنا چاہتے تھے لیکن اٹھ نہیں پاتے تھے اور آپ ﷺ پر غشی طاری ہوجاتی تھی۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہلوا بھیجا کہ وہ

لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میرے باپ اس خدمت کو انجام نہیں دے پائیں گے۔ کیونکہ وہ رقیق القلب ہیں۔ آپ ﷺ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو امام مقرر فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی امامت کریں گے۔ چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان ایام میں نماز پڑھائی۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان کی پڑھائی ہوئی نمازوں کی تعداد سترہ ہے۔ سنیچر یا اتوار کو آپ ﷺ نے طبیعت میں کچھ بہتری محسوس کی اور دو آدمیوں کے درمیان چل کر مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت ظہر کی نماز کا وقت تھا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ امامت کر رہے تھے۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو آتے ہوئے دیکھا تو نماز کی حالت میں ہی پیچھے ہٹنے لگے، لیکن آپ ﷺ نے اشارہ سے منع کر دیا کہ پیچھے نہ ہٹیں۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو لا رہے تھے ان سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بازو میں بٹھا دو۔ آپ ﷺ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بائیں بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کو تکبیر سنا رہے تھے۔

اتوار کے روز رسول ﷺ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس سات دینار تھے اسے بھی صدقہ کر دیا، اور اپنے ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ کر دیا۔ حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنھم ان ایام بیماری میں زیادہ تر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے۔ اور میں اس کو تم پر چھوڑتا ہوں اور تم کو اس کے سپرد کرتا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ کو میرے قریبی رشتہ دار غسل دیں، میرا جنازہ میری قبر کے کنارے رکھ کر ایک ساعت کے لیے الگ ہو جانا تا کہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ مجھ پر نماز پڑھ لیں۔ بعد ازاں گروہ کے گروہ مجھ پر نماز پڑھنا۔ پہلے میرے خاندان کے مرد نماز پڑھیں اس کے بعد عورتیں بعد ازاں گروہ کے گروہ مجھ پر نماز پڑھنا۔

12 ربیع الاول 11ھ دو شنبہ کے روز نماز فجر کے وقت آپ ﷺ سر پر پٹی باندھے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ کو آتا دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے لیکن رسول اللہ ﷺ نے منع کر دیا۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بائیں طرف بیٹھ کر نماز ادا کی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگوں کو تکبیریں سنا رہے تھے۔ بعد نماز آپ ﷺ نے لوگوں کو کچھ وعظ و نصیحت فرمایا۔ جب آپ ﷺ اپنی تقریر ختم کر چکے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے آج آپ ﷺ خوش و خرم معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سر مبارک رکھ کر لیٹ گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مطمئن ہو کر اور آپ ﷺ کو آج افاقہ کی حالت میں دیکھ کر اپنے اہل و عیال کے پاس اپنے مکان میں چلے گئے۔

پھر دن چڑھے اور چاشت کا وقت آیا اور لحہ بہ لحہ آپ ﷺ کی تکلیف بڑھنے لگی۔ آپ ﷺ شدید کرب سے دوچار ہونے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چلا اٹھیں کہ ''ہائے ابا جان کی تکلیف'' آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی! آج کے بعد تمھارے ابا پر کوئی تکلیف نہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ بھی بشارت دی کہ آپ رضی اللہ عنہا ساری خواتین عالم کی سردار ہیں۔ آپ ﷺ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر بوسہ لیا، اور ان کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی اور ازواج مطہرات کو بلایا، انھیں بھی وعظ و نصیحت کی۔ پھر نزع کی حالت شروع ہوگئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو اپنے اوپر ٹیک لگوادی۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے، وہ کہتی ہیں کہ خدا کی نعمتوں میں سے مجھ پر سب سے بڑی یہ نعمت ہوئی کہ حضور انور ﷺ نے میرے گھر میں، میرے سینہ اور گردن کے درمیان میری باری میں وفات پایا۔ حضور انور ﷺ مجھ سے سہارا لگائے بیٹھے تھے کہ اتنے میں عبد الرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ

ہاتھ میں مسواک لیے ہوئے میرے پاس آئے۔ میں نے دیکھا کہ حضور انور ﷺ کی نظر مسواک کی طرف لگی ہوئی ہے۔ میں سمجھ گئی کہ حضور انور ﷺ کو مسواک کی ضرورت ہے۔ میں نے عرض کیا آپ ﷺ کے واسطے مسواک لے لوں؟ حضور انور ﷺ نے اشارے سے فرمایا: ہاں۔ میں نے لے کر حضور انور ﷺ کو دے دی۔ حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے دانتوں میں کیا لیکن آپ ﷺ سے کی نہ گئی میں نے عرض کیا: لائیے اس کو نرم کردوں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا اچھا! میں نے لے کر اس کو نرم کر کے حضور انور ﷺ کو دیا (اس دن میرا اور حضور انور ﷺ کا لعاب مخلوط بھی ہوا) آپ ﷺ کے پاس ایک پیالہ میں پانی رکھا ہوا تھا، اس میں دست مبارک ڈال کر پھیرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے لا الہ الا اللہ۔ واقعی نبوت میں سخت سکرات ہوا کرتے ہیں۔ اسی حالت میں حضور انور ﷺ نے دست مبارک اٹھا کر فرمایا اللھم بالرفیق الاعلیٰ اور آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ آپ ﷺ کا اٹھا ہوا دست مبارک پست ہوگیا۔ یہ واقعہ 12 ربیع الاول 11ھ بروز سوموار چاشت کے وقت پیش آیا۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر شریف 63 سال کی تھی۔

مسلمانانِ مدینہ پر غم والم کا پہاڑ

دل کو ہلا دینے والے اس حادثہ کی خبر جب پھیلی تو مسلمانان مدینہ پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ جو بھی سنتا حیران وششدر ہوکر رہ جاتا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی وفات کا کافی صدمہ ہوا۔ وہ آپ ﷺ کے انتقال کے چھ ماہ بعد اس دنیا سے چل بسیں، اور اس چھ ماہ میں آپ رضی اللہ عنہا کے چہرے مبارک پر کبھی مسکراہٹ نہیں دیکھی گئی یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے بلاوا آگیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ ہمارے یہاں تشریف لائے اس سے بہتر دن ہم نے کبھی نہیں دیکھا اور جس دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس سے زیادہ تاریک

دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہوش جاتے رہے وہ اپنی تلوار کھینچ کر کھڑے ہوگئے اور یہ کہنا شروع کیا: خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے۔ کچھ منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا ہے۔ جو یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا ہے میں اپنی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے تھے اور اپنی قوم سے چالیس دن غائب رہ کر لوٹے تو ان کی قوم یہی سمجھ رہی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام انتقال کر گئے ہیں۔ خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ بھی اپنے رب کے پاس سے پلٹ کر ضرور آئیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ پر موت واقع ہوچکی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سخ میں واقع اپنے مکان سے گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے اور سواری سے اتر کر مسجد کے اندر داخل ہوئے اور کسی سے کچھ بات کیے بغیر سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک میں گئے اور رسول اللہ ﷺ کا دیدار کیا۔ آپ ﷺ کو دھاریدار یمنی چادر سے ڈھک دیا گیا تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے رخ انور سے چادر ہٹایا اور پیشانی مبارک کا بوسہ دیا اور رو پڑے۔ پھر فرمایا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا۔ خدا کی قسم! اللہ آپ ﷺ پر دو موت جمع نہیں کرے گا۔ جو موت آپ ﷺ پر لکھ دی گئی تھی وہ آچکی۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وہی باتیں کہتے ہوئے سنا تو ان سے کہا عمر! خاموش رہو مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے الگ کھڑے ہو کر لوگوں کو مخاطب کیا۔ پھر جس قدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے وہ سب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بعد حمد و ثنا کے فرمایا:

اما بعد! من کان منکم یعبد محمدا ﷺ فان محمدا ﷺ قد مات، و من کان منکم یعبد الله فان الله حی لا یموت.

ترجمہ: اما بعد- تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا تو (وہ جان لے) کہ محمد ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔

قال الله: وما محمد الا رسول ج قد خلت من قبله الرسل ط افائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ط ومن ینقلب علیٰ عقیبیه فلن یضر الله شیئاط وسیجزی الله الشکرین°

(سورۂ آل عمران. پارہ 4)

ترجمہ: اللہ کا ارشاد ہے: محمد ﷺ نہیں ہیں مگر رسول ہی۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا وہ (محمد ﷺ) مر جائیں یا ان کی موت واقع ہو جائے یا وہ قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ اپنی ایڑ کے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑ کے بل پلٹ جائے تو (یاد رکھے کہ) وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین جو کہ غموں سے نڈھال تھے جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب سنا تو انھیں یقین آ گیا کہ رسول اللہ ﷺ واقعی انتقال کر چکے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ واللہ ایسا لگتا تھا کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے اور لوگوں نے اس آیت کے متعلق جانا ہی نہ تھا اور اب ہر آدمی اسی آیت کی تلاوت کرنے لگا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واللہ! میں نے جونہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو انتہائی متحیر اور دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔ حتی کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سن کر میں زمین پر گر پڑا کیونکہ میں جان گیا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے۔

تجہیز و تکفین و تدفین: مسجد نبوی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطاب ابھی ابھی ختم ہوا تھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین آپس میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ قرآن کی آیت ایک دوسرے کو سنا رہے تھے کہ اچانک خبر پہنچی کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں انصار مجتمع ہیں اور وہ سب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنا کر ان سے بیعت چاہتے ہیں۔ بعض انصار یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک ہم میں سے امیر ہوگا اور ایک قریش سے امیر ہوگا۔ یہ خبر سن کر حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنھما مہاجرین کے ایک گروہ کے ساتھ ان نامناسب حالات کی اصلاح اور روک تھام کے لیے فوراً سقیفہ بنو ساعدہ کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت علی و عباس و اسامہ و فضل بن عباس رضی اللہ عنھم اجمعین وغیرہ آپ ﷺ کے قریبی رشتہ داروں کو آپ ﷺ کی وصیت کے موافق تجہیز و تکفین کے اہتمام پر متعین فرما گئے۔

سقیفہ بنو ساعدہ میں مہاجرین و انصار کے درمیان گفتگو ہوئی اور بالآخر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق ہوگیا۔ اس کام میں دوشنبہ کا پورا دن گزر گیا اور رات آ گئی۔ پھر دوسرے روز منگل کی صبح تک آپ ﷺ کا جسم اطہر دھاری دار یمنی کپڑے سے ڈھکا بستر ہی پر رہا۔ گھر کے لوگوں نے باہر سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ منگل کے روز آپ ﷺ کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا۔ غسل دینے والوں میں حضرت عباس، علی، فضل اور قثم ابن عباس رضی اللہ عنھم اجمعین اور رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران، حضرت اسامہ بن زید اور اوس بن خولی رضی اللہ عنھم تھے۔ حضرت عباس، فضل، اور قثم رضی اللہ عنھم آپ ﷺ کی کروٹ بدل رہے تھے۔ حضرت اسامہ و شقران رضی اللہ عنھما پانی بہا رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے اور حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اپنے سینے سے ٹیک دے رکھی تھی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو تین سفید یمنی چادروں میں کفنایا گیا ان میں کرتا اور پگڑی نہ تھی۔ بس آپ ﷺ کو چادروں ہی میں لپیٹ دیا گیا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنھم میں اس بات کے لیے اختلاف پیدا ہوا کہ آپ ﷺ کو کہاں

دفن کیا جائے۔ لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی نبی بھی فوت نہیں ہوا مگر اس کی تدفین وہیں ہوئی جہاں فوت ہوا۔ اس کے بعد حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا وہ بستر اٹھایا جس پر آپ ﷺ کی وفات ہوئی تھی اور اسی کے نیچے قبر لحد والی (بغلی) کھودی۔

اس کے بعد آپ ﷺ کے جنازے کو رکھ کر ایک ساعت کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد باری باری سے دس دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم نے حجرے شریف میں داخل ہو کر نماز جنازہ پڑھی۔ کوئی امام نہ تھا۔ سب سے پہلے آپ ﷺ کے خانوادہ (بنو ہاشم) نے نماز جنازہ پڑھی، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر مردوں کے بعد عورتوں نے اور ان کے بعد بچوں نے۔ نماز جنازہ پڑھنے میں منگل کا پورا دن چلا گیا اور بدھ کی رات آ گئی اور رات میں آپ ﷺ کے جسد پاک کو سپرد خاک کیا گیا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کا بیان ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی تدفین کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ ہم نے بدھ کی رات کے درمیانی اوقات میں پھاوڑوں کی آواز سنی۔

حلیہ مبارک

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نہ لمبے تڑنگے تھے نہ ناٹے کھوٹے، لوگوں کے حساب سے درمیانہ قد کے تھے۔ بال نہ زیادہ گھنگھریالے تھے نہ بالکل کھڑے کھڑے بلکہ دونوں کے بیچ بیچ کی کیفیت تھی۔ تابناک چہرہ تھا اور خوبصورت ساخت۔ چہرہ کسی قدر گولائی لیے ہوئے تھا، رنگ گورا گلابی، آنکھیں سرمگیں اور پلکیں لمبی، سینہ پر ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر بقیہ جسم بال سے خالی، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں پر گوشت، رخسار نہ بہت زیادہ پر گوشت نہ ٹھوڑی چھوٹی اور پیشانی پست، چلتے تو قدرے جھٹکے سے پاؤں اٹھاتے اور یوں چلتے گویا کسی ڈھلواں پر چل رہے ہیں۔

جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے وجود کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ ﷺ سارے انبیاء کے خاتم تھے۔ سب سے زیادہ سخی دست، سب سے بڑھ کر جرأت مند، سب سے زیادہ صادق اللہجہ، سب سے بڑھ کر عہد و پیماں کا پابند وفا، سب سے زیادہ نرم طبیعت اور سب سے شریف ساتھی، جو آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا ہیبت زدہ ہوجاتا۔ جو جان پہچان کے ساتھ دیکھتا محبوب رکھتا۔ آپ ﷺ کا وصف بیان کرنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ جیسا نہیں دیکھا۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ ﷺ کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت تھا اور آپ ﷺ کے اخلاق سب سے بہتر تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا نبی ﷺ کا چہرہ تلوار جیسا تھا، انھوں نے کہا نہیں بلکہ چاند جیسا تھا۔ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنھا کہتی ہیں کہ اگر تم حضور ﷺ کو دیکھتے تو لگتا کہ تم نے طلوع ہوتے ہوئے سورج دیکھا ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار چاندنی رات میں آپ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ پر سرخ جوڑا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا اور چاند کو دیکھتا۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ آپ ﷺ چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے آپ ﷺ کے آگے کے دونوں دانت الگ الگ تھے جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو ان دانتوں کے درمیان سے نور جیسا نکلتا دیکھائی دیتا۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے کوئی حریر و دیبا نہیں چھوا جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ کبھی کوئی عنبر یا مشک یا کوئی ایسی خوشبو سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے بہتر ہو۔ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کا ہاتھ اپنے چہرے پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کے پاس آپ ﷺ تشریف فرما تھے۔ پسینہ آیا تو چہرے کی دھاریاں چمک اٹھیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے

ابو کبیر ہزلی کا یہ شعر پڑھا:

و اذا نظرت الی اسرة وجهه برقت کبرق العارض المتهلل

ترجمہ: جب ان کے چہرے کی دھاریاں دیکھو تو وہ یوں چمکتی ہیں جیسے روشن بادل چمک رہا ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھتے تھے۔

امین مصطفیٰ بالخیر یدعو کضوء البدر زایله الظلام

ترجمہ: آپ ﷺ امین ہیں، چنیدہ و برگزیدہ ہیں، خیر کی دعوت دیتے ہیں۔ گویا ماہ کامل کی روشنی ہیں جس سے تاریکی آنکھ مچولی کھیل رہی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو دیکھ کر زہیر کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

لو کنت من شئ سوی البشر کنت المضئ للیلة البدر

ترجمہ: اگر آپ ﷺ بشر کے سوا کسی اور چیز سے ہوتے تو آپ ﷺ ہی چودھویں کی رات کو روشن کرتے۔ پھر فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ایسے ہی تھے۔

آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی جو کبوتر کے انڈے جیسی اور جسم مبارک ہی کے مشابہ تھی، یہ بائیں کندھے کی نرم ہڈی کے پاس تھی اور اس پر مسوں کی طرح تلوں کا جمگھٹ تھا۔

اخلاق و عادات: رسول اللہ ﷺ کی حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ماں کے پیٹ ہی میں یتیم ہوگئے تھے، اور آپ ﷺ کی زندگی یتیمی و بے کسی کی حالت سے شروع ہوئی مگر جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو تمام ملک عرب کے شہنشاہ تھے۔ ان تمام حالات اور تمام مدارج زندگی میں آپ ﷺ کی سادہ معاشرت یکساں طور پر نظر آتی ہے۔ اللہ نے آپ ﷺ کو نادر حکمتوں اور عرب کے تمام زبانوں کا علم عطا کیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ ہر قبیلے سے اسی کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے۔ اللہ نے آپ ﷺ کو بردباری، قوت برداشت، قدرت پا کر درگزر اور

مشکلات پر صبر جیسے اوصاف عطا کیے تھے۔ ہر حلیم و بردبار کی کوئی نہ کوئی غلطی سامنے آتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی بلندیٔ کردار کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کے خلاف دشمنوں کی جتنی زیادتیاں بڑھتی گئیں آپ ﷺ کے صبر و حلم میں اتنا ہی اضافہ ہوتا گیا۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنے نفس کے لیے انتقام نہ لیا البتہ اگر اللہ کی حرمت چاک کی جاتی تو آپ ﷺ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ ﷺ سے کہا: مشرکین کے لیے بد دعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں لعنت کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ مریضوں کی عیادت کے لیے شہر کے دور دراز محلوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ حیا دار تھے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پردہ نشین کنواری عورت سے بھی زیادہ حیا دار تھے۔ جب آپ ﷺ کو کوئی بات ناگوار گزرتی تو چہرے سے پتہ لگ جاتا تھا۔ آپ ﷺ غیظ و غضب سے دور تھے اور سب سے جلد راضی ہو جاتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ سب سے بڑھ کر جواد و سخی تھے، اور آپ ﷺ کا دریائے سخاوت رمضان میں اس وقت زیادہ جوش میں ہوتا جب جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے رمضان المبارک میں ہر رات ملاقات کرتے اور قرآن کا دور کراتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ایسا کبھی نہ ہوا کہ آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ ﷺ نے نہیں کہہ دیا ہو۔ شجاعت و دلیری میں بھی آپ ﷺ کا مقام سب سے بلند تھا۔ میدان جنگ میں بڑے بڑے بہادر نے بھی کبھی نہ کبھی راہ فرار اختیار کیا لیکن آپ ﷺ میں یہ بات مشکل سے مشکل تر وقت میں بھی نہ پائی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب زور کا رن پڑتا اور جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے اور آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص دشمن کے قریب نہیں ہوتا تھا۔

آپ ﷺ سب سے زیادہ عادل، پاک دامن، صادق اللہجہ اور عظیم الامانت تھے اور اس کا اعتراف آپ ﷺ کے دوست دشمن سب کو ہے۔ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے کہ بنی مخزوم میں سے ایک عورت فاطمہ بنت الاسود چوری کے جرم میں پکڑی گئی۔ ثبوت جرم کے بعد آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ شرفائے قریش کو ناگوار گزرا اور انھوں نے چاہا کہ سفارش کر کے اس عورت کو بچا لیں، مگر سفارش کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو کہہ سن کر آمادہ کیا اور انھوں نے آپ ﷺ سے سفارش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسامہ! تم اللہ کی مقرر کردہ سزا میں سفارش کو دخل دیتے ہو؟ پھر آپ ﷺ اٹھے اور لوگوں سے خطاب فرمایا: اے لوگو! بنی اسرئیل میں بھی یہی قاعدہ تھا کہ جب کوئی ذی عزت شخص ان میں چوری کرتا تو اس پر پردہ ڈال دیتے اور اگر کوئی غریب آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ خدا گواہ ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمد نے چوری کی ہوتی تو یقیناً میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے۔ ایک بکری ذبح کرنے اور اس کا گوشت پکانے کا مشورہ ہوا۔ ایک نے کہا ذبح کرنا میرے ذمہ، دوسرے نے کہا کھال اتارنا میرے ذمہ، تیسرے نے کہا پکانا میرے ذمہ، رسول اللہ ﷺ نے کہا ایندھن کی لکریاں جمع کرنا میرے ذمہ۔ صحابہ رضی اللہ عنھم نے عرض کیا ہم آپ ﷺ کا کام کردیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ میرا کام کردو گے لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ تم پر امتیاز حاصل کروں کیوں کہ اللہ اپنے بندے کی یہ حرکت ناپسند کرتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے رفقا میں ممتاز سمجھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اٹھ کر لکڑیاں جمع فرمائیں۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف کر کے ان کو اپنے مرتبہ سے بڑھا دیا تم اس طرح میری تعریف کر کے مجھ کو نہ بڑھاؤ! میں بندہ ہوں اس طرح کہا کرو خدا کے بندے۔ خدا کے رسول۔"

آپ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنھم میں ملے جلے رہتے تھے اور مجلس میں

جہاں جگہ مل جاتی تھی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ آپ ﷺ نوکروں کے کام میں شریک ہوجاتے تھے اور انھیں اپنے پاس بٹھا لیتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے کپڑے خود سیتے تھے، اپنے جوتے خود ٹانکتے تھے اور اپنی بکری خود دوھتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انھوں نے دس سال تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے کبھی انھیں اف تک نہ کہا اور نہ کبھی عتاب فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا اور یہ کام کیوں نہ کیا۔

آپ ﷺ سب سے زیادہ متواضع اور تکبر سے دور تھے۔ جس طرح بادشاہوں کے لیے ان کے خدام و حاشیہ بردار کھڑے رہتے ہیں اس طرح اپنے لیے آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کو کھڑے ہونے سے منع فرماتے تھے۔ آپ ﷺ لایعنی باتوں سے زبان کو روکتے تھے۔ ہر قوم کے معزز آدمی کی تکریم فرماتے تھے اور اسی کو ان کا والی بناتے تھے۔ آپ ﷺ کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے، کسی کو عار نہیں دلاتے تھے اور کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا۔ اگر کھانے کو دل نہ کیا تو نہیں کھایا لیکن زبان سے کھانے کی برائی نہیں کی۔ آپ ﷺ نے ریا سے ہمیشہ اپنے نفس کو محفوظ رکھا اور آپ ﷺ کے پاس کبھی کسی چیز کی کثرت نہ رہی۔

جب آپ ﷺ کلام کرتے تھے تو آپ ﷺ کے رفقا خاموشی سے سنتے تھے اور جب آپ ﷺ خاموش ہوتے تو لوگ گفتگو کرتے تھے۔ لوگ آپ ﷺ کے پاس گپ بازی نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کس طرح گفتگو کرنا چاہیے اس کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں یوں بیان فرمایا ہے:

یا یھا الذین امنو لاتقدموا بین یدی اللہ و رسولہ واتقوا اللہ ط ان اللہ سمیع علیم o یا یھا الذین اٰمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون o ان الذین یغضون اصواتھم

عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ ط
لھم مغفرۃ و اجر عظیم o (سورۃ الحجرات. پارہ 26)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ہی اس کے سامنے اس طرح اونچی آواز سے بولو جیسے تم ایک دوسرے سے بولتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمھیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔ بیشک جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے حضور اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

وما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا.

(سورۃ الحشر. پارہ 28)

ترجمہ: تمھیں رسول ﷺ جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو فرض کیا ہے اسی طرح اپنے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو بھی لازم قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یا یھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و لا تبطلوا اعمٰلکم. (سورۂ محمد. پارہ 26)

ترجمہ: اے اہل ایمان! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور (اس اطاعت سے ہٹ کر) اپنے اعمال باطل نہ کرو۔

رسول اللہ ﷺ اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر فرماتے اور ذکر الٰہی کے لیے کوئی جگہ متعین نہیں فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کو مایوسی نہیں ہوتی تھی اور آپ ﷺ کے چہرہ پر ہمیشہ خوشی رہتی تھی۔ آپ ﷺ ہمیشہ غور وفکر میں رہتے تھے۔ آپ ﷺ اپنی مجلس میں سب

سے زیادہ باوقار ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کی ہنسی مسکراہٹ تھی اور کلام دوٹوک ہوتا تھا۔ جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے وجود کے ساتھ متوجہ ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے اخلاق سے سب کو نوازا۔ آپ ﷺ سب کے لیے باپ کا درجہ رکھتے تھے اور سب آپ ﷺ کے نزدیک یکساں حق رکھتے تھے۔ کسی کو فضیلت تھی تو تقویٰ کی بنیاد پر۔ آپ ﷺ بڑے کا احترام کرتے تھے، چھوٹے پر رحم کرتے تھے اور حاجت مند کو نوازتے تھے۔ جن کمالات پر جان چھڑکی جاتی ہے اللہ نے ان کمالات سے آپ ﷺ کو نوازا تھا۔ آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنھم کو یہ گوارہ نہ تھا کہ آپ ﷺ کو خراش تک آئے چاہے اس کے لیے ان کی گردنیں ہی کیوں نہ کاٹ دی جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بے نظیر صفات کمال اور بے نظیر ادب سے نوازا تھا حتی کہ اس نے خود آپ ﷺ کی تعریف میں فرمایا:

و انک لعلیٰ خلق عظیم.

ترجمہ: یقیناً آپ ﷺ عظیم اخلاق پر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ عبادت کرتے تھے۔ صحیح بخاری شریف و مسلم میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کو تہجد میں اتنا لمبا قیام کیا کہ آپ ﷺ کا قدم مبارک سوج گیا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اتنی مشقت کیوں کرتے ہیں حالاں کہ آپ ﷺ مغفور ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت کا انعام، مغفرت کی دولت اور بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے تو میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تہجد ضرور پڑھا کرو، کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کی روش ہے اور تمھارے لیے اپنے رب کے قرب کا وسیلہ، گناہوں کے مٹنے کا ذریعہ اور (مزید) گناہوں سے بچنے کا سبب ہے''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ فرض نماز کے بعد سب نمازوں سے افضل تہجد کی نماز ہے۔ ترمذی میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دن اور رات میں فرضوں کے علاوہ بارہ

رکعتیں سنتیں پڑھے اس کے لیے بہشت میں گھر بنایا جاتا ہے۔ ان بارہ رکعتوں کی تفصیل یہ ہے: دو رکعت نماز فجر سے پہلے، چار رکعت ظہر سے پہلے، دو رکعت اس کے بعد، دو رکعت مغرب کے بعد اور دو رکعت عشا کے بعد۔

رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کا حسن اور طول بیان نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تہجد میں (اتنا) قیام کیا کہ اس ایک آیت کو (عجز والحاح سے بار بار) پڑھتے صبح کردی:

ان تعذبهم فانهم عبادک ط وان تغفر لهم فانک انت العزیز الحکیم ○ (سورۃ المائدہ. پارہ 7)

ترجمہ: اگر تو انھیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کردے تو یقیناً تو غالب (اور) حکمت والا ہے۔

ابو داؤد میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انھوں نے (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کو تہجد پڑھتے دیکھا۔ وہ کہتے ہیں سورہ فاتحہ کے بعد آپ ﷺ نے سورہ بقرہ پڑھی۔ پھر رکوع کیا۔ آپ ﷺ کا رکوع آپ ﷺ کے قیام کی مانند تھا۔ پھر آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا۔ آپ ﷺ کا قومہ آپ ﷺ کے رکوع کی مانند تھا پھر آپ نے سجدہ کیا۔ آپ ﷺ کا سجدہ آپ ﷺ کے قومہ کی مانند تھا۔ پھر آپ ﷺ نے جلسہ کیا یعنی سجدے سے اٹھ کر بیٹھے اور آپ ﷺ کا جلسہ آپ ﷺ کے سجدے کی مانند تھا۔ پس آپ ﷺ نے چار رکعتوں میں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء اور سورہ مائدہ پڑھیں۔ سبحان اللہ! یہ تھی نور مجسم ﷺ کی نماز تہجد۔ صرف چار رکعات ہی میں آپ ﷺ سوا سات پارے پڑھے پھر رکوع، قومے، سجدے اور جلسے کی درازی اور ان میں تسبیحوں اور دعاؤں کو کثرت سے پڑھنا، آپ ﷺ پر ختم تھا۔

رسول اللہ ﷺ عالم وجود کے سب سے عظم بشر اور خاتم النبیین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمت للعلمین بنا کر اس دنیا میں بھیجا۔ میں نے آپ ﷺ کی سیرت

کو پچھلے اوراق میں جو قلم بند کیا ہے وہ میری محبت، میری خواہش اور میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے ورنہ آپ ﷺ کی سیرت کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں۔ آپ ﷺ کی عظمت کی انتہا تک کسی بشر کی رسائی کیونکر ہو سکتی ہے جب کہ خالق کائنات اپنے کلام میں آپ ﷺ کا خود مداح ہے اور آپ ﷺ کی شان مبارک یوں بیان فرماتا ہے:

ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین امنو صلوا علیہ وسلموا تسلیما. (سورۃ الاحزاب. پارہ 22)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی (محمد ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجا کرو۔

اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید. اللھم بارک علیٰ محمد و علی آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید.

تمت بالخیر



امام الدین کشی نگری

15/شعبان المعظم 1442ھ مطابق 29/مارچ 2021ء

سوہی بزرگ عرف مہدیا کشی نگر (یوپی)

زیر نظر کتاب "**سیرت رسول اکرم**" اردو سیرت نگاری کے باب میں ایک مبارک اضافہ ہے جسے ایک ہندوستانی عاشق رسول صاحب قلم محمد امام الدین صاحب کی مبارک شاہکار رہے جس میں انکی محبوب خدا ﷺ بے پناہ محبت کی جھلک نظر آتی ہے ۔ مؤلف نے اپنی اس تالیف کو تین مرکزی عنوانات "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی، مدنی زندگی اور شخصی زندگی" کے تحت بڑے تفصیلی انداز میں مرتب کی ہے۔ جامعیت کا خاصا خیال رکھا ہے، ہر واقعے میں مقام و وقت، ماہ و سال، سن ہجری رعیسوی اور انجام کار کا بیان تقریباً لازمی سمجھا ہے اور اکثر مقامات پر تجزیاتی طریقے سے سیاق وسباق کا لحاظ کرتے ہوئے حاصل گفتگو بھی بیان کر دیا ہے۔ چوں کہ مجھے اس کے ہر ورق کا ہر ہر لفظ پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے، اس لیے میں یقین اور اعتماد کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ یہ کتاب اردو قارئین کے لیے اپنی حجم اور مواد کی ہمہ گیریت کے اعتبار سے ان کی ضرورت ہے۔

تقسیم کار

RAZVI KITAB GHAR **رضوی کتاب گھر**

425/MATIA MAHAL JAMA MASJID DELHI-6 ۴۲۵/اردو مارکیٹ مٹیا محل جامع مسجد دہلی۔۶

Ph.01123264524 E.MAIL:razvikitabghar@yahoo.co.in